الرسالة الأحمدية

في

مناقب المشائخ المغربية

مصنّف

قدوۃ الواصلین، سراج السالکین

حضرت سیّدنا شیخ احمد کھٹوی احمد آبادی

قدس سرہ العزیز

ترجمہ، تحقیق، تحشیہ، وتخریج

مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی

صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتاء دار العلوم انوار مدینہ، جام کھمبھالیا (گجرات)

ناشر

صدر الشریعہ اکیڈمی، پور بندر (گجرات)

پن کوڈ: 360575

الرسالة الأحمدية في مناقب المشائخ المغربية

حضرت سیدنا شیخ احمد کھٹوی احمد آبادی

الرسالة الأحمدية
في
مناقب المشائخ المغربية

مصنّف

قدوۃ الواصلین، سراج السالکین

حضرت سیّدنا شیخ احمد کھٹوی احمد آبادی

قدس سرہ العزیز

ترجمہ، تحقیق، تحشیہ، و تخریج

مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی

صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا دار العلوم انوارِ مدینہ، جام کھمبھالیا (گجرات)

ناشر

صدر الشریعہ اکیڈمی، پور بندر (گجرات)

پن کوڈ: 360575

سلسلۂ اشاعت نمبر ❸

نام کتاب	:	الرسالة الأحمدية في مناقب المشائخ المغربية
مصنف	:	حضرت سیّدنا شیخ احمد کھٹوی احمد آبادی قدس سرہ
ترجمہ، تحقیق، تحشیہ وتخریج	:	مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی
طباعت	:	باراوّل
سن اشاعت	:	جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ / نومبر ۲۰۲۳ء
تعداد	:	۱۱۰۰
ناشر	:	صدر الشریعہ اکیڈمی، پور بندر (گجرات)

1. **Darul Uloom Anwar e Madinah,**
   Jam – Khambhaliya, Gujarat. Ph : (87806 16019)

2. **Sadrush Shariya Academy,**
   Porbandar. Gujarat. Ph : (87806 16019)

3. **Maktabah Darul – Mustafa,**
   Porbandar, Gujarat. Ph : (96875 25990)

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم.أما بعد !

زیرِ نظر رسالہ سراج السالکین حضرت سیدنا مخدوم شیخ احمد گنج بخش مغربی کھٹوی ثم سرخیزی (م:۸۴۹ھ) کی عربی زبان میں گراں مایہ کتاب ہے جو آپ نے بانیٔ احمد آباد حضرت احمد شاہ (عہد حکومت: ۸۱۳ تا ۸۴۵ھ) کی فرمائش پر مرتب فرمائی۔ سلطان احمد چوں کہ ایک علم پرور اور مشائخ کا کافی عقیدت مند تھا، اس نے حضرت شیخ احمد علیہ الرحمۃ سے آپ کے فضائل و کمالات سے متاثر ہو کر مغربی سلسلہ کے مشاہیر اولیاے کرام کے فضائل و مناقب اور اقوال وارشادات پر مشتمل ایک رسالہ لکھنے کی گزارش کی۔ سلطان کی پیش کش کو منظور فرماکر آپ نے یہ مبارک رسالہ تصنیف فرمایااور اسے "الرسالة الأحمدية في مناقب المشائخ المغربية" کانام دیا۔

اور کیسا عجیب اتفاق ہے کہ دونوں ہی احمد نامی ہیں، لہذا رسالہ کی نسبت جہاں شیخ احمد کی طرف ہوتی ہے جو اس کے مؤلف ہیں، وہیں سلطان احمد کی طرف بھی ہوتی ہے جو اس رسالہ کے محرک اور داعی ہیں اور نسبت جس طرح فاعل کی طرف ہوتی ہے، یوں ہی آمر اور سبب کی طرف بھی متعارف ہے۔

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

راقم الحروف نے حضرت کی سوانح میں اس رسالہ کا نام پڑھا تھا، مگر یہ رسالہ اب تک مخطوطہ ہی کی شکل میں تھااور اس پر جدید تقاضوں کے مطابق کام نہیں ہوا تھا، لہذا میں نے توکلاً علی اللہ اس رسالہ پر تحقیقی کام کرنے کا فیصلہ کرلیا کہ رسالہ کی برکتیں بھی حاصل ہوں اور حضرت شیخ احمد کے غلاموں کی فہرست میں میرا بھی شمار ہو جائے اور اس کے مختلف نسخوں کو تلاش کرنا شروع کیا، اولاً اس کا ایک نسخہ دستیاب ہوا جو صاف تو ضرور تھا مگر اغلاط کا گویا پلندہ تھا، جگہ جگہ کاتب کی مہربانیں کرم فرما ہیں، کہیں کلمات کو توڑ مروڑ کر کیا سے کیا کر دیا

گیا تھا، کہیں پوری سطر ہی غائب بلکہ پورے پورے صفحات ہی غائب، کہیں صفحہ کے حوض میں عبارتیں دبی ہوئیں، غرض وہ نسخہ اس قابل ہی نہیں رہ گیا تھا کہ اس سے کچھ کام ممکن ہو۔ لہذا میں مزید نسخے تلاش کرنے لگا اور الحمد للہ! حضرت پیر محمد شاہ لائبریری، احمد آباد میں اس کے چار نسخے مل گئے، دو اصل کتاب کے اور دو اس کی شرح کے جو شیخ ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم نامی بزرگ کی لکھی ہوئی ہے۔

رسالۂ مغربیہ کے مخطوطات کی وضاحت:

(۱) مخطوطہ نمبر (2235-B) وضاحتی فہرست کی جلد ہشتم، صفحہ ۸۸ پر اس مخطوطہ کا ذکر ہے۔

(۲) مخطوطہ نمبر (A×M-037) یہ سابقہ مخطوطہ کی نقل ہے۔ چنانچہ وضاحتی فہرست، جلد ہشتم، صفحہ ۸۹ پر مرقوم ہے کہ "اس رسالہ کی بعد میں تیار کی گئی ایک اور نقل کی فوٹو کاپی، اس کتاب خانہ میں نمبر A×M-037 پر محفوظ ہے۔"

شرح رسالۂ مغربیہ کے قلمی نسخوں کی وضاحت:

(۱) مخطوطہ نمبر (0593) Title index of Catalogues کے صفحہ ۲۴۷، ترتیب نمبر ۱۹۸۲ پر یہ مخطوطہ موجود ہے۔

(۲) مخطوطہ نمبر (1425) Title index of Catalogues کے صفحہ ۲۴۹، ترتیب نمبر ۱۹۹۶ پر اس مخطوطہ کا ذکر ہے۔

اس شرح کا ذکر عبد اللہ بن عمر آصفی نے بھی "ظفر الوالِہ" میں کیا ہے جو تاریخ گجرات پر سب سے قدیم اور اولین ماخذ ہے۔ آصفی کے الفاظ یہ ہیں:

"نقلت من شرح لأبي حامد إسماعيل بن إبراهيم على رسالة جمعها قطب العارفين مولانا شيخ الإسلام شهاب الدين أحمد صاحب سركهيج باسم العابد المجاهد السلطان أحمد بن محمد بن مظفر ".

(ظفر الوالہ بمظفر وآلہ، دفتر اول، جلد اول، ص: ۲، مطبوعہ لندن، ۱۹۱۰ء)

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رسالہ کے نام میں نسبتِ احمد حضرت سلطان احمد کی طرف ملحوظ رکھی گئی ہے۔

شارح کے بارے میں زیادہ تو معلوم نہ ہو سکا، صرف یہ معلوم ہوا کہ حضرت شیخ احمد کے فیض یافتہ اور ان سے سلسلۂ مغربیہ کے اذکار واوراد کے اجازت یافتہ ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ احمد نے رسالۂ مغربیہ میں جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ مغربی سلسلہ کے اذکار واشغال کن مشائخ کے ذریعہ آپ تک پہنچے، اس کے تحت شرح میں ہے:

"وقد وصل منه إلى أضعف عباد الله الرحيم، إسماعيل بن إبراهيم، شارح هذا المنهج المستقيم ــــ جعله الله آمنا من نار الجحيم ــــ"

(شرح رسالۂ مغربیہ قلمی، ص:۳۰۵)

الحمد للہ کتاب پر کام شروع ہوا اور ۱۶، شوال المکرم ۱۴۴۰ھ / ۱۶، جون ۲۰۱۹ء دوشنبہ کو رات ایک بجے تحقیق، ترجمہ، تخریج، تحشیہ کا کام مکمل ہوا۔ مگر کچھ عوارض کی وجہ سے کتاب کی اشاعت نہ ہو سکی اور اب تقریباً ساڑھے چار سال کے بعد کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس بے مایہ نے نازش علم و فن، تاج الفقہاء، معتمد حضور محدث کبیر، حضرت علامہ مفتی اختر حسین صاحب علیمی صاحب قبلہ دامت معالیہم (صدر شعبۂ افتادار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی، یوپی) اور استاذ گرامی، زینت بزم تدریس، جامعِ منقولات، حضرت علامہ و مولانا احمد رضا صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیۃ (پرنسپل دار العلوم انوار خواجہ، جامنگر، گجرات) سے کتاب پر تقریظ لکھنے کی گزارش کی۔ ان دونوں بزرگوں نے اس بے مایہ پر کرم فرماتے ہوئے کتاب پر اپنے وقیع اور گراں بہا تاثرات پیش فرمائے اور راقم کو اس کی حیثیت واقعی سے کہیں زیادہ حوصلہ کلمات سے نوازا، ورنہ سچ یہ ہے کہ

ع: من آنم کہ من دانم

پروردگارِ عالم حضور تاج الفقہاء اور حضور استاذ گرامی کو درازیٔ عمر صحت و عافیت و سلامتی کے ساتھ عطا فرمائے اور ان کا سایہ اہل سنت پر دراز سے دراز تر فرمائے۔

آخر میں! مجھے اپنی بے بضاعتی کا مکمل احساس ہے، اگر کسی صاحب علم و قلم کو دورانِ مطالعہ کسی قسم کا سقم نظر آئے تو ضرور اس بے مایہ کو اس کی نشان دہی کر دیں، ہم ان کے مشکور رہیں گے اور آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ اس مقام کی تصحیح کر دی جائے گی۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں...

راقم الحروف نے رسالۂ ہذا پر جس نوعیت کام کیا ہے، اس کی مختصر فہرست یہ ہے

- پورا رسالہ از سر نو کمپوز کیا گیا۔
- متن کے دو نسخوں کو (الف) اور (ب) اور شرح کے نسخوں کو (ج) اور (د) کا نام دیا گیا ہے۔
- مرکزی نسخہ (ب) کو رکھا گیا اور اس نسخہ میں جو عبارات ساقط تھیں، انہیں دوسرے نسخوں سے مقابلہ کر کے شامل متن کیا گیا اور ہلالین کے ذریعہ ممتاز کر دیا گیا۔ اسی طرح جہاں کتابت کے اغلاط تھے جس سے الفاظ بالکل بے معنی اور مہمل ہو کر رہ گئے تھے، ان کی تصحیح دیگر نسخوں سے کر دی گئی۔ اور جہاں بقیہ نسخوں میں بھی وہی غلطیاں تھیں تو ایسی صورت میں اصل مآخذ اور مراجع سے ان مقامات کو تلاش کر کے حتی الامکان تصحیح کر دی گئی ہے۔
- جہاں نسخے مختلف تھے اور معنی میں بہت زیادہ تفاوت نہ تھا، وہاں حاشیہ میں نسخوں کے اختلاف کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔
- جلی حروف میں سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔
- حلِ لغات عبارات۔
- تشریح طلب مقامات کی معتبر و مستند کتابوں سے بقدر ضرورت توضیح۔
- آیات واحادیث اور اقوال کی نمبرنگ بھی کر دی گئی ہے۔
- آیات میں رسم عثمانی کی رعایت کی گئی ہے اور ان پر اعراب لگا دیا گیا ہے۔
- آیات کا ترجمہ کنز الایمان سے کیا گیا ہے۔
- ترجمۂ کتاب میں حتی الامکان یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ اردو زبان کی چاشنی برقرار رہے اور ترجمہ کا حق بھی ادا ہو۔

- جدید رموز کتابت ڈیش، کاما وغیرہ کی پوری رعایت کی گئی ہے، جہاں پیرا کی ضرورت تھی وہاں پیراگراف بھی دیا گیا ہے۔
- حسبِ ضرورت اماکن واعلام کو حرکات وسکنات سے مزین کر دیا گیا ہے۔
- حتی المقدور تخریجات اور حوالجات کا مع جلد وصفحات کے التزام کیا گیا ہے، ساتھ ہی حدیث کی تخریج میں حدیث کے مجموعی نمبر کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔
- کتاب کے حواشی میں حسبِ ضرورت جن اردو کتابوں سے استناد کیا گیا ہے، وہاں ان کی عبارات کی تعریب کی گئی ہے۔
- جن بزرگوں کے اسما درج ہیں، ان میں بیشتر حضرات کا مختصر تذکرہ کر دیا گیا ہے۔
- چند مقامات پر راقم الحروف نے اپنی ذاتی تحقیقات بھی درج کی ہیں، ان مقامات کو "اقول" کے ذریعہ ممتاز کر دیا گیا ہے۔
- مؤلف کتاب کی مختصر سوانح بھی درج کر دی گئی ہے اور حسب ضرورت حاشیہ میں کچھ تحقیقی ابحاث بھی مذکور ہیں۔
- مضامین کی فہرست دو طرح سے مرتب کی گئی ہے، ایک عربی اور ایک اردو۔ متنِ کتاب کی تحقیق وتخریج کے بعد عربی فہرست درج کی گئی ہے جس کا تعلق کتاب اور اس کے حواشی سے ہے اور ترجمۂ کتاب وسوانح نگاری کے بعد اردو فہرست درج کی گئی ہے جس کا تعلق ترجمہ اور سوانح کے مضامین سے ہے۔
- اور آخر میں مصادر ومراجع کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔

محمد مزمل برکاتی

خادم دار العلوم انوار مدینہ، جام کھمبھالیا

۱۳، صفر المظفر ۱۴۴۵ھ / ۳۱، اگست ۲۰۲۳ء

تقریظِ جلیل

نازش علم و فن، تاج الفقہاء، معتمد حضور محدث کبیر

حضرت علامہ و مولانا مفتی اختر حسین علیمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیۃ

بسم الله الرحمن الرحيم، نحمدك يا الله، ونصلي ونسلم عليك يا رسول الله

سید العارفین، قطب عالم، سیدنا شیخ احمد کھٹو رضی اللہ تعالی عنہ کی تصنیف لطیف مسمی بہ " الرسالة الأحمدية فی مناقب المشائخ المغربية "کی بازیافت اور پھر اس پر علمی کاموں کی سہرا محب گرامی مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی گجراتی زید مجدہ کے سر سجتا ہے۔

موصوف اچھی صلاحیت کے مالک، متحرک و فعال، ذی ہوش و ہنر مند اور محنتی استاذ و مفتی ہیں۔

رسالہ مبارکہ مخطوطہ کی شکل میں انھیں دستیاب ہوا، اسے سمجھا اور پھر ترجمہ و تحشیہ کا کام کیا، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی، کرم خوردہ مقامات کو سیاق و سباق کی روشنی میں درست کیا، غرض کہ پوری دل جمعی، لگن اور جد و جہد کو بروے کار لا کر اہل علم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

راقم مفتی صاحب کی اس علمی کاوش پر ڈھیر ساری مبارک بادی پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ رب قدیر آپ کی محنت کو شرف قبول بخشے اور مزید دینی خدمات سے حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ و علی آلہ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد اختر حسین قادری غفرلہ

خادم دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی، یوپی

تقریظِ جمیل

استاذ گرامی، یادگارِ اسلاف، پیکرِ علم و عمل، استاذ العلما، معتمد حضور محدث کبیر حضرت علامہ و مولانا احمد رضا نظامی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیۃ

الحمد لولیه، والصلاة والسلام علی رسوله وآله وصحبه أجمعین.

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

مشائخ کرام اور اولیاے عظام کے حالات بندگانِ خدا کے لیے اصلاح و موعظت کا ذریعہ اور رشد وہدایت کا گنجینہ ہیں۔ قلوب واذہان جہاں اہل حق کی صحبت اور ان کے مواعظ سے پاکیزہ رہتے ہیں، وہیں ان کی حیات مبارکہ کے تابندہ گوشوں کے مطالعہ سے دل کی دنیا بدلتی ہے اور ان کے اقوال وارشادات پڑھ کر روحانی انقلاب پیدا ہوتا ہے، اس لیے مشائخ کرام کے حالات اور ان کی کتابِ حیات کے اوراق کا مطالعہ بھی روحانی تربیت کا اہم ذریعہ ہے۔

پیشِ نظر کتاب "الرسالة الأحمدیة فی مناقب المشائخ المغربیة" سراج السالکین، قطب الواصلین شیخ احمد کھٹو گنج بخش مغربی علیہ الرحمۃ کا نادار ونایاب قلمی رسالہ ہے۔ جس میں آپ نے مغربی شیوخ اور اولیاے کاملین کے احوال وفضائل ومناقب، اقوال وارشادات، افکار ونظریات پر روشنی ڈالی ہے۔

مگر بشکل مخطوطہ قدیمی کتب خانوں میں مخزون ہونے کی وجہ سے اس تک رسائی اہل علم کے لیے ممکن نہ تھی۔ لیکن عزیز گرامی قدر حضرت علامہ مفتی مزمل برکاتی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس قدیم مخطوطہ کی تحقیق وتخریج اور اس کا ترجمہ کرکے اہل علم پر بڑا احسان کیا ہے اور اس قلمی رسالہ کو منظر عام پر لانے کا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ عزیز موصوف ایک باصلاحیت، باوقار اور بلند فکر وخیال کے نوجوان عالم دین ہیں، تدریس وافتا کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مصروف ہیں۔

ترجمے کا کام انتہائی مشکل سمجھا جاتا ہے کیوں کہ ترجمہ کا حق ادا کرنے لیے مترجم کے لیے دونوں زبانوں کی باریکیوں سے واقفیت، محاورات سے آشنائی اور الفاظ وتراکیب کے مواقع استعمال سے آگاہی ضروری ہوا کرتی ہے۔ میں نے رسالۂ مذکورہ کے چند اوراق اور اس کے ترجمے کو دیکھا، یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ ترجمہ انتہائی سلیس، سہل، سادہ اور رواں دواں ہے۔ مترجم نے کوشش کی ہے کہ مصنف کے مفاہیم و مطالب کی صحیح ترجمانی ہو اور اہل علم طبقہ اس کتاب مستطاب سے استفادہ کر سکے اور آخر میں مصنفِ کتاب سیدنا شیخ احمد کھٹو مغربی علیہ الرحمہ کے حالات زندگی کو بھی شاملِ کتاب کر لیا ہے جو کتاب کی افادیت کو دوبالا کرتا ہے۔ امید کہ اہلِ ذوق اس کاوش کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

اس سے قبل بھی مفتی صاحب کے زرنگار قلم سے استاذ الہند حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی علیہ الرحمہ کے احوال و آثار پر ایک کتاب منظر عام پر آکر خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ میں ان علم کاوشوں پر عزیز گرامی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ رب تعالیٰ ان کا اقبال بلند فرمائے اور ان کی دینی، علمی اور تصنیفی خدمات کا دائرہ وسیع فرمائے اور اللہ جل شانہ ان کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہ و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

احمد رضا نظامی

خادم دار العلوم محمود الاسلام، پربھاس پاٹن، ویراول، گجرات

۴، ربیع الغوث ۱۴۴۳ھ /۲۰۲۱ء

نسخہ (الف) کے پہلے صفحہ کا عکس

نسخہ (الف) کے آخری صفحہ کا عکس

(١)

الرسالة الاحمدية فی مناقب المشائخ المغربية لسيدنا ومولانا العارف بالله تعالیٰ القطب الربانی والغوث الرحمانی الشيخ احمد الشهير بكلتو قدس الله سره العزيز

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی فضل الذاكر علی الناس ونزله فی مقعد الصدق والاخلاص والصلوة علی من ارسله الی كافة الناس فقال خير الناس من ينفع الناس ای بارشاد وتعليم ونوال وايناس الذين مهد واللذكر القواعد والاساس اما بعد فلما اقترح علی بعض الاخوان واطمع نی فی ذكر

نسخہ (ب) کے پہلے صفحہ کا عکس

سنه احدی و ثمانین وسبع مائة قال یا احمد هیئ
القبر الی الظهر فتهیا فلما زالت الشمس امرنی ان
اجلس خلفه لیستند بی فجلست واستند بی فقال یا حی
یا قیوم وغمض عینیه وتوفی رضی الله عنه وقال صفی الدین
رضی الله عنه رایت امراۃ مغربیة کبیرۃ الشان یعظمها
الاولیاء والعظما یقال لها بنت الملوك زارت بیت المقدس
فی وقت کان فیه الشیخ الولی الکبیر الشان علی ابن علیس
الیمانی رضی الله عنه قال الشیخ علی المذکور کنت بیت المقدس
واذا انا اشهد جبل من نور مد من السماء الی قبة کانت
فی المسجد فمشیت الی القبة فوجدت فیها هذه المراۃ
بنت الملوك والنور الذی شهدته متصل بها فطلبت
منها الاخوۃ فاجابت رضی عنها وقال الشیخ الکبیر
شهاب الدین سهروردی رایت بعض الفقراء من
المغرب بمکة وله سبحة فیها الف حبة فی کیس له
ذکران ورده ان یدیرها کل یوم اثنی عشر مرۃ

بانواع الذکر قال العبد المفتقر الی ربه وانما
ادرج من مناقب بعض المشائخ المغربین وکلامهم
رضی الله عنهم لینتفع الناظر الحاضر بقلبه والسماع و
السامع بجده اذ بذکر الصالحین تنزل الرحمة ویتعظ
بنصائحهم فانها تورث البرکة وفضائل لمشائخ المغربین
ومناقبهم اکثر من ان تحصی واکبر النسخ بذالك یحتی
وبذکر الله الافتتاح والاختتام والصلوۃ علی
نبینا وحبیبنا محمد علیه السلام
وعلی اله البررات الکرام وعلی
اصحابه السفرۃ العظام وسلم
تسلیما کثیرا کثیرا برحمتك
یا ارحم الراحمین

نسخہ (ب) کے آخری صفحہ کا عکس

بسم الله الرحمن الرحيم وبه
الحمد هو الثناء على الجميل من نعمة أو غيرها
والثناء ذكر الخير له قيل أصله إلاه بالهمزة بأنه
فعرّف وقيل عربي وضع لذاته سبحانه وتعالى
وقيل وصف في أصله فغلب عليه وحقيقة معناه
المستحق للعبادة قال أبو حامد رحمه الله إن
هذا الاسم أعظم الأسماء لأنه دالّ على الذات
الجامع للصفات الإلهية كلها حتى لا يشذ
منها شيء وسائر الأسماء لا يدل آحادها
إلا على آحاد الصفات من علم أو قدرة أو غيرها
أقول وبالله التوفيق ولهذا المعنى أضاف
الحمد إلى هذا الاسم دون غيره من الأسماء
ليدل على أن الحمد له تعالى باعتبار الذات

٣

والصفات جميعا وإذا أضيف إلى غير هذا
الاسم لا يحصل هذا الاسم العموم وفي الذكر بهذا
الاسم مراتب فذكر العوام بإجرائه على اللسان
على الخشية والتعظيم وذكر الخواص به
أن يتأملوا معناه ويعلموا أن هذا الاسم
لا يطلق إلا على من كان موجودا فائض
الجود جامعا للصفات الإلهية منعوتا بالنعوت
الربوبية وذكر الأخص بأن يستغرق قلبه
بالكلية ولا يلتفت إلى أحد سواه ولا يرجو ولا يخاف
فيما يأتي ويذر إلا إياه لأنه هو الحق الثابت
دون ما عداه والذي فيه الذاكر لله أي الذي
يذكر ربه ودليل التفضيل قوله عليه السلام مثل الذي يذكر
ربه والذي لا يذكر مثل الحي والميت مثل الذاكر

نسخہ (ج) کے پہلے صفحہ کا عکس

نسخہ (ج) کے آخری صفحہ کا عکس

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد هو الثناء على الجميل من نعمة وغيرها
والثناء ذكر الخير لله قيل اصله لاها بالسريانية
فعرب وقيل عربي وضع لذاته سبحانه وتعالى
وقيل وصف في اصله فغلب عليه ومعناه المستحق

للعبادة قال ابو حامد رحمه الله ان هذا الاسم
اعظم الاسماء لانه دال على الذات الجامع
للصفات الالهية كلها حتى لا يشذ منها شيئ
وسائر الاسماء لا يدل احادها الا على احاد
الصفات من علم او قدرة او غيرهما اقول
وبالله التوفيق ولهذا المعنى اضافوا الحمد الى
هذا الاسم دون غيره من الاسماء ليدل على
ان الحمد له تعالى باعتبار الذات والصفات جميعًا
واذا اضيف الى غير هذا الاسم لا يحصل هذا العموم

نسخہ (د) کے پہلے صفحہ کا عکس

(٣٤٩) (٣٤٩)

والاختتام قدم الخبر للحصر والاهتمام اى بذكر الله
اختتمت لا لغيره والصلوة على نبينا وحبيبنا محمد
عليه الصلوة والسلام وعلى آله البررة جمع البار
الكرام جمع الكريم ولكن هذا فى شرحنا آخر الكلام

أظن أن هذه الكلمة هكذا - "ولكن" -١٢

تمت الكتاب شرح الرسالة الاحمدية فى مناقب المشائخ المغربية
رحمهم الله

ايضا للمحرقية الشيخ

١ ان حزنا لنا المر بيالى ٥ نحن كالطين وهو مثل الجبالى
٢ مات شيخ لنا بلا خلف ٥ موته ظلمة وكربة بال
٣ فات منا ولا يفارقنا ٥ همه بالغدو والاصال
٤ كان ختم الشيوخ فى زمنى ٥ ليس فيها من الكرام مثال
٥ فيه قد تمت الخلافة من ٥ يدعيها فليس اهل كمال
٦ كم مريد له كثر الخير ٥ كم عبيد له عجيب الحال
٧ ان فرضتم له من المولود ٥ محنا فى الكرم خير رجال

(٣٧٠)

٨ مثل سلطاننا محمد شاه ٥ الذى صار قبلة الآمال
٩ ان طلبتم لنا خليفة ٥ صرح الشيخ اذ ذالك محال
١٠ قد كفانا خليفة الله ٥ جلت آلاؤه وعم نوال
١١ اقسم الله لا عدو له ٥ ان فرضتم العدو فهو لمال
١٢ طا، ميم، على ثمان مائة ٥ كان دال ويا، من الشوال
١٣ عمره دل انه "قطب" ٥ مات يوم الخميس قبل زوال
١٤ اسمه احمد، ومولده ٥ كان كهتو مقام اهل كمال
١٥ روضة فى فناء سركهيج ٥ عند حوض له وسيع عال
١٦ حوضة كالفرات عذب الماء ٥ روضة كالجنان حب النال
١٧ بيته كان مقصد الفقراء ٥ بابه كان قبلة المال

فى تاريخ الشيخ

چو شیخ احمد امام دین و دنیا ٥ سوی فردوس می شد خرم و شاد
فلک می گفت در تاریخ آن سال ٥ شه عالم محمد را بقا باد

فی تاریخ الشیخ

افتاد در جهان چه بلائے عظیم دارد ٥ قطب المشائخ احمد کهتو کہ نقل کرد
روز خمیس چار دہم عید فطر بود ٥ در سی صد و چہل ہمیں سال فصل بود

نسخہ (د) کے آخری صفحہ کا عکس

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي فضل الذاكر على الناس، و نزله في مقعد الصدق والإخلاص، والصلاة على من أرسله إلى كافة الناس، فقال: خير الناس من ينفع الناس[١] أي بإرشاد وتعليم ونوال وإيناس[٢]، {وعلى آله}[٣] الذين مهدوا للذكر القواعد والأساس.[٤]

أما بعد:

فلما اقترح عليّ بعض الإخوان، وأطمح بي {بصره}[٥] في كل ساعة...............

---

(١) هذا الحديث رواه الإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله في جامع الأحاديث والشيخ علي المتقي رحمه الله في كنز العمال.

(٢) إشارة إلى أن الحديث عام في كل من ينفع الخلائق سواء كان بالهداية إلى الخير أم بالعلم وسواء كان بالجود والعطاء أم بإزالة الوحشة عن الناس.

(٣) ما بين الحاصرين ساقط من (ب) و(ج) و(د).

(٤) حل اللغات: قوله: **(على الناس)** أصله الناسي اسم فاعل من النسيان، حذفت الياء رعاية للسجع. قوله: **(مقعد الصدق)** قال البيضاوي: قد يستعمل المقعد والمقام بمعنى المكان على الاتساع.اهـ. وذكر في تفسير قوله تعالى: ﴿**فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ**﴾ أي في مكان مرضِيٍّ.اهـ. وفي الجلالين: مجلس حق لا لغو فيه ولا تأثيم.اهـ. قوله: **(النوال)** أي العطاء من نال (ن) نَوالًا ونَوْلًا ونَيْلًا: جاد. قوله: **(إيناس)** وهو خلاف الإيحاش. قوله: **(مهدوا)** من التمهيد، قال الراغب: مهدتُّ لك كذا: هيّأتُه وسوَّيتُه.اهـ. وقال الجوهري: تمهيد الأمور: تسويتها وإصلاحها.اهـ. فالمعنى الذين وضعوا للذكر الأصولَ وسواها وأصلحها.

(٥) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف).

وزمان[1] أن أرضخ لهم رسالة في مناقب المشائخ المغربيين{مَتَّع الله الطالبين بكراماتهم إلى يوم الدين}[2]، وأوضح عليهم سابقهم وتاليهم من الأولين {والآخِرين}[3]؛ شرعت فيها حامدا لله الأحد، ومصليا على نبيه محمد، وداعيا بالخير إلى الأبد، والعيش الهنيّ الرغد[4]، والنصرة والظفر المؤبَّد، والرفعة والفتح المخلَّد، للواثق بتأييد الله الكريم الصمد، ناصر الدنيا والدين أبي الفتح {السلطان}[5] أحمد، {السلطان}[6] بن السلطان {بن}[7] السلطان –أعلى الله أعلام خلافته في{كل}[8] مكان–[9]

---

(١) في نسخة (ب):"وأطمخ ني في ذكر ساعة وزمان "وهو من تصرف يد الناسخ، والصواب ما أثبتنا.

(٢) ما بين المعقوفين ساقط من (ب) و(ج) و(د).

(٣) ما بين المعقوفين ساقط من (ج) و(د)، وفي (ب): " وطالبهم الأولين" والصواب ما أثبتنا.

(٤) قوله: **(والعيش الهنيّ الرغد)** معطوف على قوله: "بالخير" وكذا ما بعده. قوله: **(للواثق)** متعلق بقوله: " داعيا" وقوله: "بتأييد الله الكريم" صلة للواثق.

(٥) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف).

(٦) ما بين الحاصرين ساقط من (ب).

(٧) ما بين المعقوفين ساقط من (ب).

(٨) ما بين المعقوفين ساقط من (ب) و(ج) و(د).

(٩) **حل اللغات:** قوله: **(اقترح)** قال الجوهري: اقترحْتُ عليه شيئا إذا سألتَه إياه من غير رَوِيَّة. قوله: **(أطمح)** أطمح فلان بصره:رفعه (الجوهري). قوله: **(أرضخ)** صيغة المضارع المتكلم من الرَضْخِ، تقول: رَضَخَ (ن، ض) له من ماله رَضْخا إذا أعطاه عطاء غير كثير، والرَضْخ: العطية القليلة (تاج العروس). قوله: **(سابقهم وتاليهم)** قال الشارح اسماعيل بن إبراهيم: المراد من السابق مثل الشيخ الأعظم أبي عثمان

شعر:

إِرَادَتُنَا أَن يُكْمِلَ الْعَيْشَ سَالِمًا وَيَبْقىٰ عَلَى الأَيَّامِ مَا بَقِيَ الدَّهْرُ[١]

على الله إتمام الـمُنىٰ فيه كُلِّها لنا، وعلينا الحمد لله والشكر.[٢] فأتممتها وأتحفتها لحضرته العالية وأهديتها لعتبته[٣] السامية. والمأمول من الله أن تبقى مَدَى الزمان ويعودَ[٤] نفعها إلى[٥]..

المغربي والشيخ الجليل أبي عبد الله بن إسماعيل المغربي وأصحابهما الذين كانوا في ذلك الوقت، وإنما قلنا إنهم من السابقين لأن بعضهم من الطبقة من الأكابر الصوفية وبعضهم قريب العهد من تلك الطبقة، والمراد من التالي الشيخ أبو مدين ومن تبعهم من المشائخ المغربيين إلى شيخنا (أي الشيخ إسحاق المغربي) ختم المشائخ في العالمين.اهـ. قوله: **(الهني)** بالتشديد، والأصل هنيء مهموز اللام، يقال طعام هنيء: سائغ. قوله: **(الرغد)** بفتحتين وبفتح الأول وسكون الثاني، رغد (س، ك) عَيْشُه أي وسع ورَفَه. قوله: **(أعلام)** جمع عَلَم بمعنى الرأية.

(١) قوله: **(يكمل)**: من الأكمال أو التكميل. قوله: **(سالما)** حال من الضمير في «يكمل». قوله: **(ما بقي)** كلمة «ما» للظرفية.

(٢) قوله: **(على الله الخ)** خبر لقوله «إتمام المنى» مقدم عليه، والمنى جمع المنية، و«كلها» بالجر تأكيد، و «فيه» ظرف لقوله «المنى» والضمير عائد إلى السلطان، وقوله «لنا» متعلق بالظرف، وتقدير العبارة هكذا: على الله إتمام جميع المنى الثابت لنا في حق السلطان. وقوله: **(علينا الخ)** معطوف على الجملة الأولى، وقوله «الشكر» بالرفع معطوف على قوله «الحمد».

(٣) في (ألف): " إلى عتبته".

(٤) قوله: **(يعود)** بالنصب معطوف على قوله «تبقى».

(٥) في نسخة (ب) و(د): " أي" والصواب ما أثبتنا كما في (ألف) و(ج).

جرائد أعمال[١] السلطان.[٢] وافتتحت بدلائل الذكر.

فضائل الذكر في ضوء الآيات:

١. قال الله تعالى: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾.[٣]

٢. وقال عَزَّ وجَلَّ: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾.[٤]

٣. وقال جَلَّ وعَزَّ: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾.[٥]

٤. وقال الله تعالى: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾.[٦]

---

(١) في نسخة (ألف): "عُمَّال".

(٢) **حل اللغات**: قوله: **(أتحفتها)** من التحفة، وأتحفت الشيئ وأهديته بمعنى. قوله: **(عتبته)** بفتحتين، العتبة: أُسْكُفَّة الباب، والجمع: عَتَب وعَتَبات. قوله: **(السامية)** سما (ن) سُمُوّاً: ارتفع وعلا. قوله: **(مدى)** المدى كالفتى: الغاية. وأصله المسافة وأطلق على الغاية لامتداد المسافة إليها. ملخصا (تاج العروس). قوله: **(جرائد)** جمع الجريدة. في معجم بَهارِ عَجَم: (جريده) دفتر حساب، جمع جرائد. اه. وفي غياث اللغات: خان آرزو در سراج نوشته كه جريده بمعنى دفتر مرا ثابت نيست كه عربي است يا فارسی. اه.

(٣) (البقرة: ٢/ ١٥٢)

(٤) (آل عمران: ٣/ ١٩١)

(٥) (الأعراف: ٧/ ٢٠٥)

(٦) (الأحزاب: ٣٣/ ٤١)

٥. وقال عَزَّ من قائلٍ:(١) ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾.(٢)

٦. وقال جَلَّ ذِكْرُه: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصّٰلِحُ يَرْفَعُهٗ﴾.(٣)

٧. وقال سُبْحانَه وتعالىٰ: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوٰلُكُمْ وَ لَآ اَوْلٰدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾.(٤)

فضائل الذكر في ضوء الأحاديث:

١. وقال النبي ﷺ يقول {الله}(٥): «أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا ذكرني، فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي(٦)...

---

(١) قوله: **(عز من قائل)** "عز" فعل ماض، والفاعل ضمير مستتر يعود إلى الله، و"من" حرف جر زائد، و "قائل" تمييز مجرور لفظا؛ منصوب محلا، والأصل: " عز قائلا".

(٢) (الأحزاب: ٣٣/ ٧٠)

(٣) (فاطر: ٦/ ١٢٥)

(٤) (المنافقون: ٦٣/ ٩)

(٥) ما بين الحاصرين ساقط من (ب) و(ج) و(د)، والصواب إثباته كما في نسخة (ألف) فإنه من الأحاديث القدسية.

* **راجع:** البخاري: (٧٤٠٥) ، مسلم: (٦٨٠٥ ، ٦٨٢٩، ٦٨٣٢) ، الترمذي: (٣٦٠٣) وابن ماجه: (٣٨٢٢) باختلاف الألفاظ، وهذا لفظ البخاري.

(٦) قوله: **(فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي)** أي إن ذكرني بالتنزيه والتقديس سرًّا ذكرته بالثواب والرحمة سرًّا. (عمدة القاري) **أقول**: ويؤيده ما روى البزار بهذا المعنى من حديث ابن عباس مرفوعا: «قال الله تبارك وتعالى: يا ابن آدم إذا ذكرتني خاليا؛ ذكرتك خاليا» الخ. قال العلامة الطيبي: قوله «ذكرته في نفسي» جاء

{وإن ذكرني في مَلَأٍ}[1]ذكرته في ملأ خير منهم»

٢. وقال: « لا يقعد قوم يذكرون الله عز وجل إلا حَفَّتهم الملائكة، وغشِيَتهم الرحمة، ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم الله فيمن عنده».[2]

٣. وقال: « إن لله ملائكة يطوفون في الطرق يلتمسون أهل الذكر، فإذا وجدوا قوما يذكرون الله تنادَوْا: هَلُمُّوا إلى حاجتكم. قال: فيحُفُّونهم بأجنحتهم إلى السماء الدنيا، فإذا تفرقوا عرَجوا إلى السماء، فيسألهم الله وهو أعلم بهم منهم. من اين جئتم؟ فيقولون: جئنا من عند عبادك في الأرض. قال: فيسئلهم ربهم؛ وهو أعلم بهم منهم ما يقول عبادي؟ قالوا: يسبِّحونك ويكبِّرونك ويهلِّلونك ويحمِّدونك ويمجِّدونك. قال: فيقول: هل رأوني؟ قال: فيقولون: لا والله يا رب ، ما رأوك. قال: فيقول: كيف؛ لو رأوني؟ قال: فيقولون: لو رأوك؛ كانوا أشد لك عبادةً، وأشد لك تمجيدًا، وأكثر لك تسبيحا. قال: فيقول[3]: فما يسألون؟ قالوا:يسألونك الجنة. قال: وهل رأوها؟ قال: فيقولون: لا والله يا رب ، ما رأوها. قال: فيقول: فكيف[4] لو رأوها؟

على سبيل المشاكلة.

(١) ما بين المعقوفين ساقط من (ب) و(ج) و(د)، والصواب إثباته كما في نسخة (ألف). وقوله:**(الملأ)** أي أشراف الناس ورؤساءهم ومقدموهم الذين يرجع إلى قولهم. (النهاية لابن الأثير)

(٢) انظر: مسلم: (٦٨٨٥) ، الترمذي: (٣٣٧٨) ، وابن ماجه: (٣٧٩١)

(٣) في جميع النسخ "فيقولون" والصواب ما أثبتنا.

(٤) في (ب) و (د): " فلان " مكان " فكيف" والصواب ما أثبتنا كما في (ج).

قال: فيقولون: لو أنهم رأوها؛ كانوا أشد عليهاحرصا، وأشد {لها طلبا وأعظم رغبة. قال: فمِمَّ[١] يتعوذون؟ قال: فيقولون}[٢] من النار.قال: وهل رأوها؟ قال: فيقولون: لا والله يارب، ما رأوها. قال: يقول: فكيف لو رأوها؟ قال: يقولون: لو رأوها؛ كانوا أشد منها فرارا، وأشد لها مخافة.قالوا: ويستغفرونك. قال: فيقول: فأُشهِدكم أني قد غفرت لهم، وأعطيتهم ما سألوا، وأَجَرْتُهم مما استجاروا. قال: يقول ملك من الملائكة: رب، فيهم فلان ليس منهم، إنما جاء لحاجة. وفي رواية: يقولون: رب، فيهم عبد خَطَّاء، إنما مرَّ فجلس معهم. قال: فيقول: وله قد غفرتُ، هم القوم لا يشقى جليسهم ».[٣]

٤. وقال عليه السلام: «سبق المُفَرِّدون[٤]. قالوا: وما المفردون[٥]؟ يا رسول الله، قال:

---

(١) قوله: (**مِمَّ**) أصله " مِن ما " أبدلت النون ميما فأدغمت الميم الأولى في الثانية وحذف الألف في آخره.

(٢) ما بين المعقوفين ساقط من (ب)، وفي (ج): " قالوا: مم يتعوذون"، والصواب ما أثبتنا كما في (د).

(٣) **انظر**: البخاري: (٦٤٠٨) ، مسلم: (٦٨٣٩) ، والترمذي: (٣٦٠٠)

(٤) قوله: (**المفردون**) بتشديد الراء المسكورة وتخفيفها، أي المفردون أنفسهم عن أقرانهم، المميزون أحوالهم عن إخوانهم بنيل الزلفى والعروج إلى الدرجات العلى، لأنهم أفراد بذكر الله عمن لم يذكر الله أو جعلوا ربهم فردا بالذكر وتركوا ذكر ما سواه، وهو حقيقة التفريد. (مرقاة المفاتيح)

(٥) قوله: (**ما المفردون**) قال العلامة علي القاري: السؤال عن الصفة أعني التفريد أو الإفراد نحو سؤال فرعون: ﴿**وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ**﴾وجواب موسى عليه الصلاة والسلام ﴿**رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ**﴾ فكأنهم قالوا: ما صفة المفردين حتى نتأسى بهم فنسبق إلى ما سبقوا إليه ونطلع على ما اطلعوا عليه؟ قال: الذاكرون الله كثيرا أي ذكرا كثيرا.ملخصا. (مرقاة المفاتيح)

الذاكرون الله كثيرا والذاكرات ». [١]

٥. وذكر عبد الله بن بُسر رضي الله عنه أن رجلا قال: يا رسول الله ، إن شرائع الإسلام قد كثرت علي، فأخبرني بشيء أتشبث به. قال: « لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله». [٢]

٦. وقال النبي ﷺ : « أفضل الذكر لا إله إلا الله». [٣]

وروي عن علي رضي الله عنه، قال: يا رسول الله، دلني على[٤] أقرب الطرق إلى الله تعالى، وأسهلها[٥]..

---

(١) انظر: مسلم: (٦٨٠٨) ، الترمذي: (٣٥٩٦)

(٢) أخرجه أبو نعيم في الحلية: (٩/ ٥١) وابن أبي شيبة: (٣٠٠٦٦) و (٣٦٢٠١) وعبد بن حميد: (٥٠٩) وابن ماجه: (٣٧٩٣) والترمذي: (٣٣٧٥) وابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني: (١٣٥٧) وابن قانع في معجم الصحابة: (٢/ ٨١) وابن حبان: (٨١٤) والطبراني في الأوسط: (٢٢٦٨) وفي الدعاء: (١٨٥٤) وفي الشاميين: (٢٠٠٨) و (٢٥٤٥) والحاكم في المستدرك: (١٨٢٢) والبيهقي في السنن: (٦٥٢٦) وفي شعب الإيمان: (٥١٥) وأحمد بن حنبل: (١٨١٤٩) و (١٨١٦٧) .

(٣) أخرجه ابن ماجه: (٣٨٠٠) والترمذي: (٣٣٨٣) والنسائي في عمل اليوم والليلة: (٨٣١) وفي السنن الكبرى: (١٠٥٩٩) وابن حبان: (٨٤٦) والحاكم في المستدرك: (١٨٣٤) و(١٨٥٢) وابن أبي الدنيا في الشكر: (١٠٣) والخرائطي في فضيلة الشكر: (٧) والبغوي في شرح السنة: (١٢٦٩) والبيهقي في الآداب: (٧١٦) وفي الدعوات الكبير: (١٣٧) وفي شعب الإيمان: (٤٠٦١) وفي الأسماء والصفات:(١٩٣) وفي موارد الظمآن: (٢٣٢٦) .

(٤) في نسختَيْ (ج) و(د): " أعلى" والصواب ما أثبتنا كما في (ألف) و(ب).

(٥) في (ب) و(د) " أهلها " مثبت، والصواب ما ذكرنا كما في (ألف) و(ج).

على عباده، وأفضلها عند[١] الله تعالى. فقال رسول الله ﷺ: يا علي، «عليك بمداومة ذكر الله في الخلوة». فقال علي: أهكذا فضيلة الذكر وكل الناس ذاكرون[٢]؟ فقال ﷺ: يا علي، لا تقوم الساعة؛ وعلى وجه الأرض من يقول: الله الله. فقال علي: فكيف أذكر؟ يا رسول الله ، قال عليه السلام: غَمِّض[٣] عينيك واسمع مني، فقال النبي عليه السلام «لااله إلا الله» ثلاث مرات؛ وعلي يسمع ثم قال علي «لا إله إلا الله» ثلاث مرات؛ والنبي ﷺ يسمع[٤].

---

(١) في (د): " عبد " والصحيح ما ذكرنا كما في سائر النسخ.

(٢) في (ج) و(د): " الذاكرون" بلام التعريف.

(٣)قوله: **(الله الله)** قال العلامة القاري: "بالوجهين فيهما ".اهـ. (مرقاة) أي بالنصب والرفع، فالنصب على أن يكون التقدير: لا تقوم الساعة حتى يبقى على الأرض رجل يذكر الله ويعبده، وتكريره لمجرد التأكيد، والرفع بأن الأول مبتدء والثاني خبره أو على العكس، والمعنى حينئذ: الله حسبي أو حسبي الله، أو الله هو المعبود أو المعبود هو الله. هذا، وفي اللمعات: يحتمل أن يكون بالوقف كما يقال في حالة الذكر.اهـ. وقوله: **(غَمِّضْ)** من التغميض، وغَمَّضَ عينيه: أغلقهما وأطبق جفنيهما .

(٤) قال شمس الدين ابن عقيلة: "قد نقل هذا الحديث الشيخ يوسف العجمي الكُوْرَانِـيّ في بعض رسائله، ولم تزل السادة الصوفية يتلقونه بالقبول في سائر الأعصار والدهور".اهـ. **أقول:** أي في رسالته "ريحان القلوب في التوصل إلى المحبوب" كما صرح به الدمياطي في الجواهر الغوالي. ثم قال ابن عقيلة: "ويؤيد هذا الحديث في تلقين الذكر ما روي في الحديث الصحيح، أخرج الحاكم في مستدركه عن يعلى بن شداد قال: حدثني أبي شدّاد بن أوس، وعبادة بن الصامت حاضر يصدقه، قال: إنا لعند رسول الله ﷺ، إذ قال: هل فيكم غريب؟ يعني أهل الكتاب. قلنا: لا يا رسول الله، فأمر بغلق الباب وقال: "ارفعوا أيديكم فقولوا: لا إله إلا الله، فرفعنا أيدينا ساعة ثم وضع رسول الله ﷺ يده ثم قال: الحمد لله، اللّٰهم إنك بعثتني بهذه الكلمة

وأمرتني بها ووعدتني عليها الجنة، إنك لا تخلف الميعاد، ثم قال: أبشروا فإن الله قد غفر لكم."(الفوائد الجليلة في مسلسلات ابن عقيلة: ٨٧ ، ٨٨) وقال أبو حامد الدمياطي بعد إيراد هذا الحديث المسلسل ما نصه: " ما ذكر من أن الحسن البصري سمع عليا رضي الله تعالى عنه هو الراجح كما قاله الملا إبراهيم، وإن اختلف فيه الحفاظ فمنهم من نفاه ومنهم من أثبته، قال الحافظ الجلال السيوطي رحمه الله تعالى: قال في اتحاف الفرق: الإثبات هو الراجح عندي لوجوه، وممن رجحه أيضا الضياء المقدسي في المختارة، وأيضا قد وصل سند تلقين الذكر من طريق الحسن البصري جماعات من الصوفية، وفيهم الحفاظ كالحافظ أبي ألفتوح الطاؤسي وصله من طريق شيخه الزين الخَوَافي، والمثبت مقدم على النافي".اهـ. ملتقطا (الجواهر الغوالي في ذكر الأسانيد العوالي) وقال المولى بحر العلوم: أهل الحديث قالوا: لم يلاق الحسن أمير المؤمنين عليا كرم الله وجهه فليس بشيء، فإنهم شهداء على النفي وقد اتفقوا على كونهما في المدينة مدة فعدم اللقاء بعيد، ثم أصحاب السلاسل قاطبةً نقلوا السند متصلاً لا ريبة في اتصاله وملاقاته، والطعن فيهم لا يجترئ عليهم مسلم ويضحك من عقله الصبيان، وأيضا قد بلغ الأسانيد حد التواتر والرواة كلهم أولياء أصحاب كرامات، وبالجملة الشك فيه زلة عظيمة. (فواتح الرحموت: ١/ ٤٧١، مسئلة: التعليق هل يمنع السبب) وقال سيدي الإمام أحمد رضا قُدِّسَ سِرُّه: من الأصول المجمع عليها عقلًا ونقلًا أن المثبت مقدم على النافي. فـالثقتان يشهدان بأن كان النكاح بين زيد وهند، وألف شاهد يشهدون على أنهما لم ينكحا، لا نُصغِي إلى قولهم البتة لأن محصله مجرد نفي علمهم بأن لم ينكحا بين أيديهم، وهذا لا يلزم منه نفي الوقوع للقاعدة المسلمة من أن المثبت مقدم على النافي لأن من يعلم حجة على من لا يعلم. ففي الأشباه: "بينة النفي غير مقبولة إلا في عشر (إلى قوله) وفي أيمان الهداية: لا فرق بين أن يحيط علم الشاهد أو لا." ويا هذا، لماذا تخوض بعيدا؟ وهذه سلاسل الطريقة ترى فيها أن كلها ينتمي إلى الإمام الحسن البصري ومنه إلى سيدنا أمير المؤمنين علي كرم الله وجهه مع أن جماهير أئمة المحدثين وكبرائهم ممن يعتمد عليهم ويرجع إليهم في هذا الشأن لا يسلمون أصلا سماعه من علي رضي الله عنه إلا أن ذلك الأصل الإجماعي درايةً وروايةً بكون

ثم لقن علي رضي الله عنه الحسن البصري[١]، {وهو}[٢] لقن الحبيب العجمي[٣]، وهو لقن داود

المثبت مقدما على النافي هو الذي لم يُـخِلّ في اتصال السلاسل خلَلًا.اهـ. بالتعريب (الفتاوى الرضوية: ٢١/ ٤٩١، نقاء السلافة في أحكام البيعة والخلافة)

(١) الحسن البَصْري

(٢١ – ١١٠ هـ = ٦٤٢ – ٧٢٨ م)

الحسن بن يسار البصري، أبو سعيد: تابعي، كان إمام أهل البصرة، وحبر الأمة في زمنه وأحد العلماء الفقهاء الفصحاء الشجعان النسّاك. ولد بالمدينة، وشبَّ في كنف علي بن أبي طالب، واستكتبه الربيع بن زياد والي خراسان في عهد معاوية، وسكن البصرة. وعظمت هيبته في القلوب فكان يدخل على الولاة فيأمرهم وينهاهم، لا يخاف في الحق لومة. وكان أبوه من أهل ميسان، مولى لبعض الأنصار. قال الغزّالي: كان الحسن البصري أشبه الناس كلاما بكلام الأنبياء، وأقربهم هديا من الصحابة. وكان غاية في الفصاحة، تتصبب الحكمة مِنْ فيه. وله مع الحجاج ابن يوسف مواقف، وقد سلم من أذاه. ولما ولي عمر بن عبد العزيز الخلافة؛ كتب إليه: إني قد ابتليت بهذا الأمر فانظر لي أعوانا يعينونني عليه، فأجابه الحسن: أما أبناء الدنيا فلا تريدهم، وأما أبناء الآخرة فلا يريدونك، فاستعن بالله. (الأعلام: ٢ / ٢٢٦ – ٢٢٧)

(٢) ما بين المعقوفين ساقط من (ج) و(د).كذا فيما بعده من داود الطائي ومعروف الكرخي.

(٣) حبيب العجمي

زاهد أهل البصرة وعابدهم، أبو محمد. روى عن الحسن البصري، وشهر بن حوشب، والفرزدق شيئا يسيرا. وعنه حماد بن سلمة، وأبو عوانة، وجعفر بن سليمان، وداود الطائي، ومعتمر بن سليمان، وآخرون. وكان مجاب الدعوة، تؤثر عنه كرامات وأحوال، وكان له دنيا، فوقعت موعظة الحسن في قلبه، فتصدق بأربعين ألفا، وقنع باليسير، وعبد الله حتى أتاه اليقين. قال ضمرة بن ربيعة: حدثنا السري بن يحيى، قال: كان حبيب يُرَى بالبصرة يوم التروية، ويُرَى بعرفة من الغد. (سير أعلام النبلاء: ٦ / ١٤٣ – ١٤٤)

الطائي[١]، وهو لقن معروف الكرخي[٢]، وهو لقن السَرِيّ السَقَطي[٣]، وهولقن

---

(١) **داود الطَّائِي**

(٠٠٠ - ١٦٥ هـ = ٠٠٠ - ٧٨١ م)

داود بن نُصَير الطائي، أبو سليمان من أئمة المتصوفين. كان في أيام المهدي العباسي،أصله من خراسان ومولده بالكوفة. رحل إلى بغداد، فأخذ عن أبي حنيفة وغيره، وعاد الى الكوفة، فاعتزل الناس، ولزم العبادة إلى أن مات فيها. قال أحد معاصريه: لو كان داود في الأمم الماضية؛ لـقصّ الله تعالى شيئا من خبره. وله أخبار مع أمراء عصره وعلمائه، روى عن عبد الملك بن عمير وحميد الطويل وهشام بن عروة وسليمان الأعمش وجماعة، وحدث عنه ابن علية وزافر بن سليمان ومصعب بن المقدام وإسحاق بن منصور السلولي وأبو نعيم وآخرون. (الأعلام: ٢ / ٣٥٥، سير أعلام النبلاء: ٧ / ٤٢٢ - ٤٢٣)

(٢) **مَعْرُوف الكَرْخي**

(٠٠٠ - ٢٠٠ هـ = ٠٠٠ - ٨١٥ م)

معروف بن فيروز الكرخي، أبو محفوظ أحد أعلام الزهاد والمتصوفين. كان من موالي الإمام علي الرضى بن موسى الكاظم. ولد في كرخ بغداد، ونشأ وتوفي ببغداد. اشتهر بالصلاح وقصده الناس للتبرك به حتى كان الإمام أحمد ابن حنبل في جملة من يختلف إليه، ولابن الجوزي كتاب في أخباره وآدابه. (الأعلام: ٧ / ٢٦٩)

(٣) **السَرِيّ السَّقَطي**

(٠٠٠ - ٢٥٣ هـ = ٠٠٠ - ٨٦٧ م)

سَرِيّ بن المُغَلِّس السَقَطي، أبو الحسن من كبار المتصوفة، بغدادي المولد والوفاة. وهو أول من تكلم في بغداد بلسان التوحيد وأحوال الصوفية، وكان إمام البغداديين وشيخهم في وقته. وهو خال الجنيد وأستاذه. قال الجنيد: ما رأيت أعبد من السريّ، أتت عليه ثمان وتسعون سنة ما رؤي مضطجعا إلا في علة

الجنيد[1]..

الموت. من كلامه: "من عجز عن أدب نفسه؛ كان عن أدب غيره أعجز". (الأعلام: ٣ / ٨٢ – ٨٣)

(١) **الجنيد البغدادي**

أبو القاسم الجنيد بن محمد بن الجنيد الخَزَّاز القَوارِيْري، الزاهد المشهور؛ أصله من نَهاوَنْد، ومولده ومنشؤه العراق، وكان شيخ وقته وفريد عصره، وكلامه في الحقيقة مشهور. تفقه على أبي ثور صاحب الإمام الشافعي رضي الله عنهما، وقيل: كان فقيها على مذهب سفيان الثوري رضي الله عنه. وصحب خاله السَرِيّ السَقَطي والحارث المحاسبي وغيرهما من جُلَّة المشايخ رضي الله عنهم. وصحبه أبو العباس ابن سريج الفقيه الشافعي. وسئل عن العارف. فقال: من نطق عن سرّك وأنت ساكت، وكان يقول: مذهبنا هذا مقيد بالأصول والكتاب والسنة. وحضر الجنيد موضعا فيه قوم يتواجدون على سماع يسمعونه وهو مُطْرِق، فقيل له: أبا القاسم، ما نراك تتحرك. فقال: ﴿وَتَرَى ٱلْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ ٱلسَّحَابِۚ﴾. ورئي يومًا وفي يده سُبْحة، فقيل له: أنت مع شرفك تأخذ في يدك سبحة فقال: طريق وصلت به إلى ربي لا أفارقه. وقال الجنيد: قال لي خالي سَرِيّ السَقَطي: تكلم على الناس، وكان في قلبي حشمة من الكلام على الناس، فإني كنت أتهم نفسي في استحقاقي ذلك، فرأيت ليلة في المنام رسول الله ﷺ فقال لي: تكلم على الناس، فانتبهت، وأتيت باب السَرِيّ قبل أن أصبح، فدققت الباب فقال لي: لم تَصدُقنا حتى قيل لك، فقعدت في الغد بين الناس بالجامع وانتشر في الناس أن الجنيد قعد يتكلم على الناس، فوقف علي غلام نصراني متنكراً وقال: أيها الشيخ، ما معنى قول رسول الله ﷺ: «اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله». فأطرقت ثم رفعت رأسي وقلت: أَسْلِم، فقد حان وقت إسلامك فأسلم الغلام، وتوفي يوم السبت سنة ٢٩٧هـ آخر ساعة من نهار الجمعة ببغداد، ودفن يوم السبت بالشُوْنِيْزِية عند خاله سري السقطي، رضي الله عنهما.ملخصا. (وفيات الأعيان: ١ / ٣٧٣ – ٣٧٥)

ومن الجنيد إلى أبي علي الرُوْذَباري[١]، ومنه إلى أبي علي بن الكاتب[٢]، ومنه[٣] إلى أبي عثمان المغربي[٤].

---

(١) **أبو علي الرُوْذَباري**

(٠٠٠ - ٣٢٢ هـ = ٠٠٠ - ٩٣٤ م)

محمد بن أحمد بن القاسم أبو علي الرُوْذَباري من كبار الصوفية. سكن مصر، صحب الجنيد وأبا الحسين النوري وأبا حمزة البغدادي وابن الجَلاّء، وحدث عن مسعود الرملي وغيره، وقال: أستاذي في الفقه ابن سريج، وفي الأدب ثعلب، وفي الحديث إبراهيم الحربي. وسئل عمن يسمع الـمَلَاهِي ويقول هي حلال لي لأني قد وصلت إلى رتبة لا يؤثر فيه اختلاف الأحوال؟ فقال: نعم، قد وصل ولكن إلى سقر. قال أبو علي الكاتب: ما رأيت أحدا أجمع لعلم الشريعة والحقيقة من أبي علي. توفي سنة ٣٢٢هـ. أخذ عنه ابن أخته أحمد بن عطاء الرُوْذَباري ومحمد بن عبد الله الرازي وأحمد بن علي الوَجِيْهي ومعروف الزَنْجاني وآخرون. ملخصا. (الأعلام: ٥ / ٣٠٨، سير أعلام النبلاء: ١٤ / ٥٣٥ - ٥٣٦)

(٢) **أبو علي بن الكاتب**

أبو علي الحسن بن أحمد الكاتب المصري من كبار مشايخ المصريين. صحب أبا بكر المصري وأبا علي الرُوْذَباري وغيرهما، وكان أوحد مشايخ وقته. ومن كلامه: إذا انقطع العبد إلى الله بكليته؛ أول ما يفيده الله الاستغناء به عن الناس. وقال: يقول الله: من صبر علينا وصل إلينا. وقال: إذا سكن الخوف في القلب؛ لم ينطق اللسان بما لا يعنيه. مات سنة ٣٤٣هـ. (حسن المحاضرة: ١ / ٥١٤ - ٥١٥)

(٣) في (د): " عنه " .

(٤) **أبو عثمان المغربي**

الإمام، القدوة، شيخ الصوفية، أبو عثمان سعيد بن سلّام المغربي القَيْرَواني نزيل نَيْسابُوْر. سافر وحج وجاور مدة، ولقي مشايخ مصر والشام. وكان لا يظهر أيام الحج. خرج من مكة لمحنة وقدم نَيْسابُوْر،

الشيخ أبو عثمان المغربي:

ومن مناقب الشيخ أبي عثمان المغربي رضي الله عنه أنه سئله أبو علي بن الكاتب رضي الله عنه يوما: أَيْش[١] خبر مكة اليوم؟ فقال: هو ذا، يتحارب الطَلحيّون وبنوالحسن، ويَقدُم الطلحيين أسود؛ عليه عمامة حمراء، وعلى مكة اليوم غمام على مقدار الحرم. فكتب[٢] ابن الكاتب إلى مكة، فكان كما ذكر أبو عثمان رضي الله عنه.[٣]

وقال محمد بن الحسين البسطامي[٤]:..

فاعتزل الناس أولاً، ثم كان يحضر الجامع. وقال السُلَمي: كان أوحد المشايخ في طريقته، لم نر مثله في علو الحال وصون الوقت، امتحن بسبب زَوَر نسب إليه، حتى ضرب وشهر على جمل، ففارق الحرم. قال الحاكم: سمعته يقول وقد سئل: الملائكة أفضل أم الأنبياء؟ فقال: القربَ القربَ، هم أقرب إلى الحق وأطهر. صحب بالشام أبا الخير التِيْناتي، ولقي أبا يعقوب النَهْرجُوْري وأبا علي بن الكاتب وأبا عمرو الزجاجي وابن الصائغ الدِّيْنَوَري. قال السُلَمي:سمعته يقول: علوم الدقائق علوم الشياطين، وأسلم الطرق من الاغترار لزوم الشريعة. توفي سنة ٣٧٣هـ. ولما مات قال الخطابي: قال المصطفى ﷺ: «قد كان في الأمم ناس مُحَدَّثون، فإن يك في أمتي فعمر». وأنا أقول: فإن كان في هذا العصر أحد ؛ فأبو عثمان المغربي.

(سير أعلام النبلاء: ١٦ / ٣٢٠ – ٣٢١، طبقات المناوي: ٢ / ٩٩– ١٠١، طبقات الشعراني: ١٨١)

(١) قوله: **(أيش)** أصله أيّ شيئ، خفف لكثرة استعمالهم إياه.

(٢) في (ب): " فنكتب" و في (د): " مكتبه"، والصواب ما أثبتنا.

(٣) **انظر**: الرسالة القشيرية ، باب الفراسة: ٢٧٠.

(٤) قوله: **(البسطامي)** نسبة الى بِسْطام بالكسر ثم السكون ، بلدة كبيرة بقُومَس على جادّة الطريق إلى نَيْسابُوْر بعد دامغان بمرحلتين.اهـ. قاله الحموي في معجم البلدان وقال العلامة ابن الأثير: إنه اسم أعجمي

دخلت على أبي عثمان المغربي[١] وقلت في نفسي: لعله يَتَشَهَّىٰ علي[٢] شيئا، فقال أبو عثمان: ألا يكفي الناس أني آخذ منهم حتى يريدوا مسألتي إياهم.[٣]

وحكي عن أبي عثمان المغربي رضي الله عنه بخط الأستاذ الجرجاني رضي الله عنه، قال: أردت مرة أن أمضي إلى مِصْر أركب السفينة ثم خطر ببالي أُعرَف هناك، فخِفْت الشهرة، فمر المركب، فبدا لي[٤] فمشيت على الماء ولحِقت المركب والناس ينظرون، فدخلت السفينة والناس ينظرون، ولم يقل أحد منهم أن هذا ناقض للعادة أو غيرناقض، فعرفت أن الولي قد يكون مستورًا وإن كان مشهورًا.[٥]

وقال رضي الله عنه في موضع آخر: الولي يكون مشهورا.........................

عرب بكسر الباء. اهـ. (اللباب في تهذيب الأنساب) وضبطه ابن خلكان في وفيات الأعيان بفتح الباء ومنه نقله شهاب الدين الخفاجي في شرح الشفاء، كذا قال الزبيدي في تاج العروس.

(١) قال شيخ الإسلام زكريا الأنصاري في شرح الرسالة القشيرية: قوله **(دخلت على أبي عثمان المغربي)** أي بشيء فقبله وكان ممن يقبل ما يأتيه بلا سؤال . وقوله: **(لعله يتشهىٰ علي شيئا)** فيسألني فيه فأفوز بقضائه. (أحكام الدلالة على هامش نتائج الأفكار القدسية: ٣ / ١٨٥)

(٢) في (ب): "يشتهي" وفي (د): "يشهى". قال الشارح أبوحامد: " لفظة "علي " تدل على أن الفعل المضارع يتشهَّىٰ من التفعل.اهـ. وقال الزبيدي: تشهَّىٰ على فلان كذا: اقترح شهوة بعد شهوة.

(٣) انظر: الرسالة القشيرية ، باب الفراسة: ٢٧٢.

(٤)قوله: **(فبدا لي)** المفعول محذوف والمعنى: فبدا لي أن أمضي إليها.

(٥) انظر: الرسالة القشيرية ، فصل فإن قيل: فما الغالب على الولي في حال صحوه: ٤١٥.

ولكن لايكون مفتونا[١].[٢]

وقيل لأبي منصور المغربي رحمه الله: كم صحبت أبا عثمان؟ قال: خدمته لا صحبته، فالصحبة مع الإخوان والأقران، والخدمة مع الأكابر[٣].[٤]

من كلامه:

١. ومن كلام الشيخ أبي عثمان المغربي رضي الله عنه ما قال، وقد سئل عن الخلق: الخلق قوالب وأشباح[٥] تجري عليهم أحكام القدرة.[٦]

---

(١) قوله: **(الولي يكون مشهورا ولكن لا يكون مفتونا)** بأن تكون شهرته بركة عليه وعلى غيره بأن لا تشغله عن ربه، فيسعد بها وتضاعف أعماله لكثرة من يقتدى به، بخلاف من أشغلته شهرته عن ربه فإنه يكون مفتونا بها. (أحكام الدلالة: ٣ / ٢١٤)

(٢) انظر: الرسالة القشيرية ، باب الولاية: ٢٩٣.

(٣) قوله: **(الصحبة مع الإخوان والأقران والخدمة مع الأكابر)** أي الصحبة مع الأكابر يكون القصد منها الخدمة لهم، فهي في الحقيقة الخدمة وإن كانت مصاحبة في الصورة.

(٤)راجع: عوارف المعارف ، الباب الحادي والخمسون في آداب المريد مع الشيخ: ٢٨٦. وأثبت الإمام القشيري الرجل المسؤول باسم منصور بن خلف المغربي .(الرسالة القشيرية: ٣٢٧)

(٥) قوله: **(الخلق قوالب وأشباح تجري عليهم أحكام القدرة)** أي أجسام وصور ورسوم تجري عليهم أحكام القدرة القديمة لكونهم في قبضتها. والمراد أنهم باعتبار حقيقتهم محل لتصاريف أحكام قدرته تعالى. ملخصا. من نتائج الأفكار القدسية من حواشي العلامة السيد مصطفى العروسي على أحكام الدلالة لشيخ الإسلام: ١ / ٥٢.

(٦) انظر: الرسالة القشيرية ، فصل في بيان اعتقاد هذه الطائفة في مسائل الأصول: ٣٢.

وقال: ما رأيت من المشايخ {أحدا} [١] أنور من أبي يعقوب النَّهْرجُوْري [٢] ولا أكثر هيبة من أبي الحسن الصائغ [٣] {وسئل} [٤] ابن الصائغ عن الاستدلال بالشاهد على الغائب [٥]،

---

(١) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب).

(٢) **أبو يعقوب النَهْرجُوْري**

(٠٠٠ - ٣٣٠ هـ = ٠٠٠ - ٩٤١ م)

إسحاق بن محمد النَهْرجُوْري، أبو يعقوب من علماء الصوفية. نسبته إلى نهر جور بضم الجيم وسكون الواو، قرية بين الأهواز ومَيسان، قاله الحموي. صحب أبا عمرو المكي وأبا يعقوب السُوْسي والجنيد وغيرهم. رحل إلى الحجاز وأقام مجاورا بالحرم سنين كثيرة ومات بمكة. قال: رأيت رجلا في الطواف يقول: أعوذ بك منك فقلت: ما هذا الدعاء؟ فقال: نظرت يوما إلى الشخص فاستحسنته، وإذا لطمة وقعت على بصري، فسالت عيني فسمعت هاتفا يقول: لطمة بنظرة، ولو زدتَّ لزدناك. وقال: أفضل الأحوال ما قارن العلم.ملخصا.(الأعلام: ١ / ٢٩٦، الرسالة القشيرية: ٨١ ، معجم البلدان: ٥/ ٣١٩)

(٣) **أبو الحسن الصائغ**

علي بن محمد بن سهل بن الصائغ أبو الحسن الدِّيْنَوَري أحد المشايخ الكبار، أخذ عن ابن الجلاّء ومن فوقه. توفي بمصر في رجب سنة ٣٣٠هـ . ومن كلامه: من أيقن أنه لغيره؛ فما له يبخل بنفسه. قال مَمْشاد: خرجت ذات يوم إلى الصحراء، فبينما أنا مار إذا أنا بنسر قد فتح جناحه، فتعجبت منه، فاطلعت، فإذا بأبي الحسن الصائغ الدِّيْنَوَري قائم يصلي والنسر يُظِلُّه. ملخصا. (صفة الصفوة: ٢/ ٢٨٣، حسن المحاضرة: ١/ ٥١٤، الطبقات الكبرى للمُناوي: ١ / ٦٨٣)

(٤) ما بين المعقوفين ساقط من (ألف) و(ب) .

(٥) قوله: **(الاستدلال بالشاهد على الغائب)** أي قياس من يغيب عنَّا بكنهه وحقيقته وهو الله تعالى على ما نشاهده من الممكنات.

فقـال: {كيف}[١] يستدل[٢] بصفات من له مثل على صفات من لا مثل له[٣].[٤]

٢. وقال أبو عبد الرحمن السُلَمي: سمعت أبا عثمان[٥] يقول: صدق الخوف هو الورع عن الآثام ظاهرًا وباطنًا.

٣. وقال: سمعته يقـول {من حمل نفسه على الرجاء تَعطَّل} [٦]، ومن حمل نفسه على الخوف قنِط[٧].[٨]

---

(١) مابين المعقوفين ساقط من (ج) و(د).

(٢) في (ألف) و(ب):" اَستَدِلّ ".

(٣) قوله: **(كيف يستدل بصفات من له مثل على صفات من لا مثل له)** قاله في معرض الرد على من أثبت له تعالى الجهة والجسمية وألحق صفات القديم بصفات الحادث، أو يقال استبعد جعل الحادث دليلا على القديم مع غاية المخالفة بينهما، وإلا فلا استبعاد في الاستدلال المذكور من حيث أن الفرض أن الفعل لا بد له من فاعل، ولما كان العالَـم ممكنا وكل ممكن لا بد له من فاعل؛ علم أن العالم له فاعل وهو الله كما أن كل فعل في الشاهد كذلك.ملخصا. من أحكام الدلالة ونتائج الأفكار: ١ / ١٨١.

(٤) انظر: الرسالة القشيرية، باب في ذكرمشائخ هذه الطريقة: ٧٦.

(٥)قوله: **(سمعت أبا عثمان)** أي بواسطة عبدالله بن محمد بن عمد الرحمن كما يتضح من الرسالة القشيرية إذ قال: «سمعته (أي أبا عبد الرحمن السُلَمي) يقول: سمعت عبد الله بن محمد بن عبد الرحمن يقول: سمعت أبا عثمان يقول: صدق الخوف» الخ. (الرسالة القشيرية: ١٥٨)

(٦) مابين المعقوفين ساقط من (ألف).

(٧)قوله: **(من حمل نفسه على الرجاء تعطل، ومن حمل نفسه على الخوف قنط)** محصله الحث على جعل العمل على الاعتدال بين الخوف والرجاء، وذلك لما في إفراد كل منهما من المفاسد. (نتائج الأفكار القدسية: ٢ / ٢٠٥)

(٨) انظر: الرسالة القشيرية، باب الرجاء: ١٦٣.

٤. وقال الشيخ رضي الله عنه: رأيت في المنام كأّن قائلا يقول لي: يا أبا عثمـان، اتق الله في الفقـر[1] و{لو}[2] بقدر سِمْسِمة.[3]

٥. وروي عنه أنه قال: الإخلاص {ما}[4] لا يكون للنفس فيه حَظٌّ بحال[5]، وهذا إخلاص العوام. وأما إخلاص الخواص فهو ما يجري عليهم لا بهم[6]، فتبدو منهم الطاعات، وهم عنها بمَعزِل، ولايقع لهم عليها رؤية ولابها اعتداد.[7]

٦. وقال: أفضل ما يلزم الإنسان في هذا الطريق؛ المحاسبة والمراقبة وسياسة العمل بالعلم[8].[9]

---

(١) قوله: **(اتق الله في الفقر)** وجه تخصيص الفقر أنه مظنة التعدي لما فيه شبهة أنواع المكاسب، والمعنى: اتق الله في حال فقرك وضرورتك من تناول ما فيه شبهة. ملخصا. (أحكام الدلالة ونتائج الأفكار: ٤ / ٢٠٢)

(٢) مابين المعقوفين ساقط من (ج) و(د).

(٣) انظر: الرسالة القشيرية، باب رؤيا القوم: ٤٣٣.

(٤) مابين المعقوفين ساقط من (ب).

(٥) قوله: **(لا يكون للنفس فيه حظ بحال)** بأن لا يكون فيه رياء ولا عجب. (أحكام الدلالة)

(٦) قوله: **(ما يجري عليهم لا بهم)** أي شهود جميع الأعمال التي تصدر عنهم من ربهم لا بهم. وقوله: **(وهم عنها بمَعزِل)** أي لكمال فنائهم عن أفعالهم وتمام اشتغالهم برحمة ربهم وقربهم منها. (نتائج الأفكار: ٣ / ١٣٤)

(٧) انظر: الرسالة القشيرية، باب الإخلاص: ٢٤٠.

(٨) قوله: **(المحاسبة)** أي لنفسه على ما يصدر من الأقوال والأفعال بل وعلى الأنفاس. وقوله: **(المراقبة)** وهي استدامة علم العبد باطلاع الرب عليه في جميع أحواله. (التعريفات) وقوله: **(سياسة العمل بالعلم)** بأن يزن ما هو فيه بالعلم الشرعي. (أحكام الدلالة: ٣ / ٩٨) وقال ابن الأثير: السياسة: القيام على الشيء بما يصلحه.

(٩) انظر: الرسالة القشيرية، باب المراقبة: ٢٢٢، عوارف المعارف، الباب التاسع والخمسون في الإشارات

٧. وإذا صحت التوبة؛ صحت الإنابة[١].[٢]

٨. وقال رضي الله عنه: العارف تُضِيءُ له أنوار العلم، فيبصر به عجائب الغيب[٣].

٩. قال: الأدب عند الأكابر وفي مجالسة السادات من الأولياء، يبلغ بصاحبه إلى الدرجات العلىٰ، والخير في الأولىٰ والعقبىٰ[٤].

وقال محمد بن المحبوب خادم الشيخ العارف أبي عثمان المغربي: قال لي أبو عثمان: يامحمد، لو قال لك أحد: أين معبودك- أيش تقول؟ قال: قلت: أقول حيث لم يَزَل. قال: فإن قال: فأين كان في الأزل- أيش تقول؟ قال: قلت: أقول حيث هو الآن، يعني أنه كان ولا مكان، فهو الآن كما كان[٥]..

إلى المقامات: ٣٣٣.

(١) قوله: **(إذا صحت التوبة صحت الإنابة) أقول**: قال سيدنا الإمام القشيري قُدِّسَ سِرُّه: التوبة على ثلاثة أقسام: أولها التوبة وأوسطها الإنابة وآخرها الأوبة، فجعل التوبة بداية؛ والأوبة نهاية؛ والإنابة واسطتهما. فكل من تاب لخوف العقوبة فهو صاحب توبة، ومن تاب طمعا في الثواب فهو صاحب إنابة، ومن تاب مراعاة للأمر لا لرغبة في الثواب أو رهبة من العقاب فهو صاحب أوبة، ويقال أيضا: التوبة صفة المؤمنين، والإنابة صفة الأولياء والمقربين، والأوبة صفة الأنبياء والمرسلين. ملخصا. (الرسالة القشيرية: ١٢٦)

(٢) **انظر**: عوارف المعارف، الباب التاسع والخمسون في الإشارات إلى المقامات: ٣٣٣.

(٣) **انظر**: الرسالة القشيرية، باب المعرفة بالله: ٣٤٩.

(٤) **راجع**: عوارف المعارف ، الباب الحادي والخمسون في آداب المريد مع الشيخ: ٢٨٥.

(٥) قوله: **(إنه كان ولا مكان فهو الآن كما كان)** أي لا مكان له كما لا زمان له لأنه الخالق لكل مكان وزمان. (أحكام الدلالة على هامش نتائج الأفكار: ١/ ٥١)

قال: فارتضىٰ مني ذلك، ونزع قميصه وأعطانيه.[١]

وقال الشيخ عبدالله اليافعي رحمه الله: روينا عن الشيخ الكبير العارف بالله تعالى أبي عثمان المغربي أنه قال: {كنت}[٢] أعتقد شمّا[٣] من حديث الجهة، فلما قدمت بغداد؛ زال ذلك عن قلبي، فكتبت إلى أصحابنا بمكة أني أسلمت جديدا[٤].[٥]

---

(١) انظر: الرسالة القشيرية، فصل في بيان اعتقاد هذه الطائفة في مسائل الأصول: ٣٢.

(٢) مابين الحاصرين سقطت من (ب).

(٣) قوله: **(كنت أعتقد شما)** **أقول**: في روض الرياحين بدل قوله "شَمًّا" لفظة "شيئا" مزبورة وكذلك في القشيرية، ومحصل الكل واحد فالشم في الأصل عبارة عن إحساس الرائحة ويستعار لمعنى القلة مجازا وهو سائد معروف ثم وجدت نص ذلك في غياث اللغات حيث قال: "*(شمه) بالفتح وتشديد ميم بمعنى اندک مشهور ست۔ لفظ عربی باشد ماخوذ از شم بمعنی بوئیدن، مجازا در فارسی بمعنی اندک وکم مستعمل شده*". انتهى. فالمعنى كنت أعتقد شيئا نَزْرا تافها من حديث الجهة مقدار شم الرائحة أو يقال: شبه الشيئ اليسير في نزارته بشم الرائحة ثم حذف المشبه واستعير المشبه به للمشبه فهذه استعارة مصرحة .

(٤) قوله: **(كنت أعتقد شما من حديث الجهة)** أي كنت أميل إلى القول بالجهة له تعالى وأنه على العرش تبعا للجهوية **(فلما قدمت بغداد)** وسمعت كلام المحققين في تنزيهه تعالى أي ما أوردوه من الأدلة والبراهين الدالة على تنزيهه تعالى عن الجهة **(فكتبت إلى أصحابنا بمكة)** ممن كان يعتقد مذهبي ويعمل به **(أسلمت)** حيث عرفت الحق واتبعته. ملخصا. (أحكام الدلالة ونتائج الأفكار: ١ / ٥١ – ٥٢)

(٥) انظر: روض الرياحين، الفصل الثاني من الخاتمة ص: ٢٤٤، الرسالة القشيرية: ٣٢.

الشيخ أبو مدين المغربي:[1]

وأيضا قال الشيخ عبدالله اليافعي رحمه الله: بعض شيوخ اليمن[2] يُنْسَب إلى الشيخ عبد القادر الجيلاني، {ومنهم من ينسب إلى}[3] الشيخ الكبير العارف الشهير أبي مدين شعيب المغربي قَدَّسَ الله رُوحَه ونَوَّرَ ضريحَه[4]، هذا شيخ المغرب، والأول شيخ المشرق أعني الشيخ عبد القادرالجيلاني رضي الله عنه. ومناقبه جلية لايسعها أوراق الرياحين[5]..................

---

(١) **أبو مَدين المغربي**

(٠٠٠ – ٥٩٤ هـ = ٠٠٠ – ١١٩٨ م)

هوشعيب بن الحسين أبو مدين الأندلسي الزاهد شيخ أهل المغرب رحمه الله تعالى من حصن مَنْتُوْجَب من أعمال إشْبِيْلِيَة وساح وَسكن بِجاية مدة ثم سكن تِلِمْسان، وكان كبير الصوفية والعارفين في عصره. وكان من أهل العمل والاجتهاد، منقطع القرين فِي العبادة والنسك، كان آخر كلامه الله: الحَيّ، ثمَّ فاضت نفَسه، توفّي نحو٥٩٠هـ ، له مفاتيح الغيب لإزالة الريب وستر العيب. قال محيي الدين ابن العربي: كان أبو مدين سلطان الوارثين، وكان جمال الحفاظ عبد الحق الأزدي قد آخاه ببِجَاية، فإذا دخل عليه ويرى ما أيده الله به ظاهرا وباطنا؛ يجد في نفسه حالة سنية لم يكن يجدها قبل حضور مجلس أبي مدين، فيقول عند ذلك: هذا وارث على الحقيقة.ملتقطا. (الأعلام للزركلي: ٣ / ١٦٦، الوافي بالوفيات: ١٦/ ٩٥، سير اعلام النبلاء: ٢١ / ٢١٩)

(٢)قوله: **(بعض شيوخ اليمن) أقول**: في روض الرياحين: « أكثر شيوخ اليمن». (ص: ٢٢٨)

(٣) ما بين الحاصرين سقطت من (ألف)

(٤) قوله: **(الضريح)** الشق وسط القبر، واللحد في الجانب والمراد هنا القبر.

(٥) قوله: **(أوراق الرياحين)** إشارة إلى «روض الرياحين» كتاب معروف للإمام اليافعي ففيه استخدام

ولاتكملها[١] أغصان البساتين[٢]، ومراتبه علية لايكاد يعثر عليها صَنادِيْد العارفين[٣]، أو يحيط بها أساليب الواصلين[٤]، لو زبرتها أَلْسِنَة الأقلام[٥] لقصرت، ولونمقتها أَنْمِلَة الأنام[٦] لأَعْيَت، لكن يذكر[٧] هنا شيء من جذورها[٨] وقطرة من بحورها، وهو ما جاء من شيخنا الكبير أبي مدين شعيب الدكّاكي المغربي أنه قال: لقيت الخَضِر عليه السلام، فسألته عن مشائخ المشرق

التورية إذ يتبادر الفهم من إطلاق هذا اللفظ إلى ذلك الكتاب لكن مقصود الإمام اليافعي من هذا اللفظ معناه البعيد أعني المعنى اللغوي.

(١) في (ب) و(ج) و(د): " لا تكلمها" والصواب ما أثبتنا.

(٢) قوله: **(لا يسعها أوراق الرياحين ولا تكملها أغصان البساتين)** أي لو جعلت الأوراق كواغذ والأغصان أقلامًا الخ.

(٣) قوله: **(صناديد العارفين)** من إضافة الصفة إلى الموصوف أو من إضافة العام إلى الخاص جمع صنديد. قال ابن فارس: الصنديد: السيد الشريف، والجمع صناديد. (مقاييس اللغة)

(٤) في (ألف): " الواصفين".

(٥) قوله: **(ألسنة الأقلام)** من قبيل لجين الماء من إضافة المشبه به إلى المشبه.

(٦) في (ب) و(د): " لو نقصا أنمة الأنام " والصواب ما أثبتنا.

(٧) في (ب) و (د): " مذكر" والصواب ما أثبتنا.

(٨) **حل اللغات:** قوله: **(زبرت)** من باب (ن ، ض) والمصدر الزَبر: الكتابة، وكذا قوله: **(نمقت)** يقال: نمق الكتاب: كتبه، وبابه نصر. (مختار الصحاح) وقوله: **(الجذور)** جمع الجذر: أصل كل شيئ ، والضمير في قوله "جذورها" يرجع إلى المراتب.

والمغرب في عصرنا وسألته[١] عن الشيخ عبد القادر، فقال: هو إمام الصديقين وحجة على العارفين[٢]، وهو روح في المعرفة، وشأنه عظيم بين الأولياء[٣]، أنا أصرف مراتب الأولياء من وراء إشارته.[٤]

قال العبد المفتقر إلى ربه {الغني}[٥] أحمد إسحاق المغربي – أيده الله بعنايته – إني رأيت رؤيا وقعت في ليلة سابعة من ربيع الآخر {خَلَتْ}[٦] سنة ثمان وثلاثين و {ثمان} مائة[٧]، أن شيخا جاءني من قِبَل القبلة؛ وفي إحدى يديه طاقِيَة[١] وعلى الأخرىٰ عمامة، فقلت:

---

(١) في (ألف): "سأله" والصواب ما أثبتنا.

(٢) قوله: **(حجة على العارفين)** حملها الشارح أبو حامد اسماعيل على حذف مضاف لدفع توهم حيث قال: **(حجة على العارفين)** أي على أسرار العارفين فلا يرد أنه حجة لهم لا عليهم.اهـ. وملخصه أنه حجة لهم على أحوالهم وأسرارهم.

(٣) في (ج) و(د): "من الأولياء".

(٤) في (ألف): " من وراء إشارته وأنا أصرف مراتب الأولياء" وهنا نسختان: الأولى "من وراء إشارته" بالراء كما في (ألف) و(ب) والأخرى "من وراء إشادته" بالدال أي رفع الصوت بالذكر كما في (ج) و(د). واخترتُ الأولى منهما فإن ما عندي من المراجع ذكر فيها هذا اللفظ بالراء المهملة.

* **انظر:** خلاصة المفاخر في مناقب الشيخ عبد القادر: ٢٥٠، قلائد الجواهر: ٧٥، المعزى في مناقب أبي يِعَزّىٰ: ١٥٥.

(٥) ما بين الحاصرتين سقط من (ب) و(ج) و(د).

(٦) ما بين الحاصرين سقط من (ألف).

(٧) مابين المعقوفين ساقط من (ب) و(ج) و(د) والصواب إثباته كما في نسخة (ألف) فإن الشيخ أحمد

من أنت؟[٢] قال: أنا الشيخ عبد القادر الجيلاني، فأعطاني الطاقِيَة، فوضعتها على رأسي {ثم }[٣]أعطىٰ إحدىٰ جانِبَي العمامة[٤] بيَدِي، وأخذ جانبها الآخر بيده، فكَوَّرْت العمامة كلها {على رأسي}[٥] واستيقظت، فحمدت الله تعالى. وقد كان لى في الرؤيا، فرأيت يوما في {المنام }[٦] كأنّ شيخا فقيها يصلي عند مكاني على الباب، فزعمت أنه سيدخل البيت، فاستيقظت، فالباب مغلق، ففتحته، فإذا هو يصلي كذلك، فعلمت أن للنوم تأثيرا.[٧]

ومما جاء من المشائخ في الرؤيا أن الشيخ أبا بكر بن هُوَارا[٨] رضي الله عنه رأىٰ في منامه

إسحاق من أعلام المائة الثامنة في منطقة كجرات.

(١) قوله: **(طاقية)** بالطاء والقاف، كلمة تركية معربة. في غياث اللغات: (تاقی) بکسر قاف، کلاه از لغات ترکی. وأيضا فيه: (طاقی) نوعے از کلاه. انتهى. وفي نفائس اللغات: (ٹوپی) بفارسی: کلاه وبترکی تاقی بتائے فوقانی وکسر قاف وتاقین بزیادت نون گویند.

(٢) في (ب) و(ج) و(د): « من أين».

(٣) ما بين الحاصرين سقط من (ب) و(د).

(٤) في (ب) و(د): حانيط العمامة، وهو تحريف بأيدي النساخ.

(٥) ما بين الحاصرين سقط من (ب) و(ج) و(د).

(٦) ما بين المعقوفين سقط من (ألف) و(ب).

(٧) **انظر**: سيرت أحمدية ، الفصل السادس: ١٣٩.

(٨) قوله: **(هوارا)** قال العلامة محمد بن يحيي التاذفي: هوارا: بضم الهاء والراء بين الألفين.اهـ. (قلائد الجواهر: ٧٨) وقال الإمام اليافعي: هوار: بضم الهاء. (خلاصة المفاخر: ٦٦)

رسول الله ﷺ وأبا بكر الصديق رضي الله تعالى عنه. فقال: يا رسول الله، ألبسني خرقة. فقال له: يا ابن هُوارا، أنا نبيك وهذا شيخك، وأشار إلى الصديق رضي الله عنه ثم قال ﷺ: يا أبا بكر، ألبس سَمِيّك ابن هُوارا كما أمرت[1]، فألبسه الصديق رضي الله عنه ثوبا وطاقِيَة، وأمَرَّ يده على رأسه وقال: بارك الله فيك، ثم استيقظ؛ وكانت على رأسه ثآليل[2]، فلم يرها[3].

أبو بكر بن هُوارا

أحد مشاهير الأولياء من قبيلة الأكراد تعرف بالهوارين، وكان الشيخ يقطع الطريق بالبطائح فسمع ليلة امرأة يقول لزوجها، انزل ههنا لئلا يأخذنا ابن هوار، فبكى وقال: الناس يخافوني وأنا لا أخاف الله، وتاب هو وأتباعه وتوجه إلى الله بالعراق على قدم الصدق ووقع عنده أن يسلم نفسه إلى من يوصله إلى الله تعالى ولم يكن بالعراق شيخ مشهور، فرأى النبي ﷺ وأبا بكر رضي الله عنه في منامه، فقال: يا رسول الله، ألبسني خرقة، فقال: أنا نبيك وهذا شيخك وأشار إلى أبي بكر ثم قال: يا أبا بكر، ألبس سَمِيك ابن هُوار كما أمرت، فألبسه ثوبا وطاقية ومر بيده على رأسه ومسح على ناصيته وقال: بارك الله فيك، فقال له رسول الله ﷺ: يا أبا بكر، بك تحيا سُنَن أهل الطريق بالعراق بعد موتها، وتقدم منازل أرباب الحقائق من أحباب الله بعد دروسها، وفيك تكون المشيخة بالعراق إلى يوم القيامة. وكان على رأسه ثآليل، فذهبت. وسمع في أرجاء البطيحة نوح الجن عليه حين مات الشيخ رضي الله عنه. وكان يقول: أخذت من ربي عزوجل عهدا أن لا يعذب بالنار جسدا دخل تربتي فيقال: إنه ما دخلها أحد بلحم فأنضجته النار. ملتقطا. (جامع كرامات الأولياء: ١/ ٤٢٥)

(١) قوله: **(أمرت)** يصح أن يكون بضمير الخطاب وأن يكون بضمير المتكلم، على الأول يكون الفعل على بناء المفعول وعلى الثاني يكون مبنيا للفاعل.

(٢) ههنا في نسختَيْ (ألف) و(ب) " ثواليك" والصواب ثآليل، وهو جمع ثؤلول، قال صاحب القاموس: الثؤلول: بثر صغير صلب مستدير على صوَر شتى.

(٣) راجع: بهجة الأسرارومعدن الأنوار للشطنوفي (المخطوط): ٢٥٦، قلائد الجواهر: ٧٩، خلاصة المفاخر: ٦٦، طبقات المناوي: ٤/ ٩٨، جامع كرامات الأولياء: ١/ ٤٢٥، طبقات الشعراني: ١٩٦.

ومنه ما قال الشيخ الكبير العارف بالله علي بن وهب السِنْجاري رحمه الله[1]: رأيت أبابكر الصديق رضي الله عنه في النوم، فقال لي: يا علي، قد أُمِرْتُ أن أُلبِسَك هذه الطاقية، وأخرج

(١) قوله: **(السِنجاري)** منسوب إلى سِنْجَار بكسر السين وسكون النون، من بلدان الجزيرة ينسب إليها جماعة من أهل العلم والفضل.اهـ. ملخصا من كتاب الأماكن لزين الدين الهمداني. بينها وبين الموصل ثلثة أيام.اهـ. قاله الزبيدي في تاج العروس، وصفي الدين في مراصد الاطلاع، والحموي في معجم البلدان. وقال اليعقوبي: سِنْجار من ديار ربيعة.اهـ. وكذا قال أبو إسحق الكرخي في المسالك والممالك. ولذا بعض من أفرد كتابا في مناقب الصوفية الكرام أو ألف مجموعا في طبقاتهم ذكر علي بن وهب منسوبا إلى ربيعة مثل التاذفي في قلادة الجواهر حيث قال: الشيخ القدوة العارف بالله الشيخ علي بن وهب الربيعي رضي الله عنه، وكذلك الشيخ النبهاني في جامع كرامات الأولياء.

علي بن وهب السِنْجَاري

أحد صدور العارفين وأكابر الأولياء الصديقين، حفظ القرآن وهو ابن سبع سنين ولم يخطر بباله الاشتغال بالطريق، فرأى الصديق في نومه وقال: أمرت أن ألبسك هذه الطاقية، فألبسه ثم بعد أيام رأى الخضر، فقال: اخرج إلى الناس وانفعهم، فتلبث فرأى المصطفى ﷺ ثالثة وأمره بذلك في أول الليل ثم رأى في آخره الحق تعالى وقال: يا عبدي، جعلتك من صفوتي في أرضي، فخرج فهرعوا إليه من كل جانب وانتهت إليه تربية المريدين بسنجار. مات له بقرة فأخذ بقرنها وقال: اللّٰهم أحيها لي، فعاشت لوقتها. سكن قرية البازار قُبَيل سنجار وتوفي فيها وله فوق ٨٠ سنة. قال التاذفي: اجتمع هو والشيخ عدي بن مسافر والشيخ موسى الزولي عند صخرة عظيمة بجبل الشكرية ببلاد المشرق، فقالا له: ما التوحيد؟ فقال: هذا، وأشار بيده إلى تلك الصخرة وقال: الله، فانفلقت نصفين وهي معروفة والناس يصلون بين نصفيها.اهـ. ملتقطا (جامع كرامات الأولياء: ٢/ ٣٢٠)

من كمه طاقية ووضعها على رأسي، فاستيقظت.[1]

وعن الشيخ الجليل أبي محمد صالح الدكّاكي[2] المغربي رضي الله عنه قال، قال لي سيدي

---

(١) **انظر**:خلاصة المفاخر: ٦٧ ٩٥، الطبقات الكبرى للشعراني: ٢٠٤، بهجة الأسرار ومعدن الأنوار: ٢٩٥، طبقات المناوي: ٢/ ٢٧٣ – ٤/ ٤٦٩، جامع كرامات الأولياء: ٢/ ٣٢٠، قلائد الجواهر: ٩٥.

(٢) قوله: **(الدكّاكي)** كذا في بهجة الأسرار، وفي خلاصة المفاخر: الدكّالي، وفي قلائد الجواهر: الزكّالي. وقال الزِرِكْلي في الأعلام: الدكّالي بفتح الدال أو ضمها وتشديد الكاف: نسبة إلى دكّالة، بلد بالمغرب.اهـ. وقال الحموي: يسكنه البَرْبَرْ.انتهى. ولعل قوما بالمغرب يقلبون اللام إلى الكاف في لغتهم نطقا وأداءً، وبعضهم يبدلون مع ذلك الدال إلى الزاء، وهذا سائد في جميع أقوام العالم من أن يغيروا شيئا من الحروف بغيرها حين ما ينطقون في لغتهم أمية. والله تعالى أعلم

أبو محمد صالح الدكّالي

(٥٥٠ – ٦٣١ هـ = ١١٥٥ – ١٢٣٤م)

الشيخ الشهير أبو محمد صالح بن يِنصارن بن غفيان بن الحاج يحيى بن يلاخت الدكّالي ثم الماجَري من عشيرة بني حي فخذ من أفخاذ بني نصر من قبيل بني ماجَر. قال الباحث أحمد التوفيق في هامش التشوُّف: يِنصارن أو إينصارن بنطق الصاد زايا مفخمة معناه الغيث، والماجَري بجيم مصرية نسبة إلى بني ماكَر من دكّالة، وهم بلسان البَرْبَرْ: إيماكَرن ومعناه الأكابر والأسياد.انتهى. وقال ابن عبد الملك الـمَرَّاكُشي: الماقَرِيّ بالقافِ المعقودة، وجَرى اصطلاحُ كتّابِ المغرِب على كَتْبِها بالجيم هكذا: الماجَري. (الذيل والتكملة لكتابي الموصول والصلة) مولده ووفاته بأَسَفِيْ في المغرب. درس في أول أمره عن الفقيه الورع الصالح أبي عمران موسى بن هارون السفطوري الماجري، والفقيه الجليل أبي عيسى المغيطي ثم رحل لبلاد الإسكندرية، ولازم دروس العلامة الشهير أبي الطاهر إسماعيل بن مكي بن عوف الزهري نحو ٢٠ سنة وأخذ أيضا عن ولديه أبي النجم وأبي محمد عبد الوهاب، وأبي عبد الله محمد بن أبي بكر الكركي، والفقيهين

الشيخ أبو مدين قَدَّسَ الله روحَه: سافِر إلى بغداد، وائتِ الشيخ عبد القادر ليعلمك الفقر. فسافرت إلى بغداد ، فلما رأيته؛ رأيت رجلا ما رأيت أكثر هيبةً منه. فأجلسني في خلوة مائةً وعشرين يوما[1] ثم دخل علي وقال: يا صالح، انظر الى هنا وأشار إلى جهة القبلة، قلت: نعم، قال: ما ترى؟ قلت: الكعبة، قال: انظر إلى هنا وأشار إلى جهة المغرب[2]، قلت: نعم، قال: ما

الأخوين الحضرميين أبي عبد الله محمد وأبي العباس أحمد، ومحمد بن أبي بكر الكَروخي كما أخذ هناك عمن جمع الى الفقه التصوف محمد عبد الرزاق الجُزُوْلي، ومحمد المغاوري وأبي عبد الله السَلَاوِي وغيرهم. وانتشرت في أيامه الشكوى من وعورة الطرق إلى الحج حتى قيل: إن الحج ساقط عن أهل المغرب، فتصدَّىٰ لمحاربة هذه الفكرة الخبيثة، وجعل دَيْدَنَه الدعوة إلى الحج وتذليل عقباته. وكثرت زواياه في بلاد إفريقية والمغرب والمشرق حتى بلغت أربع وستون زاوية منتشرة من أَسَفِيْ إلى الحجاز معمورة بالأشخاص والمريدين، شغلهم تسهيل الحج والسير بالحجاج في الأماكن الموحشة الوعرة بأمن وأمان. وكان الشيخ صالح إذا جاءه الفقير؛ عرفه بعيوب نفسه وأمره بالوحدة ودرجه في أوراده حتى يصير من أهل المجاهدة. قال القُسَنْطِيْني: قبر الشيخ أبي محمد صالح وقفت عليه بأَسَفِيْ سنة ٧٦٣، ورأيت هنالك أحفاده وهذا البلد آخر المعمور في الأرض من الجانب الغربي ويرده أهل الله تعالى.

(التحقيق الواضح في تحقيق كرامات أبي محمد صالح، أنس الفقير:٣٥- ٦١- ٦٢- ٦٣، التشوف إلى رجال التصوف: ٤١)

(١) قوله: **(مائة وعشرين يوما)** **أقول**: راجعت إلى بهجة الأسرار فوجدت فيه مدة اللبث مثلما هنا سواء بسواء، لكن في خلاصة المفاخر ذكر ثمانية وعشرون يوما وذكر التاذفي في قلائد الجواهر عشرين يوما.

(٢) قوله: **(المغرب)** ههنا في (ب) و(ج) و(د) كلمة «القبلة» مزبورة مكان المغرب، وهوتصحيف فاحش بأيدي النساخ، وصححتُ العبارة من بهجة الأسرار وخلاصة المفاخر.

ترى؟ قلت: شيخي أبا مدين، قال: أين تريد أن تذهب ـــ إلى هنا أو هنا؟ قلت: بل {إلى}[١] شيخي أبي مدين، قال: في خطوة تذهب أوكما جئت؟ قلت: بل كما جئت، {قال}:[٢] هو أتم، ثم قال: يا صالح، إن أردت الفقر؛ فإنك لن تناله حتى ترقىٰ في سُلَّمه، و سُلَّمه التوحيد، ومِلاك التوحيد محو كل مُتَلَوِّح من المُحْدَث بعين السر، قلت: يا سيدي، أريد أن تُمِدَّني منك بهذا الوصف، فنظر إلي نظرةً، فتفرقت عن قلبي جواذب الإرادات كما يتفرق الظلام بهجوم ضوء النهار، وأنا إلى الآن أرتفق من تلك النظرة.[٣]

ومن مناقب الشيخ أبي مدين شعيب الدكّاكي المغربي رضي الله عنه أن الشيخ الكبير العارف بالله الشهير أبا محمد صالحا الدكّاكي المغربي، أستاذ شيخنا الشيخ الفقيه أبي العباس أحمد بن قريش التِلِمْساني وشيخَه رضي الله عنهم قال: ورد ناس من المشرق على شيخنا الكبير أبي مدين رضي الله عنه، فقالوا: إنا نَشتَهِي عنبا، ولم يكن ذلك الوقت أوانَ العنب بالمغرب، فقال لي الشيخ: يا صالح، اذهب إلى البستان، وائتِنا منه بعنب، فقلت: يا سيدي، الآن خرجت منه ولا عنب فيه، قال: بلى، ها ترى فيه العنب، فأتيت البستان، فوجدت الدَوالِي[٤] مملوءة

(١) ما بين الحاصرين سقط من (ألف) و(ب) و(ج).

(٢) مابين المعقوفين ساقط من الأصل.

(٣) **انظر:** بهجة الأسرار: ١٣٠، خلاصة المفاخر: ١٨٠، قلائد الجواهر: ٦٩- ٧٠.

(٤) قوله: **(الدوالي)** قال ابن سيده في المحكم تحت (د ل و): الدَّوَالِي عنب أسود غير حالك، وعناقيده أعظم العناقيد كلها وعنبه جافٌ يتكسر في الفم مدحرج ويزبب.اهـ. ثم أعاده تحت (د و ل) وقال: الدَّوالي ضرب من العِنَبِ بالطَّائِف أسود يضرب إلى الحمرة.اهـ. بهذا ظهر إن كان حروف مواده الدال واللام والواو؛

بالعنب كحالها في وقت كثرته، ووالله لقد فارقته قُبَيْل ذلك؛ ولا حبة عنب أراها فيه، فاحتملت منه شيئا كثيرا وأتيت به، فأكلوا وأكلت معهم، فإذا هو بلا عجم، فقالوا: إنا كنا نَشتَهِي العنب، ونعلم أنه لا يُطعِمنا أحد بالمغرب إلا أنت."[1]

وعن الشيخ الجليل سليمان بن عبد الوهاب المغربي رضي الله عنه أنه قال: كان شيخنا الشيخ أبو مدين رضي الله عنه يوما جالسا على الساحل يتوضأ، وفي إصبعه خاتَم، فسقط في الماء، فقال: يا رب، أريد خاتمي، فطلعت سمكة في الحال، وفي فمها الخاتم، فأخذه. وكان سائرا مرة، وبيده مِزْوَد، وفيه سَوِيق ملتوت[2] بماء، فسقط من يده، فانكسر قِطَعا وتَبَدَّدَ السَوِيق على الأرض، فوقف وقال: يا رب، أريد مِزْوَدي، فعاد المزود صحيحا[3]، وفيه

فالدوالى على زنة فَواعِل، وإن كان حروفه الأصلية الدال والواو واللام؛ يكون على بناء فَعالِي. وعلى كلٍ فهو ليس بجمع في هذا المعنى، والمراد منه هنا الكروم بقرينة ما بعده وهوقوله: "مملوءة بالعنب" علا أن الدوالي يستعمل بمعنى الكروم كما يتضح مما قاله أبو حفص في تثقيف اللسان إذ قال: يقولون للكروم الدوالي وللواحدة دالية. وليس هو كذلك، إنما الدالية التي تدلو الماء من البئر والنهر أي تستخرجه كالدولاب والناعورة ونحو ذلك.اهـ. ملخصا وكذا ذكره الصفدي في تصحيح التصحيف، وعلى هذا فلا حاجة إلى التأويل. وقوله: **(مملوءة)** أنثت المملوءة لما أراد من الدوالي الكروم.

(١) انظر: خلاصة المفاخر: ١٣٢، بهجة الأسرار: [الأردي] ٥٥٣، المعزى في مناقب أبي يِعَزّىٰ: ١٥١.

(٢) قوله: **(ملتوت)** من لتَّ (ن) السويقَ بالماء لتًّا: بلَّه في الماء وخلطه به.

(٣) في (ألف): يا رب أريد مرودذي فعاد المزدود الخ وفي (ج): يا ابن مرود الخ، وهو تصحيف فاحش من النساخ.

السَوِيق. [١]

وقال الشيخ أبو مدين رضي الله عنه: مرةً كنت في بعض الجبال مارًّا في طريق ملاصق بجبل، لايسع إلا المارَّ وحده، إذا بصرت[٢] بأسد أقبل، لابد له مني ولا {بد}[٣] لي منه، لأن الطريق ليس فيها ما يمكنه الرجوع، فقلت في نفسي: ألم يقل تعالىٰ: ﴿**فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ**﴾ [الزلزلة: ٧] وأنا أتخلق عليه[٤] في هذه الساعة، وجعلت يدي على حَافَة الجبل، وجافيت بطني عن الطريق، وجعلت طرف أصابعي على حافَة الطريق، فمر بيني وبين الجبل بشدة، فقالت نفسي: لم يرك، فالتفت برأسه وزأر زئيرا شديدا[٥]، فقلت: بلىٰ، قد رأيتني،

---

(١) **راجع**: بهجة الأسرار (المخطوط): ٣٦١، خلاصة المفاخر: ١٣٣، قلائد الجواهر: ١٠٩.

(٢) قوله: (**بصرت**) من سمع وكرم، وبصر قد يأتي بمعنى الرؤية ومعظم استعماله بمعنى العلم، هكذا فهمت بمطالعة المفردات للراغب وتاج العروس ولسان العرب والصحاح.

(٣) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف).

(٤) قوله: (**أتخلق عليه**) قال الزبيدي: تخلق بكذا: استعمله من غير أن يكون مخلوقا فى فطرته، وقال الشارح أبوحامد: على بمعنى الباء نحو مررت عليه أي به، وضمير «عليه» لقول الله.اهـ. **أقول**: ويمكن أن يقال: ضمّن فيه معنى العمل فعدي تعديته.

(٥) **حل اللغات**: قوله: (**حافة**) بتخفيف الفاء: الناحية. وقوله: (**جافيت**) من المفاعلة، يقال جافىٰ الشيء: أبعده، وأصل التركيب يدل على نبو الشيء عن الشيء كما في مقاييس اللغة. وقوله: (**زأر**) من ضرب وفتح وسمع، تقول: زأر الأسد زَأْرًا وزَئِيرًا: صاح من صدره.

فامض بسلام.[١]

وعن الشيخ الجليل العارف بالله أبي إسحاق إبراهيم بن الشيخ الفاضل أبي العباس أحمد بن محمد الأنصاري التِلِمْساني رحمه الله، قال: {أخبرني أبي رحمه الله، قال}[٢]: سمعت شيخنا أبا مدين رضي الله عنه يحكي في مجلسه؛ وكان محفوفا بالنور والبهاء، والوقار والسناء، والـملأ والأولياء.[٣] قال[٤]: قال الفقيه أبو القاسم عبد الرحمن بن محمد الحَضْرَمي[٥] رحمه الله: دخل

---

(١) **انظر**: خلاصة المفاخر: ١٣٥.

(٢) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب).

(٣) **حل اللغات**: قوله: **(البهاء)** الحسن، وقوله: **(السناء)** بالمد: الرفعة، وقوله: **(الملأ)** بفتحتين.

(٤) قوله: **(قال)** الضمير عائد إلى الشيخ أبي مدين، وهو استيناف لبيان بعض ما يحكي.

(٥) **عبد الرحمن بن محمد الحضرمي**

(٣٦٠ - ٤٤٠ هـ = ٩٧١ - ١٠٤٩ م)

عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن عبد الرحمن، أبو القاسم الحضرميّ اللَبِيْدي (ولَبِيْدَة من قرى إفريقية) فقيه مالكي من مشاهير علماء إفريقية، تفقه بأبي محمد بن أبي زيد وأبي الحسن القابسي، وسمع من علماء إفريقية وعباد أهل رباط الـمُنَسْتِيْر كأبي الحسن اللَوَاتي وأبي إسحاق الساحلي وأبي بكر بن مسلم، وأبي حفص ابن مثنى. صحب القدوة أبا إسحاق الجُبْنَيَـانِيّ ولازمه. روى عنه ابن سعدون وغيره. وكان من العلماء الأبرار، كبير الشأن، رفيع الذكر، عابدا مخلصا متفننا، شاعرا مفلقا. وحاز رئاسة العلم في القيروان، وتوفي بها. له تصانيف منها (مناقب الجُبْنَيَـانِيّ) في سيرة شيخه الجُبْنَيَـانِيّ و(الملخص) في اختصار المدونة و(الجامع) في مذهب المالكية يزيد على مئتي جزء كبار في بسط مسائل المدونة والتفريع عليها.

(الأعلام للزركلي: ٣/٣٢٦، سير أعلام النبلاء: ١٣/٢٥١، شجرة النور الزكية في طبقات المالكية:

الشيخ الفاضل {أبو العباس أحمد بن سلامة القرشي التِلِمْساني الواعظ على الشيخ أبي إسحاق إبراهيم بن أحمد بن علي[1] يَزُوْرُه، وقال: ادع لي، فقال له: أراك الله تعالىٰ موضع الشُحِّ[2] من نفسك، وكان أبو العباس كثير العطاء، من أكرم الناس. فانصرف وقال في نفسه: لو لم يعلم الشيخُ مني شُحًّا؛ لما قال ذلك، فجاء وجلس على دَكَّة الـمُزَيِّن[3]..........................

١/ ١٦٢، الديباج الـمُذَهَّب في معرفة أعيان علماء المذهب: ١/ ٤٨٤)

(١) أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد بن علي

أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد بن علي بن أسلم البكري الجُبْنَيَـانِيّ، سلفه من أهل الخِطَط النبيهة بالقَيْروان أحد أئمة المسلمين والعلماء العاملين والأولياء الصالحين، مجمع على فضله وورعه، أخذ عن عيسى بن مسكين بالإجازة وكتب عن ابن اللَبَّاد وسمع منه وانتفع به، وأخذ عن أبي محمَّد بن سَهْلُوْل الفقيه الزاهد صاحبِ محمَّد بن عبدوس. وكان من أعلم الناس باختلاف العلماء، عالماً بعبارة الرؤيا، ويعرف حظاً من اللغة والعربية، حسن القراءة للقرآن بحسن تفسيره وإعرابه وناسخه ومنسوخه، لم يترك حظه من دراسة العلم بالليل إلا عند ضعفه قبل موته بقليل. وصحبه كثير من أهل العلم والفضل والصلاح، كان ابن أبي زيد يعظم شأنه ويقول: طريق أبي إسحاق خالية لا يسلكها أحد في الوقت. وكان أبو إسحاق قلما يتغير على أحد فيفلح، والقابسي يقول: الجُبْنَيَـانِيّ إمام يقتدى به، ألّف في أخباره تلميذه أبو القاسم اللَبِيْدي وأبو بكر المالكي وابن شرف. توفي في المحرم سنة ٣٦٩ هـ وسنه ٩٠ سنة، وقبره بجُبْنَيَـانَة معروف متبرك به.

(الديباج الـمُذَهَّب في معرفة أعيان علماء المذهب: ١/ ٢٦٥، شجرة النور الزكية في طبقات المالكية: ١/ ١٤٢، طبقات الصوفية للمناوي: ٢/ ١١)

(٢) قوله: **(الشح)** بضم الشين وتشديد الحاء، قال الجوهري: الشُّحّ: البخل مع الحرص.

(٣) قوله: **(دكة)** بفتح الأول وتشديد الثاني: بناء يسطح أعلاه للمقعد. (القاموس) وقوله: **(المزين)** اسم

ليحلق رأسه، فلما فرغ}[1] من حلقه؛ أتاه رجل بمائة دينار، فأعطاها أبو العباس الـمُزَيِّن وقال: إنها مائة دينار، فقال له الـمُزَيِّن: هذا مكان الشُّحِّ الذي ذكره لك الشيخ أبو إسحاق، فقال له: أخبرني عنه، قال: الشح عندهم أن يفرق بين الدانَق[2] ومائة الدينار، ولو لم يكن في نفسك شح؛ لما نبهك عليه.[3] قال[4]: فذهب وجلس في بيته سنة لايتكلم أحدا، ولا يخرج إلا لصلاة الجمعة، فاجتمع الناس على بابه يسألونه أن يتكلم عليهم، فامتنع، فلما لزموه خرج، فوافى عصافيرَ على سدرة[5] في الدار، فلما رأته فَرَّت، فرجع وقال: لو صلحتُ للحديث عليكم؛ لم يَفِرَّ مني الطيور، لأن من تحقق فيه خوف الله تعالى؛ أَمِن منه كل شيء، ثم رجع وجلس في

فاعل من التزيين: الحلاق، لتزيينه الرأس.

(١) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف).

(٢) قوله: **(الدانق)** بفتح النون وكسرها، في منتهى الأرب: *دانگ که شش یک درهم است*.اهـ. وفي الـمُغْرِب: قيراطان والجمع: دَوانِق و دَوانِيْق.

(٣) قوله: **(لما نبهك عليه)** أي الشيخ أبو إسحاق على موضح الشح. وفي خلاصة المفاخر: "لما نبهتني عليها".اهـ. وهو الأظهر. والحاصل أن السخاء أن يمحو في نفس الرجل فرق في القليل مما يبذله والكثير منه بل كلاهما عنده بمثابة واحدة فلا تتبدل عليه النفس شيئا سواء تصدق بدانق أو بمائة دينار، وقولك: «إنها مائة دينار» يدل على الاستعظام والاستكثار من نفسك بهذا العطاء وإعجابها به، فإنه لولاه لما نبهتني على ذلك، وهذا غاية درجات السخاء.

(٤) قوله: **(قال)** أي الفقيه أبو القاسم الحضرمي.

(٥) قوله: **(وافى)** أي أبو العباس، يقال: وافيتُ القومَ: أتيتُهم. قوله: **(سِدرة)** شجرة النَبْق، والجمع: سِدراتٌ بسكون الدال وفتحها وكسرها، وسِدَرٌ بفتح الدال. (الجوهري) وزاد في القاموس: سُدُرٌ بضمتين.

البيت سنة، ثم خرج فلم يفر منه الطيور، فتكلم على الناس. قال: فلم يُتِمّ الشيخ أبو مدين كلامه حتى جاءت طيور، ودارت حوله، وعكفت عليه، فتواجد[١] وأنشأ يقول:

شعر[٢]

(١) تَوَاجُعُ مِمْرَاضٍ وَخَوْفُ مُطَالَبٍ وَإِشْفَاقُ مَهْجُوْمٍ وَحُزْنُ كَئِيْبٍ[٣]

---

(١) قوله: **(عكفت عليه)** أي أقبلت عليه مواظبا من باب نصر وضرب. وقوله: **(فتواجد)** قال سيدنا الإمام القُشَيْرِي: التواجُد استدعاء الوجد بضرب اختيار. (الرسالة القشيرية) وقال سيدنا الإمام الغزّالي قُدِّسَ سِرُّه: إن الوجد ينقسم إلى هاجم وإلى متكلَّف ويسمى التواجد، وهذا التواجد المتكلَّف ــ منه مذموم وهو الذي يقصد به الرياء وإظهار الأحوال الشريفة مع الإفلاس منها ــ ومنه ما هو محمود وهو التوصل إلى استدعاء الأحوال الشريفة واكتسابها واجتلابها بالحيلة، فإن للكسب مدخلاً في جلب الأحوال الشريفة ولذلك أمر رسول الله ﷺ من لم يحضره البكاء في قراءة القرآن أن يتباكى ويتحازن، فإن هذه الأحوال قد تتكلف مبادبها ثم تتحقق آواخرها.اهـ. (إحياء علوم الدين)

(٢) قوله: **(شعر الخ) أقول**: هذه الأبيات للصوفي الشهير الشيخ ذي النون المصري رحمه الله، نقلها الإمام أبونعيم في الحلية بسنده إلى الشيخ ذي النون على ما استقريت، ثم راجعت إلى المعزى في مناقب أبي يِعَزّىٰ لأحمد التادلي، فإذا وجدت فيه أن الأبيات أصلها للإمام ذي النون المصري.

(٣) قوله: **(تواجع مراض)** التواجع من الوجع أي المرض، وتَواجَعَ إذا تكلف في وجعه وظهر بصورة المريض، والمراض بكسر الميم الأول وسكون الثاني: كثير المرض. وقوله: **(مطالب)** بفتح اللام من المطالبة. وقوله: **(إشفاق مهجوم)** أشفق منه: حذر، والمهجوم من الهجوم، يقال: هَجَم عليه: انتهى إليه بغتةً. وقوله: **(كئيب)** من كئب (س) كآبة: تَغَيَّرت نَفسه وانكسرت من شدَّة الْهَمّ والحزن، فهو كئيب.

(٢) وَلَوْعَـــةُ مُشْـــتَاقٍ وَزَفْـــرَةُ وَالِـــه وَسَـــقْطَةُ مِسْـــقَامٍ بِغَـــيْرِ طَبِيْـــبِ[١]

(٣) وَفِكْرَةُ جَوَّالٍ وَفِطْنَةُ غَائِصٍ لَيَأْخُـذُ مِـنْ طِيْـبِ الْكَـرَىٰ بِنَصِـيْبِ[٢]

(٤) أَلِـمْتُ بِقَلْبٍ حَيَّـــرَتْه طَوَارِقُ مِـنَ الشَّـــوْقِ حَتّـى ذَلَّ ذُلَّ غَرِيْـــبِ[٣]

---

(١) قوله: **(لوعة مشتاق)** اللوعة بالفتح، الحُرْقة في القلب. (القاموس) وقوله: **(زفرة واله)** الزفرة بالفتح، يقال: زَفَرَ يَزْفِرِ زَفْرًا وزَفِيْرًا. قال الجوهري: الزفير: اغتراق النفس للشدة والاسم: الزفْرة والجمع: الزفَرات بفتح الفاء، والواله اسم فاعل من الوَلَهان على حد ضرب وسمع وحسب، والوَلَهان: ذهاب العقل والتحير من شدة الوجد. وقوله: **(سقطة مسقام)** السقطة بفتح فسكون: العثرة و الزلة، والمسقام بكسر الميم: كثير السَقَم أي المرض.

(٢) قوله: **(جوّال)** بالتشديد، مبالغة جائل من جال (ن) جَوْلا وجَوَلانا: طاف. وقوله: **(فِطنة غائص)** الفطنة: الفهم وبابه نصر وسمع وكرم. قال الزبيدي: فطن به وإليه وله، وقد ورد أيضا متعديا بنفسه لتضمنه معنى فهم.اهـ. والغائص مِن غاص في الماء. قوله: **(ليأخذ)** قال الشارح أبوحامد: بفتح اللام ورفع الذال، أصله "لا يأخذ"حذفت الألف لضرورة الشعر ويدل عليه قوله «بنصيب» وهو صفة غائص ويحتمل أنه حال عن الجميع أي حال كون صاحب هذه الشدائد التسعة لايأخذ من طيب الكرىٰ وراحته.اهـ. وقوله: «**تواجع ممراض**» مع معطوفاته مبتدء مؤخر وخبره محذوف مقدم عليه أي لي تواجع ممراض وكذا وكذا من الشدائد.

(٣) قوله: **(ألمت)** من الألَمَ أي الوجع، والإسناد إلى المتكلم وألم من باب سمع. قوله: **(الطوارق)** جمع الطارق. قال الراغب: الطارق: السالك للطريق لكن خص في التعارف بالآتي ليلاً، فقيل: طَرَقَ أهلَه طُرُوْقًا وعُبِّرَ عن الحوادث التي تأتي ليلاً بالطوارق.اهـ. ومنه الحديث «أعوذ بك من طوارق الليل إلا طارقا يطرق بخير» وهو فاعل «حيرت» والجملة صفة لقلب. وقوله: «**من الشوق**» صفة لطوارق أي طوارق كائنة من الشوق. قوله: **(ذَلَّ)** أي القلب بمعنى خضع وانقاد، يقال: ذَلَّت له القوافي. قوله: **(ذُلَّ غريب)** الذل بالضم

(٥) بَكَـى ثُـمَّ أَشْـجَانا ويَخْفِـي مَحَبَّـةً ثَـوَتْ واسْـتَكَنَّتْ فِي فُـؤَادِ حَبِيْـبِ[١]

{قال }[٢] قال أبي: فماج المجلس، وضَجَّ أهله[٣] وما زال طائر من تلك الطيور يصفق[٤] بجناحيه حتى سقط ميتا، ومات رجل ممن كان حاضرا. [٥]

والكسر، في منتهى الأرب: «الذل»: *نرمى و رام شدن ضد صعوبت*.اهـ. وكذا في الصراح، وهو منصوب على المصدر.

(١) قوله: **(بكى)** من البكاء، والضمير يرجع إلى القلب. وقوله: **(أشجانا)** أي جَعَلَنا حزينا من الشَّجْو، وهو من الأضداد أي الحزن والطرب، والمراد هنا الأول. قوله: **(يخفى)** من الخُفِيِّ والإخفاء، تقول: خَفَيْتُ (ض) الشيئَ وأخفيتُه إذا سترتَه وكتمتَه. قوله: **(ثَوَتْ)** ثَوَىٰ (ض) بالمكان وفيه، ثَوَاء وثُوِيًّا: أقام واستقرَّ، والجملة صفة من قوله «محبةً». قوله: **(استكَنَّتْ)** استكَنَّ الشيء: استتر من الكِنّ، وأصله الستر وأطلق على ما يقي الشيء من آخر كأنه ساتِره عنه. قال ابن منظور: الكِنُّ: كل شيء وقى شيئا فهو كِنّه وكِنانه، والفعل من ذلك كَنَنْتُ الشيء أي جعلته في كِنّ وكَنَّ الشيءَ يَكُنُّه كَنّاً وكُنوناً وأَكَنَّه وكَنَّنَه: ستره والاسم الكن، واستكَنَّ الشيءُ: استتر .ملخصا. وهي عطف على الجملة السابقة.

(٢) مابين الحاصرين ساقط من (ب).

(٣) قوله: **(ماج)** قال الجوهري: ماج البحر: اضطربت أمواجه، وكذلك الناس يموجون.اهـ.أي يضطربون اضطراب الأمواج كما في الصراح والمفردات للراغب. قوله: **(ضَجَّ)** يقال: ضَجَّ (ض) ضَجًّا وضَجِيْجًا أي صاح والإسم الضَجَّة، قاله ابن منظور.

(٤) قوله: **(يصفق)** من الصَّفْق أو التصفيق، ففي لسان العرب: صَفَق (ض) الطائرُ بجناحيه وصَفَّق إذا ضرب بهما.

(٥) **راجع:** بهجة الأسرار: ٣٦١- ٣٦٢، خلاصة المفاخر: ١٣٣، المعزى في مناقب أبي يِعَزّىٰ: ١٥٦ باختلاف الألفاظ.

وعن الشيخ الصالح أبي عبد الله محمد بن الحجّاج المغربي رحمه الله أنه قال: قال شيخنا الشيخ أبو مدين رضي الله عنه في مجلسه: كل بَدَل[١] في قبضة العارف، لأن ملك البدل من السماء إلى الأرض، وملك العارف من العرش إلى الثرىٰ، وما مناقب الأبدال في مناقب

(١) قوله: **(بَدَل)** بفتحتين كما هو المشهور أو بسكون الدال، واحد الأبدال. ففي النهاية: الواحد بدْل كحمل وأحمال وبدَل كجمل، سموا بذلك لأنهم كلما مات واحد منهم أبدل بآخر.اهـ. وقال الجوهري: الأبدال قوم من الصالحين لا يخلو الدنيا منهم، إذا مات واحد منهم أبدل الله تعالى مكانه بآخر.اهـ. وفي القاموس: الأبدال قوم بهم يقيم الله عزوجل الأرض وهم سبعون، أربعون بالشام وثلاثون بغيرها.اهـ. وأما ما قال الإمام الشعراني في اليواقيت والعلامة النبهاني في جامع كرامات الأولياء من أن الأبدال سبعة لا يزيدون ولا ينقصون، يحفظ الله بهم الأقاليم السبعة، لكل بدل منهم إقليم فيه ولاية، الواحد منهم على قدم الخليل وله الإقليم الأول، والثاني على قدم الكليم، والثالث على قدم هارون، والرابع على قدم إدريس، والخامس على قدم يوسف، والسادس على قدم عيسى، والسابع على قدم آدم عليهم الصلاة والسلام.اهـ. فقد أرادا بالأبدال البدلاء جمع البديل كما يتضح بما قال إمامنا أهل السنة العلامة الشيخ أحمد رضا خان قُدِّسَ سِرُّه ما نصه: «المراد بالأبدال البدلاء السبعة لما ذكر بعده أن الأبدال السبعة لا يزيدون ولا ينقصون، وهولاء هم البدلاء. أما الأبدال فأربعون بل سبعون كما في الأحاديث». (الفتاوى الرضوية:٣٠/ ٨٧) وبما قال العلامة علي القارئ في المرقاة، ما نصه: قال ابن دريد: «واحد الأبدال بديل. قلت: ويؤيده أنه يقال لهم بدلاء أيضا، فيكون نظير شريف وأشراف وشرفاء».اهـ. وقد سرد أحاديث الأبدال بطولها الشيخ علي المتقي في كنز العمال، والإمام أحمد رضا خان في رسالته «الأمن والعُلىٰ». هذا، وفي المرقاة: قيل: إنهم سموا أبدالا لأنهم قد يرتحلون إلى مكان ويقيمون في مكانهم الأول شبحا آخر شبيها بشبحهم الأصلي بدلًا عنه، وقال القطب الحقاني الشيخ عبد القادر الجيلاني: إنما سموا أبدالا لأنهم فنوا عن إرادتهم فبدلت بإرادة الحق عز وجل فيريدون بإرادة الحق أبدا إلى الوفاة.اهـ.

العارفين إلا كلَمْحَة برق خاطف[١]، وما درجة المعرفة[٢] إلا استقراب إلى الحضرة الربوبية، واستدناء من مجالس القدس. ثم قال: التوحيد سرّ أحاط أمره بالكونين، وقال: فلما كان الليل؛ كُشِف لي، فإذا أنا بالشيخ أبي مدين، والشيخ أبي حامد الغَزَّالي[٣]، {والشيخ أبي طالب

---

(١) قوله: **(كلمحة برق خاطف)** لمح (ف) البرقُ لَـمَحًا إذا لمع والاسم: اللمحة. و«خاطف» الخَطْف: الاستلاب بسرعة، يقال خطف (س) البرقُ البصرَ: ذهب به.

(٢) في (ج) و(د): "العارف".

(٣) **أبوحامد الغزّالي**

(٤٥٠ - ٥٠٥ هـ=١٠٥٨ - ١١١١ م)

الإمام حجة الإسلام محمد بن محمد بن محمد أبوحامد الغزّالي، والغزّالي بتشديد الزاي نسبة إلى صناعة الغزل وقال بعضهم بتخفيف الزاي نسبة إلى غَزَالة من قرى طُوس، قال ابن الأثير في اللباب: وهوخلاف المشهور، ولد في الطابران قصبة طُوس بخراسان سنة ٤٥٠هـ وكان شديد الذكاء، عجيب الفطنة، مفرط الإدراك ، قوي الحافظة، بعيد الغور، عالي الرتبة، تضرب بكماله الأمثال حتى عزفت نفسه رذائل الدنيا وأقبل على قدم الفقر والتجريد، ورآه بعض القوم في البرية؛ وعليه مرقعة وبيده ركوة وعُكّاز بعد أن كان رآه يحضر مجلسه ٣٠٠ مدرس و١٠٠ من أمراء بغداد. قال العارف الشاذلي رضي الله عنه: رأيت المصطفى ﷺ في المنام باهىٰ عيسى وموسى عليهما السلام بالغزّالي وقال هل في أمتكما مثله؟ قالا: لا. وشهد له أبو العباس المُرْسي رضي الله عنه بالصديقية العظمى، وقال الشيخ الأكبر ابن العربي رضي الله عنه: حجة الإسلام الغزّالي من رؤساء أهل الطريق. قال الزِرِكْلي: له نحو ٢٠٠ مصنف. وتوفي بطُوْس سنة ٥٠٥هـ. ملتقطا. (الأعلام: ٧/ ٢٢، اللباب في تهذيب الأنساب: ٢/ ٣٧٩، طبقات الصوفية للمناوي: ٢/ ٢٩١)

المكي}[١] والشيخ أبي يزيد البِسطامي، والشيخ أبي عبد الرحمن السُلَمي[٢]، وجماعة من الصوفية

---

(١) مابين المعقوفين ساقط من (ج) و(د).

أبو طالب المكي

(٠٠٠ - ٣٨٦ هـ = ٠٠٠ - ٩٩٦ م)

أبو طالب محمد بن علي بن عطية الحارثي المكي صاحب كتاب قوت القلوب. كان رجلا صالحا مجتهدا في العبادة ويتكلم في الجامع، وله مصنفات في التوحيد، لم يكن من أهل مكة وإنما كان من أهل الجبل وسكن مكة فنسب إليها. وكان يستعمل الرياضة كثيرا حتى قيل عنه هجر الطعام زمانا واقتصر على أكل الحشائش المباحة، فاخضر جلده من كثرة تناولها. وقال ابن الأثير: كان قوته عُرُوق الْبَرْدِيّ.اهـ. لقي جماعة من المشايخ في الحديث وعلم الطريقة وأخذ عنهم، ودخل البصرة بعد وفاة أبي الحسن ابن سالم فانتمى إلى مقالته، وقدم بغداد فوعظ الناس فخلط في كلامه فتركوه وهجروه. قال الإمام اليافعي: كان في البداية صاحب رياضة ومجاهدة، وفي النهاية صاحب أسرار ومشاهدة.اهـ. وتوفي لست خلون من جُمادَى الآخرة سنة ٣٨٦هـ ببغداد ودفن بمقبرة المالكية وقبره بالجانب الشرقي، وهو مشهور هناك يزار رحمه الله تعالى.ملتقطا (وفيات الأعيان: ٤/ ٣٠٣، الأعلام: ٦/ ٢٧٤، الكامل في التاريخ: ٧/ ٤٨٧، مرآة الجنان: ٢/ ٣٢٣)

(٢) **أبو عبد الرحمن السُلَمي**

(٣٢٥ - ٤١٢ هـ = ٩٣٦ - ١٠٢١م)

الشيخ الكبير العارف بالله الشهير الحافظ أبو عبد الرحمن محمد بن الحسين بن موسى الأزدي النَيْسابُوْري السُلَمي بضم السين المهملة وفتح اللام إلى سليم قبيلة من العرب، وهي نسبة إلى جده لأمه. صحب جده لأمه أبا عمرو بن نجيد وسمع الحاتم الأصم وطبقته، وروى عنه الحاكم والقشيري والبيهقي رضي الله عنهم. صنف التفسير والتاريخ وغير ذلك وبلغت مصنفاته مائة. وحدث أكثر من٤٠ سنة. روى الخطيب

والأبدال، فقالوا للشيخ: يا أبا مدين، أخبرنا عن حقيقة سرّك[١] في توحيدك. فقال: سرّي مسرور بأسرار تُسْتَمَدُّ[٢] من البحار الإلهٰية التي لاينبغي بثّها لغير أهلها، إذ الإشارة تعجز عن وصفها، فأبت الغيرة[٣] إلا سترها. هي أسرار محيطة بالوجود، لايدركها إلا من كان وطنه

عن القطان: كان السُلَمي يصنع للصوفية الأحاديث، وقال الخطيب: كان عند أهل بلده جليلا وكان مع ذلك مجلودا صاحب حديث. وقال السبكي: قول الخطيب هو الصحيح وأبو عبد الرحمن ثقة ولا عبرة بهذا الكلام فيه. وذكر ابن العربي رضي الله عنه أنه كان في مقام القربة بين الصديقية والنبوة. وقال الذهبي: كان السُلَمي وافي الجلالة، وتصانيفه قيل نحو الألف وله كتاب سماه حقائق التفسير ليته لم يصنفه، فإنه تحريف وقرمطة. قال السبكي: لا ينبغي له وصفه بالجلالة ثم يدعي فيه التحريف، وتفسيره كثُرَ الكلام فيه من جهة أنه اقتصر على تأويلات ومحالٍّ للصوفية ينبو عنها ظاهر اللفظ. (الأنساب: ٣/ ٢٧٩، طبقات السبكي: ٤/ ١٤٧، طبقات الصوفية للمناوي: ٢/ ١٩٩، مرآة الزمان: ٣/ ٢١)

(١) قوله: **(سرك)** السربكسر السين وتشديد الراء، يطلق على مرادين: أحدهما أمر خفي ضد العلانية والآخر القلب، وهذا من باب إطلاق لفظ الحال على المحل، لأن القلب محل السر. يقال ظهر سرّ قلبي ووقع في سرّي كذا. والسر بالمعنى الثاني مختلف فيه فهو عند طائفة فوق الروح والقلب، وعند طائفة فوق القلب دون الروح وعند المحققين إنّه هو القلب.اهـ. (كشاف اصطلاحات الفنون) وقال العلامة علاء الدين القونوي: الظاهرأن السر والقلب والروح أسماء لحقيقة واحدة، وهي اللطيفة الإنسانية لكنها تختلف باعتبارات مختلفة. قاله سيدي زكريا الأنصاري في شرح الرسالة القشيرية.

(٢) قوله: **(تستمد)** بالبناء للمفعول من الاستمداد أي طلب المَدَد والمُدَّة. قال الزبيدي: الاستمداد من الدواة أن يستمد منها مَدَّةً واحدة، والمُدَّةُ اسم ما استَمْدَدتَّ به من المداد على القلم.ملخصا.

(٣) قوله: **(الغيرة)** الغيرة في الأصل كراهة شركة الغير في حقه، وغيرة الله تعالى كراهة مخالفة أمره ونهيه، كذا في المرقاة واللمعات.

مفقودا أو كان في عالم الحقيقة[١] بسرّه موجودا يتقلب في الحياة الأبدية، وهو بسرّه طائر في فضاء الملكوت[٢] ويسرح في سرادقات[٣] الجبروت، قد تخلق بالأسماء والصفات، وفني عنها بمشاهدة الذات، هنالك قراري ووطني وقرة عيني ومسكني، والحقُّ عز وجل لي عن الكل[٤]. ....

---

(١) قوله: **(عالم الحقيقة)** الحقيقة عند الصوفية مشاهدة الربوبية أي رؤيته إياها بقلبه. كذا في الرسالة القشيرية وشرحه.

(٢) قوله: **(الملكوت)** بفتحتين، وكذا قوله «الجبروت». قال سيدنا إمام العارفين أبو الحسين أحمد النوري قُدِّسَ سِرُّه: مقامات السلوك في السلسلة القادرية أربعة: (١) الناسوت (٢) الملكوت (٣) الجبروت (٤) اللاهوت. يقال للناسوت عالم الشهادة وأيضا عالم الخلق وعالم الأجسام، وللملكوت عالم الأمر وعالم الأرواح وعالم الملائكة وعالم الآخرة، ويراد بالجبروت عالم الأسماء والصفات، وباللاهوت عالم الهُوِّيَّة وعالم ذات البحت. ويلزم السالك حينما يجاهد أن يسير إلى هذه العوالم بأسرها.اهـ. بالتعريب (سراج العوارف، اللمعة الثالثة)

(٣) قوله: **(سرادقات)** جمع سُرادِق، كلمة فارسية معربة وليس في كلام العرب اسم مفرد ثالثه ألف وبعده حرفان (المفردات للراغب). وفي حاشية الشهاب: السرادق معرب سرا برده أو سراطاق.اهـ. وقال الزبيدي: هو معرب سرادار أو سراطاق.اهـ. وفي منتخب اللغات: «سرادق» سراپرده.اهـ. وفي القاموس: السرادق: الذي يمد فوق صحن البيت، والبيت من الكرسف، وبيتٌ مُسَرْدَقٌ أعلاه وأسفله: مشدود كله.اهـ. وفي منتهى الأرب: «بيتٌ مُسَرْدَقٌ» خانہ با سراپردہ یا آں کہ پائیں وبالائے آں ہر دو پردہ کشیدہ باشند.اهـ.

(٤) قوله: **(والحق عزوجل لي عن الكل)** الجار مع المجرور متعلق بمحذوف يفهم بسياق الكلام نحو مُغْنٍ أوكافٍ، والمعنى أن الله تعالى يكفيني عمن سواه ويغنيني عما عداه.

فقد أظهر في وجودي[١] بدائعَ قدره[٢]، وأقبل عليَّ بالحفظ والتوفيق، وكشف لي عن مكنون التحقيق، فحياتي قائمة بالوحدانية، {وإشاراتي إلى الفردانية}[٣]، وروحي راسخ في علم الغيب. يقول مالكي: يا شعيب، كل يومٍ جديدٌ على العبيد، ولدينا مزيد. فقالوا: يا أبا مدين، زادك الله من أنواره.[٤]

وقال الشيخ الإمام عبد الله اليافعي رحمة الله عليه: وكان الشيخ أبو مدين رضي الله عنه من أكابر الشيوخ العارفين وصدور المقَرَّبين وأجلاء المحقِّقين؛ صاحب الأحوال الشريفة[٥]

---

(١) في (ج) و(د): «فقد ظهر لي».

(٢) قوله: **(بدائع قدره)** القدر بفتح الدال وسكونه، في النهاية: هو عبارة عما قضاه الله و حكم به من الأمور، وهو مصدر قَدَرَ يَقْدُر قَدَرًا وقد تسكن داله، ومنه «لَيْلَة القَدْر» وهي الليلة اللتي تُقَدَّر فِيهَا الأرزاق وتُقْضَى.اهـ. فبدائع قدره بمعنى ما قدره الله من صنائعه الغريبة مما لم يعرف قبل ذلك وقضاها وحكم بها. والله تعالى أعلم

(٣) مابين الحاصرين ساقط من (ب).

(٤) **انظر:** خلاصة المفاخر: ١٣٢ – ١٣٣، الطبقات الكبرى للشعراني: ٢٢٧ – ٢٢٨

(٥) قوله: **(صاحب الأحوال الشريفة)** الفرق بين الحال والمقام أن المقام الوصف الذي يثبت على العبد ويقيم، فإن لم يثبت سمي حالا. (كشاف اصطلاحات الفنون) وأوضحه شيخ الشيوخ شهاب الدين السُهْرَوَرْدي قُدِّسَ سِرُّه بمثالٍ أن ينبعث من باطن العبد داعية المحاسبة ثم تزول الداعية بغلبة صفات النفس ثم تعود ثم تزول فلا يزال العبد حال المحاسبة يتعاهد الحال ثم يحول الحال بظهور صفات النفس إلى أن تتداركه المعونة من الله الكريم ويغلب حال المحاسبة وتنقهر النفس وتنضبط وتتملكها المحاسبة فتصير المحاسبة وطنه ومستقره ومقامه، فيصير في مقام المحاسبة بعد أن كان له حال المحاسبة.اهـ. (عوارف

والمقامات المُنِيفة، والكرامات الخارقة والأنفاس الصادقة[1]، والهِمَم السامية والبركات النامية؛ والفتح السَنِيّ[2] والكشف الجَلِيِّ؛ والمحاسن الجميلة والمواهب الجزيلة؛ والقدم الراسخ {في التمكين المحمود[3] والباع الطويل في التصريف النافذ}[4] في الوجود؛ واليد البيضاء في السبق إلى {أعلى}[5] معارج الفضل، والمشرب الأهنأ من كؤوس مُدام الوصل؛ مطلعا لشموس الأنوار ومنبعا لعيون الأسرار؛ سارت بذكر فضائله الرُّكبانُ في الآفاق، وانعقد على جلالته الإجماع والاتفاق؛ وطِيب نشره في الأقطار فائح، وغير ذلك مما يقصر عن حصره تعداد

المعارف)

(١) قوله: **(الأنفاس الصادقة)** الأنفاس جمع نفَس بالتحريك، قال شيخ الإسلام زكريا الأنصاري قُدِّسَ سِرُّه: من تنفس وروَّح قلبه بما وهبه الحق له من لطائف غيبه وإكرامه؛ سمي صاحب نفَس. (شرح الرسالة القشيرية)

(٢) قوله: **(الفتح السني)** قال الإمام الشعراني قُدِّسَ سِرُّه: معنى الفتح في كلام هؤلاء القوم، كشف حجاب النفس والقلب والروح والسر لما جاء به رسول الله ﷺ من الكتاب العزيز والأحاديث الشريفة. (لواقح الأنوار)

(٣) قوله: **(التمكين)** ويقابله التلوين، الأول صفة الواصلين والثاني صفة السالكين، فمادام العبد في الطريق فهو صاحب تلوين لأنه يرتقي من حال إلى حال وينتقل من وصف إلى وصف، فإذا وصل إلى مقام التوحيد واتصل بالحق فقد حصل التمكين.

(٤) مابين الحاصرين ساقط من (ب).

(٥) مابين الحاصرين ساقط من (ب) و(ج) و(د).

المادح.[١]

وقال الشيخ الكبير العارف بالله الشهير أبوعبد الله القرشي رضي الله عنه: لقيت الشيخ أبا مدين وكانت له العبارة[٢] وشرف الهمة، وأقمت عنده وأحضر مجلسه وأسمع كلامه.

من كلامه:

١. ومن كلام الشيخ أبي مدين شعيب المغربي رضي الله عنه، الـمُقرَّب مسرور بقربه، والـمحب مُعذَّب في حبه.

٢. ومن خرج إلى الخلق قبل وجود حقيقة تدعوه إلى ذلك، فهو مفتون.

---

(١) حل اللغات: قوله: **(المنيفة)** أي العالية من أناف الشيئ إذا ارتفع وأشرف. قوله: **(السَنِيّ)** الرفيع من السَنَاء بمعنى الرفعة. قوله: **(المواهب)** جمع الموهبة بكسر الهاء بمعنى العطية. قوله: **(الجزيلة)** الجزيل: الكثير. قال ابن منظور: أجزلتُ له من العطاء أي أكثرتُ، وعطاء جزيل إذا كان كثيرا. قوله: **(السبق)** بسكون الباء أي التقدم، يقال سبقه يسبقه (ض، ن) سبْقاً: تقدَّمَه. قوله: **(معارج)** جمع معراج أي السُلَّم، والمراد بمعارج الفضل مجازًا منازله ومراتبه. قوله: **(المشرب)** المورد. قوله: **(الأهنأ)** السائغ. قوله: **(مُدام)** بضم الميم الأول، الخمر. قوله: **(الركبان)** بضم الراء وسكون الكاف، جمع الراكب، والراكب خاصة في العرف بدون الإضافة لمتطي البعير، وأما بالإضافة فجاز أن يكون للبعير والفرس والحمار وغيرها، فيقال: هذا راكب جمل وراكب حمار. قوله: **(الآفاق)** أي النواحي، الواحد: أُفْق وأُفُق. قوله: **(نشر)** بفتح فسكون. قال الجوهري: النشر: الرائحة الطيبة. قوله: **(الأقطار)** بمعنى الآفاق، جمع القطر بالضم. قوله: **(فائح)** يقال: فاح الطيب إذا تضوَّع، ولا يقال في الكريهة، وفي الصراح: الفوح: *دميدن بوئے خوش*.

(٢) قوله: **(العبارة)** وهي الألفاظ الفصيحة الدالة على المعاني المركبة بتركيب فصيح بليغ. (كشاف اصطلاحات الفنون)

٣. ومن رأيته يَدَّعِي مع الله حالًا؛ لايكون على ظاهره منه شاهد، فاحذره.

٤. وإذا ظهر الحق؛ لم يبق معه غيره.

٥. وليس للقلب سوى وجهةٍ واحدة، فإلى {أي}[1] جهةٍ تَوَجَّه، حُجِب عن غيرها.[2]

٦. وإذا سكن الخوفُ القلبَ؛ أورثه المراقبة.[3]

٧. ومن تَحقَّق العبودية؛ نظر أفعاله بعين الرياء، وأحواله بعين الدعوىٰ، وأقواله بعين الافتراء.[4]

---

(١) مابين المعقوفين ساقط من (ب).

(٢) قوله: **(وجهة)** بكسر الهاء، الناحية. قوله: **(حجب)** بني للمفعول من باب نصر، يقال: حَجَبَه أي منعه.

(٣) قوله: **(أورثه المراقبةَ)** قال الزبيدي: أورثه الشيءَ: أعقبه إياه، على الاستعارة والتشبيه بوراثة المال والمجد.اهـ.

(٤) قوله: **(من تحقق العبودية الخ)** العبودية تذلل وتبرؤ من الحول والقوة في عبادته، ونعت بها ﷺ في أشرف المواطن. قال تعالى: ﴿**سُبۡحَٰنَ ٱلَّذِيٓ أَسۡرَىٰ بِعَبۡدِهِۦ**﴾ [بنى اسرائيل: ١] وقال: ﴿**فَأَوۡحَىٰٓ إِلَىٰ عَبۡدِهِۦ مَآ أَوۡحَىٰ**﴾ [النجم: ١٠] وأصلها العبادة لكن الفرق بين العبادة والعبودية أن العبادة رضا العبد بأحكام الرب، والعبودية رضا الرب بما يفعله العبد. ملخصا. (شرح الرسالة القشيرية ونتائج الأفكار)

وحاصل هذا القول أن من وصل إلى مقام العبودية؛ يعُدُّ أفعاله وأحواله وأقواله عنده رياء ودعاوي ومكذوبات مع كونها سالمة عن ذلك في الواقع بأن يتبرء من إضافتها إلي نفسه، فإنه إن أضاف إليها الأعمال؛ كان مرائيا لكونه نظر فيها لغير الله، أو الأحوال و الأقوال؛ كان مدعيا لما لا يملكه وكاذبا، فإذا شاهد أعماله عنده رياء وأحواله دعاوي وأقواله مفترياتٍ؛ كان مخلصا لإضافته ذلك إلى الله تعالى.

٨. وما وصل إلى صريح الحرية من بقي عليه من نفسه بقية.[١]

٩. ومنه: شاهِدْ مُشاهَدتَه لك، و {لا }[٢] تُشاهِدْ مشاهدتك له.[٣]

١٠. الفقر أمارة على التوحيد، ودلالة على التفريد، والفقر أن لا تشهد سواه، والفقر نور

---

(١) قوله: **(وما وصل إلى صريح الحرية الخ)** الحرية عند الصوفية أن لا يكون العبد بقلبه تحت رق شيء من المخلوقات لا من أعراض الدنيا ولا من أعراض الآخرة. (الرسالة القشيرية، باب الحرية) وقال سيدنا أبو علي الدقاق قُدِّسَ سِرُّه: أنت عبد من أنت في رقه وأسره، فإن كنت في أسر نفسك؛ فأنت عبد نفسك، وإن كنت في أسر دنياك؛ فأنت عبد دنياك. قال رسول الله ﷺ: تَعِسَ عبدُ الدرهم، تَعِسَ عبد الدينار، تعس عبد الخميصة.اهـ. (الرسالة القشيرية، باب العبودية) وفي نتائج الأفكار القدسية: إن العبودية لله إذا صح مقامها للعبد حصلت له الحرية عن كل ما سواه تعالى، وإذا بقي للنفس سكونٌ مّا لبعض الحظوظ فهو عبد لما سكن إليه.اهـ.

(٢) مابين المعقوفين ساقط من (ب) والصواب ما أثبتنا.

(٣) قوله: **(شاهد مشاهدته لك ولا تشاهد مشاهدتك له الخ)** قوله: «شاهد» فأمر من المشاهدة، وقوله: «مشاهدته» منصوب على المفعول وإضافته إلى الضمير إضافة المصدر إلى الفاعل وضمير الغيبة لله، و «لك» مفعول لقوله «مشاهدته» مجرور لفظا. قال السيد أحمد بن سيدنا السيد زيني دَحْلان قدست أسرارهما: إذا شاهدتَّ مشاهدته لك وعرفت عنايته فيك وأنه معك على الدوام؛ ناظر إليك بلطفه، مقبل عليك بفضله، انتهت همتك إليه وخجلت من إعراضك عنه وقلت في نفسك: إذا كان ملك الملوك ينظر ويقبل عليك، فكيف يسوغ لك الاشتغال بسواه وكيف تفتر لحظة عن خدمته. وأما مشاهدتك له؛ فإنها موجبة لقطيعتك وحرمانك وبعدك عن مقام إحسانك إذ في مشاهدتك هذه، الشرك الخفي لنظرك لفعلك وذلك عين بعدك عن المقام الوفي، فافن عن أفعالك في أفعاله واخرج عن أوصافك في أوصافه.اهـ. مختصرا (تقريب الأصول لتسهيل الوصول)

ما دُمتَ تستره، فإذا أظهرته؛ ذهب نوره.[١]

١١. ومن كان الأخذ أحب {إليه من العطاء}[٢]، فما شَمَّ[٣] رائحة الفقر.

١٢. والإخلاص أن يغيب عنك الخلق في مشاهدة الحق.[٤]

١٣. ومن عرف أحدًا؛ لم يعرف الأحد.[٥]

١٤. والحق ما بان عنه أحد من حيث العلم والقدرة، ولا اتصل به أحد من حيث الذات والصفات.[٦]

---

(١) قوله: **(الفقر أمارة على التوحيد الخ)** **أقول**: أما قوله ﷺ: «كاد الفقر أن يكون كفرا» وأمثاله مما ورد في ذم الفقر فالمراد بذلك الفقر إلى غير الله لا الفقر إلى الله كما قال شيخ الإسلام زكريا الأنصاري قُدِّسَ سِرُّه، وهذا هو الدال على التوحيد دون الأول.

(٢) مابين المعقوفين ساقط من (ج) و(د).

(٣) في (ب) و(د): «هَمَّ» بالهاء وهو تحريف بأيدي النساخ.

(٤) قوله: **(الإخلاص أن يغيب عنك الخلق في مشاهدة الحق)** أي الإخلاص أن يتوقى العبد عن ملاحظة الخلق في العبادة بأن لا يفرح برؤيتهم لما هو فيه وهذا أدناه، وأكمل من ذلك أن التوقي عن ملاحظة ما سوى الحق. (مأخوذ من شرح القشيرية ونتائج الأفكار)

(٥) قوله: **(من عرف أحدًا)** أي من الخلق، وقوله: **(لم يعرف الأحد)** أي الله الذي هو أحد.

(٦) قوله: **(الحق ما بان الخ)** قوله: «بان» من البينونة أي الانفصال، وكلمة «ما» للنفي والمعنى أن الخلق لا يكون مفصولا عن الحق ولا موصولا. أما الأول فباعتبار العلم والقدرة، والثاني فمن حيث الذات والصفات، فإن الله تعالى متفرد في ذاته وصفاته ومحال أن يكون له شريك في خلقه.

١٥. ومن لم يُستصلَح للمعرفة؛ شُغِل برؤية الأعمال.[١]

١٦. ومن يَسمع منه؛ بَلَّغ عنه.[٢]

١٧. والشهيد يشاهد آماله فيُسر بها، والميت يشاهد أعماله فتُقْلِقه، فهذا بالقبول والرد مُخَوَّف، وذلك بالرحمة والرضوان مُبشَّر ومُشرَّف.[٣]

١٨. وقال رضي الله عنه: الحق بـايَنَ عن الخلق بالقِدَم والربوبية، كما باينوه بالحدث والعبودية.

١٩. وقال: الإخلاص[٤] ما خفي على النفس دِرايته، وعلى الـمَلَك كتابته، وعلى الشيطان

---

(١) قوله: **(من لم يستصلح الخ)** بالبناء للمفعول من الاستصلاح، واستصلحه أي وجده صالحا والمعنى أن من لم يره الله تعالى صالحا لمعرفته؛ شغله برؤية الأعمال بأن يلاحظ أعماله بحيث يصدر منه فينظر إلى نفعها وهو نقصان عند أهل الكمال، فإن الأليق بالعبودية أن لا يلتفت إلى أفعاله بل يشهد أن لم يصدر منه عمل إلا بمعونة الحق تعالى فيوجب له ذلك أن يستحي من طلب الجزاء على عمله حيث الأمر منه وإليه.

(٢) قوله: **(من يسمع منه)** أي من الحق وقوله «بلغ» من التبليغ. قاله الشارح، وحذف المفعول منهما للتعميم أو لإرادة إنزالهما منزلة اللازم، وهذا كما وقع لسيدنا الغوث الأعظم رضي الله عنه إذ قال: «قدمي هذه على رقبة كل ولي الله» فإنه قاله بحكم الله وأمره فأعلن عنه ولذلك جميع من كان في وقته خضعوا له أعناقهم وأطرقوا رؤوسهم.

(٣) قوله: **(فيسر بها)** بالبناء للمجهول من السرور، قال الزبيدي: سَرَّه: أفرحه، وقد سُر هو، بالضم فهو مسرور.اهـ. قوله: **(تُـقْلِقُه)** من القَلَق وهو الانزعاج والاضطراب، وأقلقه: جعله قَلِقًا. قوله:**(مخوف)** اسم مفعول من التخويف وكذا «مبشر» و«مشرف».

(٤) قوله: **(الإخلاص الخ)** المقصود أن الإخلاص سر بين الله والعبد، فالعبد عليه أن يفرد في طاعته مجرد

غوايته، وعلى الهوى إمالته، والفقر فخر، والعلم غُنْم، والصمت نجاة، واليأس راحة، والقناعة غِنًى، والزهد عافية، ونسيان الحق خيانة، والإشتغال عنه دناءة، والحضور معه جنة، والغيبة عنه نار، والقرب منه لذة، والبعد عنه حسرة، والأنس به حياة، والاستيحاش منه موت، والخمول نعمة على العبد لو عرف شَكَرَها.[1]

٢٠. وطلب الإرادة قبل تصحيح التوبة غفلة.[2]

٢١. ومن[3] قطع موصولا بربه؛ قُطِع به[4]، ومن شغل مشغولا بقربه؛ أدركه المقت.[1]

الحق بالقصد والنية، ولا يلتفت إلى ملاحظة أحد دون الله بل ويخرج عن الالتفات إلى ملاحظة النفس أن تعلمها والملك أن يكتبها والشيطان أن يغويها والهوى أن يميلها. وهذه الحالة إنما يخص الله بها كُمَّله من أوليائه الذين انصرفت الدنيا عن قلوبهم. وقوله: **(اليأس راحة)** أي اليأس من غير الله.

(١) حل اللغات: قوله: **(إمالته)** من الميل أي النزوع والرغبة، وأمال الشيئَ إليه: جذبه إليه. قوله: **(العلم غنم)** بضم الغين، الغنيمة، والمعنى أن مثل العلم كمثل الغنيمة فيها أن يحرص عليه كما هي حال الغنيمة. قوله: **(الاستيحاش)** قال الزبيدي: استوحش منه أي وجد الوحشة ولم يأنس به.

(٢) قوله: **(طلب الإرادة الخ)** قال سيدنا الإمام القشيري: الإرادة بدء طريق السالكين وهي أول منزلة القاصدين إلى الله تعالى، والمريد في عرف هذه الطائفة من لا إرادة له (أي لا اختيار له لنفسه) فمن لم يتجرد عن إرادته لا يكون مريدا.اهـ. ملخصا

(٣) ههنا سقطت العبارة الطويلة نحو ثلث ورقات أعني ما بين قوله «ومن قطع موصولا بربه» إلى قوله: «نطيع الله سبحانه بطاعة وأنا» من (د)، وفي (ب): «ومن قطع موصولا به» و (ج): «ومن قطع مولا به» وضبطنا العبارة من طبقات الشعراني و خلاصة المفاخر.

(٤) قوله: **(من قطع موصولا بربه قُطِع به)** قوله: «موصولا بربه» أي الواصلين. وقوله: «قطع به» بالبناء

٢٢. والمُقِلّ أو قال: المُهمل الأعمال والأحوال[٢] لا يصلح لبساط الحق تبارك وتعالى.[٣]

ومن دعائه رضي الله عنه، اللّهم، إن العلم عندك وهو محجوب عني[٤]، ولا أعلم أمرا فأختارَه لنفسي، وقد فوَّضْتُ إليك أمري، ورجوتك لفاقتي وفقري، فأرشدني اللّهم إلى أحب

للمفعول، و«به» نائب مناب الفاعل والضمير يرجع إلى الموصول. في القاموس: قُطِع به كعُنِي فهو مقطوع به. اهـ. وقال ابن منظور: «قُطِع به قطعا إذا قُطِع به الطريق». اهـ. والمعنى والله أعلم أن من يقطع الطريق على الواصلين ويصدهم عن سبيل الله فلا يصرفهم عن سيرهم بل عادت عليه سوءته وحيل بينه وبين سبيل الله.

(١) قوله: **(ومن شغل مشغولا بربه أدركه المقت)** المقت: بفتح الميم وسكون القاف، يقال: مَقَتَه مقتًا: أبغضه، والمعنى أن من يشغل مشغولا بالله عما هو فيه ويُخِلُّ له بعبادته؛ يصير ممقوتا ومبغوضا عند الله.

(٢) قوله: **(المقل أو قال: المهمل)** كذالك في الأصل بالترديد، وكذا في مأخذه أعني خلاصة المفاخر فيما رأيت من مخطوطه. و«المقل» اسم فاعل من الإقلال، وكذا قوله «المهمل». قال ابن منظور: الإقلال: قِلَّة الجِدَة.اهـ. فالمقل: القليل الجدة. والجدة بكسر الجيم: السعة واليسار. و«المهمل» من الهَمَل أي السدى المتروك، وأهمله: تركه ولم يستعمله. (القاموس) فمعنى المقل الأعمال والأحوال: قليل الأعمال والأحوال، ومعنى المهمل الأعمال والأحوال: الذي يتركهما سُدىً ولا يفعلهما. قوله: **(لا يصلح لبساط الحق)** كناية عن قربه.

(٣) انظر: خلاصة المفاخر: ١٣٧، بهجة الأسرار (المخطوط): ٣٥٨، طبقات الصوفية للمناوي: ٢/ ٢٤٢، الطبقات الكبرى للشعراني: ٢٢٧، نيل الابتهاج: ١٩٨، تعريف الخلف: القسم الثاني: ١٧٧، البستان في ذكر الأولياء والعلماء بتِلِمْسَان: ١١٤، سلوة الأنفاس: ١/ ٤١٥، أنس الفقير: ١٨، عنوان الدراية: ٣١، شرح العينية: ١١٤، نفح الطيب: ٧/ ١٤٣، مرآة الجنان: ٣/ ٣٥٥.

(٤) في (ألف) و(ب) و(د) هكذا: «إن العلم محجوب عندك وهو عني». وهو تحريف بيد الناسخ، وضبطنا العبارة من البهجة الشريفة وخلاصة المفاخر وقلائد الجواهر.

الأمور إليك، وأرضاها عندك، وأحمدها عاقبة لديك، فإنك تفعل ما تشاء[١]، وأنت على كل شيء قدير.

ومن شعره رضي الله عنه[٢]:

(1) يا مَنْ عَلا فرَأى مَا فِي الغُيُوْب وما تَحْتَ الثَّرَى وَظَلامُ اللَّيْلِ مُنسْدِلُ[٣]

---

(١) في (ب) و(د): «إنك تقول ما تشاء».

(٢) انظر: ديوان أبي مدين: ٦٩، المعزى في مناقب أبي يِعَزَّى: ١٤٧، بهجة الأسرار: ٣٥١. هذا، وعلق مؤلف ديوان أبي مدين الشيخ العربي بن مصطفى – شيخ الزاوية العلوية في تِلِمْسان – على هذه الأبيات قائلا في ذيل الفهارس بأن هذه القصيدة مذكورة في ديوان سيدي عبد الغني النابُلُسي منسوبة للشيخ أرسلان الدمشقي.اهـ. **أقول:** راجعت إلى ديوان عبد الغني قُدِّسَ سِرُّه على ما عندي من مخطوطه فلم يَعْزُها للشيخ أرسلان، وإنما خَمَّسَ من أبياتها ما عنوانه: «قال رضي الله عنه مُخَمِّسًا» وسأذكر منها المطلع وهو كما يلي:

دَمْعِي لِخَوْفِكَ يا مَوْلايَ سَالَ دَمًا وَالْقَلْبُ مِمَّا بِه قَدْ شَارَفَ العَــدَمَـا

فَاغْفِرْ ذُنُوْبَ امْرِءٍ يَدْعُوْكَ مُكْتَتِمًا يَا مَنْ عَلَا فَرَأَىٰ مَا فِي الْغُيُوْبِ وَمَـا

تَحْتَ الثَّرَىٰ وَظَلَامُ اللَّيْلِ مُنْسَدِلُ

(٣) قوله: **(الغيوب)** على زنة فُعُول، مصدر مثل السجود والقعود، بمعنى الغيب. قال ابن منظور: غاب الأمر غَيْبًا وغُيُوبًا: بطن، والغيب: كل ما غاب عن العيون، سواء كان محصلا في القلوب، أو غير محصل.اهـ. فالمعنى: رأى ما يغيب عن الخلق من مخفيات الأمور وبواطن الأشياء. قوله: **(الثرى)** بالقصر، التراب النَّدِيّ. (الجوهري) ومنه سميت الأرض بالثرى. قوله: **(منسدل)** سدل (ن،ض) السِتْرَ سَدْلًا: أرخاه وأرسله، وشعر مُنْسَدِل أي مسترسل. و«ظلام الليل منسدل» فيه استعارة مكنية أصلية حيث شبه الظلام بالستر تشبيها مضمرًا وأثبت له المنسدل تخييلًا.

(2) أَنْتَ الغِيَاثُ لِمَنْ ضَاقَتْ مَذَاهِبُه أَنْتَ الدَلِيْلُ لِمَنْ حَارَتْ بِه الحِيَلُ[١]

(3) إِنَّا قَصَدْنَاكَ وَالآمَالُ وَاثِقَةٌ وَالْكُلُّ يَدْعُوْكَ مَلْهُوْفٌ وَمُبْتَهِلُ[٢]

(٤) فَإِنْ عَفَوْتَ فَذُوْ فَضْلٍ وَذُوْ كَرَمٍ وَإِنْ سَطَوْتَ فَأَنْتَ الْحَاكِمُ الْعدْلُ[٣]

---

(١) قوله: **(الغِياث)** بكسر الغين، قال ابن منظور: استغاثني فلان فأغَثْتُه، والاسم الغِياث.اهـ. قوله: **(ضاقت)** من الضيق ضد السعة. قوله: **(الدليل)** فعيل بمعنى الفاعل، يقال: دَلَّه على الطريق: أرشده وهداه، وتعريف الدليل لإفادة الحصر والمراد أنه لا هادي حقيقةً إلا أنت فلا ينافي كون الأنبياء العظام والصلحاء الكرام هادين مرشدين عطاء منه، وهذا كما يقولون: شفانا الطبيب مع أن النبي ﷺ يقول في دعائه: «فاشف أنت الشافي لا شفاء إلا شفائك». قال الإمام أحمد رضا قُدِّسَ سِرُّه: الإسناد على نوعين: حقيقي بأن يتصف المسند إليه بالمعنى الحقيقي، ومجازي بأن يسند إلى ما لا يتصف بالحقيقة لعلاقةٍ مّا كما يقال للنهر جارٍ ولجالس السفينة متحرك مع كون الماء والسفينة جاريا ومتحركة حقيقة. ثم الحقيقي على نوعين: ذاتي بأنه كائن من نفسه من غير احتياج إلى الغير، وعطائي بأن الغير جعله موصوفا بالحقيقة أعم من أن يكون الغير متصفا بذلك الوصف كما في واسطة الثبوت أم لا كما في واسطة الإثبات.اهـ.بالتعريب (الفتاوى الرضوية: ٣/ ٣٧٥ من رسالة الأمن والعلىٰ) قوله: **(حارت)** حَار يَحار حيرة وحيرانا: تحيَّر في أمره. قوله: **(الحيل)** كعِنَب جمع الحِيلة. قال الزبيدي: الحيلة: الحِذْق في تدبير الأمور، وهو تقلُّب الفكر حتى يهتدي إلى المقصود.اهـ. وقال الراغب: الحيلة من الحول، قلب واوه ياء لانكسار ما قبله.

(٢) قوله: **(واثقة)** من الوُثوق، قال الراغب: وثِقتُ به: سكنتُ إليه واعتمدتُ عليه. قوله: **(ملهوف)** الحزين أو المظلوم يستغيث. وعطف عليه قوله «مبتهل» والابتهال: التضرّعُ والاجتهاد في الدعاء، وهما حالان والتقدير أن الكل يدعوك والحال أنه ملهوف ومبتهل، والوجه في العدول من النصب إلى الرفع أن هذه الأبيات قوافيها ذات الروي المضموم.

(٣) قوله: **(سطوت)** بصيغة الخطاب من باب ضرب، يقال: سطا عليه وبه سَطْوًا وسَطْوَةً: قهر بالبطش.

ومن خطابه رضي الله عنه قوله: أوقفني ربي عز وجل بين يديه وقال لي: يا شعيب، ماذا عن يمينك؟ قلت: يارب، عطائك. قال: وماذا عن شمالك؟ قلت: يارب، قضاءك. قال: ياشعيب، قد ضاعفت(١) لك هذاك، وغفرت لك هذا، طوبى لمن رآك أو رأى من رآك.

ومن الشعر الممدوح به، قصيدة لبعض العلماء الصلحاء من أهل المغرب رضي الله عنهم:

(١) تَبَدَّتْ لَنَا أَعْـلَامُ عِلْـمِ الْهُدَى صِـدْقًا فَصَارَ لِشَمْسِ الـدِّيْنِ مَغْرِبُنَـا شَرْقَـا(٢)

(٢) وَأَشْرَقَ مِنْهَـا كُـلُّ مَـا كَـانَ آفِـلًا فَأَصْبَحَ نُوْرُ السَّعْدِ قَـدْ مَـلَأَ الأُفْقَـا(٣)

(٣) هُـمُ الْقَـوْمُ لَا يَشْـقَى بَعِيْـدُ جَلِيْسِـهِمْ وَهَـلْ أَحَـدٌ يَحْظَـىٰ بِقُـرْبِهِمْ يَشْـقَىٰ(٤)

(القاموس)

(١) قوله: **(ضاعفت)** من المضاعفة، وهي أن يزاد على أصل الشيء فيجعل مثلين أو أكثر. (الصحاح)

(٢) قوله: **(تَبَدَّتْ لنا)** أي ظهرت لنا، في منتهى الأرب: (تبدَّىٰ) *برآمد وآشكار گرديد*. قوله: **(أعلام)** جمع العلم بفتحتين: العلامة. (الصحاح) قوله: **(علم الهدى)** من قبيل إضافة العام إلى الخاص كما في «علم النحو». قوله: **(مغربنا)** أي بلاد المغرب. قوله: **(شرقا)** بفتح الراء وسكونها: الإسفار، يقال: شرقت (ن) الشمس إذا طلعت.

(٣) قوله: **(أَشْرَقَ)** أضاء. قوله: **(آفِلًا)** من أَفل: غابَ. قوله: **(الأفقا)** الأفق: بالضم وبضمتين كعُسْر وعُسُر: الناحِية، ج: آفَاق. (القاموس) وقال ابن الأثير: يجوز أن يكون الأفق واحدًا وجمعاً كالفلك.اهـ. والألف فيه للإشباع.

(٤) قوله: **(بعيد جليسهم)** من إضافة الصفة إلى الموصوف، والأصل جليسهم البعيد. قوله: **(يحظىٰ)** حظي (س) حُظْوةً، في منتهى الأرب: «حُظْوة»: *ظفر يافتن بچيزے* و«حَظِيَ كل من الزوجين عند صاحبه»: *بهره مند*

(٤) أَبَـا مَـدْيَنٍ دَانَـتْ لِـدِيْنِكَ عُصْـبَةٌ فَـوَالَيْتَهُمْ حُبًّـا وَدَانَيْـتَهُمْ رِفْقَـا[١]

(٥) لَـكَ اللهُ، يَـا شَمْسًـا أَضَـاءَ بِنورِهَـا مِنَ الدِّيْنِ مَا قَـدْ كَـانَ أَظْلَـمَ أَزرَقَـا[٢]

شدند زن وشوازیک دیگر.اهـ. ملخصا وفي المرقاة تحت حديث عائشة: «أيُّ نسائه كان أحظىٰ مني» ما نصه: «كان أحظىٰ» أي أكثر نصيبا مني.اهـ. قوله: **(يشقىٰ)** من الشَقاوة، وهي ضد السعادة.

(١) قوله: **(أبا مدين)** منصوب على المنادى، والتقدير يا أبا مدين. قوله: **(دانت)** أطاعت وانقادت. قال الجوهري: الدِّين: الطاعة، تقول: دان له يَدِين دِيْنا أي أطاعه، ومنه الدِّين والجمع: الأديان. قوله: **(واليتهم)** من الموالاة ضد المعاداة. قوله: **(دانيتهم)** من المداناة، دانيتُ الأمرَ: قارَبْتُه. (تاج العروس) قوله: **(رفقا)** بالكسر: لِين الجانب.

(٢) قوله: **(لك الله)** جملة من الخبر المقدم والمبتدء المؤخر، وهي قد تستعمل موضع الدعاء والمعنى حينئذ: لك حفظ الله ورعايته، و قد تؤتى بها موضع القسم أي لك يمين الله. قال العلامة المرزوقي: «لكِ الله» يجوز أن يكون دعاء والمعنى: إحسان الله لكِ وحفظه مشتمل عليكِ، ويجوز أن يكون قسماً كما يقال أعطيكِ الله.اهـ. (شرح ديوان الحماسة) وههنا الظاهر أنها لمجرد الدعاء. قوله: **(يا شمسًا أضاء لنورها)** فقوله «شمسا» مناداة نكرة مقصودة وحقها الضم، لكنها موصوفة بجملة وهي «أضاء» والعرب في هذه الصورة يختارون نصب المنادى. قال الفراء: النكرة المقصودة الموصوفة المناداة تؤثر العرب نصبها، يقولون: «يا رجلا كريما اقبل». فإذا أفردوا رفعوا.اهـ. (شرح التسهيل لابن مالك). وقوله: «أضاء» من الضوء أي صار مضيئا. قوله: **(من الدين)** بيان مقدم لـ «ما» وهي موصولة وما بعدها من الجملة صلتها، والموصول مع صلته فاعل لـ «أضاء». قوله: **(أظلم)** ليس فعلا ماضيا بل صفة مشبهة من ظَلِم، يقال: ظَلِم الليل ظلاما بمعنى أظلم، وكذا قوله: «أزرقا» من الزَّرَق، يقال: زرقت (س) عينُه زُرْقة وزَرَقا. في القاموس: الزرَق: العمى ﴿**يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا**﴾.اهـ. وقال الراغب: أي عُمْيًا عيونُهم لا نور لها.اهـ. قال النسفي: لأن حدقة من يذهب نور بصره تزرق.اهـ. وألفه للإشباع، وهو معطوف على «أظلم» والأصل أظلم وأزرق، والمعنى أن

(٦) سَـقَيْتَ قُلُوبـاً طَالَمَـا شَـفَّهَا الظَّمَـأُ فَأَمْطَرْتَهَا مِنْ مَاءِ عِلْـمِ الْهُـدَى وَدْقَـا[١]

(٧) فَأَحْيَيْـتَ مِنْهَـا كُـلَّ مَـا كَـانَ مَيْتًـا وَرَقَّيْتَ مِنْهَا كُلَّ مَـنْ كَـانَ لَا يَرْقَـىٰ[٢]

الدين صار مضيئا بأنواره بعد أن كان في ظلام لا نور له.

(١) قوله: **(طالما)** كلمة ما كافة. وقوله: **(شَفَّها)** شَفَّ أي هزل، والضمير يعود إلى القلوب. قال ابن منظور: شفَّ كبدَه: أحرقها، وشفَّه الهمُّ: هزله وأضمره حتى رَقَّ.اهـ. وقوله: **(الظما)** بفتحتين، أصله الظمأ أي العطش، وهو فاعل لـ «شفَّها» والجملة صفة لـ «قلوبا» والموصوف مع صفته مفعول لسقيتَ، وأصل العبارة: «طالما سَقَيْتَ قلوبًا شَفَّها الظمأُ». وفيه استعارة مكنية حيث شبهت القلوب بالأرض اليابسة تشبيها مضمرا وطوي الذكر عن المستعار منه بإثبات السقي للقلوب. قوله: **(ودقا)** بفتح الواو وسكون الدال: المطر، وهو مفعول لـ «أمطرت» وقوله «مِنْ مَاءِ عِلْمِ الْهُدَىٰ » بيان مقدم له.

(٢) قوله: **(منها)** أي من القلوب، و«مِن» إما للتبعيض أو للتبيين. وقوله «ما كان مَيْتا» مفعول لـ «أحييت». والميْت مخفف من الميِّت. قال الجوهري: أصل ميِّت مَيْوِت، ثم أدغم ثم خفف فيقال مَيْت، ويستوى فيه المذكر والمؤنث.اهـ. قوله: **(رَقَّيْتَ)** من الترقية، وقوله «لا يرقى» من الرُّقِيِّ، رقي (س) إليه وفيه: صَعِدَ، ورَقَّاه: صَعَّدَه. **أقول**: المادح وصف القلوب بكونها ميتا بلفظة «ما» نظرًا إلى القلوب، وأتى بلفظة «مَن» لبيان كونها عدمَ راقيةٍ على تقدير مضاف في «منها» أي من أصحابها. وهنا توجيه آخر وهو أن الله تعالى أودع في قلوب الإنسان أن تتخلق بالشيم الطاهرة وتتحلى بالصفات الملكية فآنذاك تكاد تعرج إلى الملأ الأعلى وتعش على عوالم الملكوت، فالقلوب التي أضاعت موهباتها الجبلية وخصائلها الطبعية وصارت ميتا، حقها أن تنزل منزلة الأنعام وتتصف بما توصف به البهائم على خلاف القلوب الغير الراقية حيث لم تفقد تلك الصفات كليا فهي لم تنحط إلى درجة الأنعام، وإن لم تعرج إلى الأوج والكمال بعدم استخدام تلك الخصال. والله تعالى أعلم

(٨)	وَأَخْرَجْتَهَا مِنْ كُلِّ جَهْلٍ وَظُلْمَةٍ	فَمَهْمَا دَجَا لَيْلٌ أَلَحْتَ لَه بَرْقَا[١]
(٩)	وَأَدْخَلْتَهَا حِصْنَ التَّوَكُّلِ فَانْشَتَّتْ	فَأَمْسَكَهَا ذُوْ الْعِزِّ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ[٢]
(١٠)	سَقَيْتَ بِعِلْمٍ يَا شُعَيْبُ قُلُوْبَنَا	فَاسْمُكَ مِنْ شِعْبِ الْقُلُوْبِ قَد اشْتَقَّا[٣]

هذه عشرة أبيات منها، قد أَقْتَصِرُ على ذكرها.

---

(١) قوله: **(دجا)** من الدُجَىٰ، يقال: دَجَا (ن) الليل: أَظْلَمَ. قوله: **(أَلَحْتَ)** بصيغة الخطاب، ألاح البرقُ: أومض. وقوله: «برقا» منصوب إما على التمييز أو لكونه حالا من الضمير المخاطب بناء على المبالغة وإما لأنه سُدَّ مَسَدَّ المفعول المطلق، والتقدير: «ألحتَ له إلاحَةَ برق» فحذف المصدر وأقيم البرق مقامه وأعرب إعرابه.

(٢) قوله: **(حصن)** بكسر الحاء: كل موضع حصين لا يوصل إلى جوفه. (القاموس) وقوله: **(فانشتت)** انشتَّ الأمر: تفرق، وضمير المؤنث عائد إلى القلوب. وقوله: **(فأَمْسَكَ)** في القاموس: أمسكه: حبسه. قوله: **(ذو العز)** العز: الغالب القوي الذي لا يقهر. وقوله: **(بالعُرْوَة الوُثقىٰ)** العروة في الأصل للدلو والكوز: مقبضهما ويستعار لما يوثق به ويعول عليه. (اللمعات والمرقاة) وهو المراد هنا، والوثقى: تأنيث الأوثق من الوَثاقَة، يقال: وثُق (ك) وَثاقَةً: مَنُعَ. فمعنى العروة الوثقى: الأشد من الحبل المحكم المأمون انقطاعه.

(٣) قوله: **(فاسمك من شعب القلوب قد اشتقا)** الشعب بكسر الشين، وهو من الوادي ما اجتمع منه طرف وتفرّق طرف، فإذا نظرت إليه من الجانب الذي تفرّق أخذت في وهمك واحدًا يتفرّق، وإذا نظرت من جانب الاجتماع أخذت في وهمك اثنين اجتمعا، وشُعَيْب تصغير شِعب.اهـ. (مفردات الراغب) وفيه استعارة بالكناية حيث شبهت القلوب بالأرض تشبيها مضمرا وأثبت لها الشعب تخييلا، والظرف متعلق بقوله «قد اشتقا» مقدم عليه، والجملة خبر المبتدء أي « فاسمك» والفاء إما للتفريع أو للتعليل.

* **راجع**: البهجة الشريفة (المخطوط): ٣٦٤، ٣٦٥ ؛ خلاصة المفاخر(المخطوط): ٣٤٨.

وقد روي بالإسناد المتصل إلى الشيخ الكبير العارف بالله أبي الحَجَّاج الأَقْصُرِي[١] رحمه الله، قال: سمعت شيخنا[٢] أبا محمد عبد الرزاق المغربي[٣] يقول: لقيت أبا العباس الخَضِر

---

(١) قوله: **(الأَقْصُري)** بفتح فسكون فضم نسبة إلى الأقصر. قال الحموي: كأنه جمع قصر جمع قلّة: اسم مدينة على شاطئ شرقي النيل بالصعيد الأعلى فوق قوص، وهي أزلية قديمة ذات قصور، ولذلك سميت الأقصر.

أبو الحجاج الأَقْصُري

(٠٠٠ - ٦٤٢ هـ = ٠٠٠ - ١٢٤٤م)

يوسف بن عبد الرحيم بن عربي القرشي الأَقْصُري أبو الحجاج من كبار الصوفية في عصره ، كان في شبابه مُشارِفا للديوان وتجرد وكثر أتباعه. وهو من أهل الرواية والعلم؛ أخذ عن الشيخ عبد الرزاق الأسكندري تلميذ أبي مدين وعن الشيخ حبيب العجمي والشيخ عبد الرحيم، وعنه أخذ البرهانان القادري والكبير والشيخ مفرِّج والبدر الدمشقي والعليَّان الأُدْفُوي وابن بدران والشمس السَفْطي لكن جهال أصحابه أطنبوا في أمره وظنوا أنه عرج به ليلة النصف من شعبان للسماء وتلقىٰ من ربه الأسماء وجعلوا له معراجا. قال الأُدْفُوي: والشيخ بعيد عن ذلك كله. مات ودفن ببلده الأقصر وقبره بها ظاهر يزار ويتبرك به. (الأعلام: ٨/ ٢٣٨، طبقات الصوفية للمناوي: ٢/ ٣٦٥ - ٤/ ١١٨)

(٢) في (ألف) و(ب): « قال شيخنا: سمعت الخ» وضبطنا من خلاصة المفاخر.

(٣) **أبو محمد عبد الرزاق**

هو الشيخ أبو محمد عبد الرزاق الجُزُوْلي من أجل أصحاب سيدي أبي مدين ولازمه مدة طويلة ، كان من كبار المشائخ ممن جمع بين الفقه والتصوف. أخذ عنه أبو الحجاج الأَقْصُري وأبو محمد صالح الماجَري، استقر أخيرا بالإسكندرية وبها مات. تزوج بمستولدة الشيخ أبي مدين وكفل ابنه، لذلك اشتهر بأبي محمد. وإنه يواصل سبعة أيام فأخبر بذلك الشيخ أبو مدين فقال: دعوه إن كان كاذبا في الوصال فعقوبته الجوع وإن كان صادقا فسينتفع به. (التشوف: ٣٢٧، أنس الفقير: ٣٥)

عليه السلام بفَيافِي المغرب[١] في سنة ثمانين وخمس مائة، فسألته عن شيخنا أبي مدين رضي الله عنه، فقال: هو إمام الصديقين في هذا الوقت، ذلك آتاه الله تعالىٰ مفتاحا من السرّ الـمَصُوْن[٢] بحجاب القدس، ما في هذا الوقت أَجْمَعُ أسرارِ المرسلين منه. قال: ثم مات الشيخ أبو مدين بعد ذلك بيسير رحمة الله عليه.

وكلام الخَضِر عليه السلام مشعر بتفضيله على جميع أهل زمانه، وإنما وقع كلامه بعد موت الشيخ عبد القادر رضي الله عنه، فإنه مات سنة ستين وخمس مائة، وهو كان مُفَضَّلاً على أهل زمانه مطلقا[٣] وذكر بعض المشائخ الأجِلَّة رحمهم الله أن أبا مدين صار قطبا قبل وفاته.[٤]

---

(١) قوله: **(بفيافي المغرب)** الفيافي جمع الفيفاء، وهي الصحراء الملساء. (الجوهري)

(٢) قوله: **(المصون)** ما يصان به، من صانه أي حفظه ووقاه.

(٣) قوله: **(كان مفضلا على أهل زمانه مطلقا)** **أقول**: المشائخ بعد اتفاقهم على أن سيدنا الغوث الأعظم الشيخ عبد القادر رضي الله عنه كان سابقا على أقرانه وأفضلهم مطلقا قد اختلفوا، فمنهم قائلون بتفضيله على أهل زمانه فحسب، ومنهم ذهبوا إلى تقدمه مطلقا على الأولين والآخرين، والمتقدمين والمتأخرين طُرًّا من المشائخ المقربين والأولياء الواصلين ما خلا الصحابة وكبار التابعين. وأطنب الكلام في هذه المسئلة بركة الهند الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي قُدِّسَ سِرُّه في «زبدة الأسرار» وحقق بما لا مزيد عليه من الشواهد أن الأشبه والأجدر بالقبول هو المذهب المتأخر، ونص عليه في آخره قائلا: «قال نقيب الأولياء أبو العباس الخضر ومثله ممن اطلّعه الله على مقامات الأولياء كلهم ما هو نص في عموم فضله وشرفه على المتقدمين والمتأخرين وكفى به دليلا».

(٤) قوله: **(صار قطبا قبل وفاته)** **أقول**: ذكر اليافعي في خلاصة المفاخر على ما عندي من المخطوط بهذه الألفاظ: «إن الشيخ أبا مدين قُطِبَ نصفَ يومٍ ثم توفي» وسقطت العبارة بقدر ذلك من المطبوع.

أمير المؤمنين بالمغرب يعقوب المنصور الموحدي:

وروي أن أمير المؤمنين بالمغرب يعقوب رحمه الله رأى مرأًى[١] وأحوالا وجدها من نفسه من أحوال المريدين، وكان سببها أنه قتل رجلا[٢] بغير حق، فندم على قتله ندمًا أَوْرَثَه توبةً أَثَّرَتْ في باطنه أحوالا حسنة، وتغير عليه من نفسه ما لايعهده[٣] لثمرة التوبة، فشكا ما يجده لِـمُوَلِّدَة[٤] كانت تدخل، فقالت له: هذه أحوال المريدين، قال: فكيف أعمل بنفسي؟ ومن يعرفني ويُدَاوِيني؟ قالت له: الشيخ أبو مدين[٥] سيد هذه الطائفة في هذا الزمان. فبعث يعقوب إلى الشيخ أبي مدين، وطلبه طلبا حثيثًا[٦] والتجأ إليه[٧]، فاقتضى[٨] إجابةَ الشيخ أبي

---

(١) قوله: **(مرأًى)** بالفتح، المنظر الحسن. (الجوهري) وفي منتهى الأرب: «مرأًى» بالفتح: *ديدار*، ويقال: «رجل حَسَن المرأَى» يعني *خوب ديدار*.

(٢) قوله: **(قتل رجلا) أقول**: وهو أخوه كما في روض الرياحين.

(٣) قوله: **(ما لايعهده)** عهِد الشيءَ عهدًا: عرفه، وهو فاعل لـ «تغير» وقوله: «لثمرة التوبة» متعلق به لا بقوله «لا يعهد».

(٤) قوله: **(المولِّدة)** بكسر اللام وتشديده: القابِلة. (القاموس)

(٥) قوله: **(الشيخ أبو مدين)** أي يداويك، وقوله: «هذه الطائفة» أي طائفة الصوفية. قال الراغب: الطائفة من الناس: جماعة منهم.

(٦) قوله: **(حثيثا)** فعيل بمعنى مفعول من حثَّه على الشيء: حضَه عليه وندبه له، قال الزبيدي: الحثيث: السريع، يقال: رجل حثيث: حاد سريع في أمره كأن نفسه تحثه عليه ، وولّى حثيثا أي مسرعا حريصا.ملخصا.

(٧) قوله: **(التجأ إليه)** التجأ إليه: لاذ به.

(٨) قوله: **(فاقتضى)** من الاقتضاء، يقال اقتضا دَينه أي تقاضاه.

مدين له، وقال: نطيع الله سبحانه بطاعته، وأنا } ما أصل إليه بل أموت بتِلِمْسان[١]. وكان الشيخ حينئذ في بِجَاية[٢]، فلما وصل إلى تِلِمْسان؛ قال لرُسُل يعقوب[٣]: سلِّموا على صاحبكم[٤] وقولوا له: شفاءك على يد أبي العباس الـمَرِيْنِيّ[٥] ونفعك على يده. ومات الشيخ أبو مدين

---

(١) قوله: **(تِلِمْسان)** بكسرتين وسكون الميم، بالمغرب مدينتان متجاورتان مسوّرتان بينهما رمية حجر، إحداهما قديمة والأخرى حديثة. قاله الحموي

(٢) قوله: **(بِجاية)** بكسرالباء وتخفيف الجيم، مدينة على ساحل البحر بين إفريقية والمغرب. (معجم البلدان)

(٣) في (ب) و(د): «ارسل» والصواب ما أثبتنا.

(٤) قوله: **(على صاحبكم)** أي أميركم يعقوب. قال الراغب: يقال للمـالك للشيء: هو صاحبه، وكذلك لمن يملك التصرف فيه.

(٥) قوله: (المريني) ضبطه السمعاني بضم الميم وكسر الراء، والإمام اليافعي بفتح الميم وكسر الراء، وقال الياقوت: بضم الميم وفتح الراء: نسبة إلى قرية بمَرْو، يقال لها مُرِين دشت.

أبو العباس المريني

كان كثير السياحات وعظيم الكرامات، أقام اثنتي عشرة سنة لم يحل بينه وبين السماء حائل، وأقام ست سنين بمكة لم يدخل جوفه إلا ماء زمزم. وكان إذا سلم على المصطفى ﷺ رد عليه وأجابه عما حدث به، وحكي عنه الشيخ الصالح: كنت مع المريني في سياحة فغبت عنه وهو نائم ثم أتيته فوجدتُّ حية عظيمة تَطَوَّقَت على حلقه، ففتح أبو العباس عينيه فرآها ثم نام إلى أن سمعت غطيطه ثم سمعت من السماء: يا أحمد، قد عجبت الملائكة من توكلك ثم تحللتْ وانصرفتْ. وسأله رجل: أيما أفضل العقل أم الروح؟ فقال: لما أُسْرِيَ بالنبي ﷺ صحبه جبريل، فانتهى معه إلى حده ووقف وقال: يا محمد، ما مِنَّا إلا له مقام معلوم، منذ خلقت ما تعديت ههنا، فتقدم المصطفى إلى مقامه ، فكان روحا ومحمد ﷺ عقلا. (طبقات الصوفية:

بتِلِمْسان رضي الله عنه، ومضت الرسل إلى يعقوب، فأخبروه بما أوصى به الشيخ له، فطلب الشيخَ أبا العباس الـمَرِيْنِيّ طلبا حثيثا، وسَيَّرَ إلى كل الجهات إلى أن ظَفِروا به، {فأخبروه بما عليه من الطلب، فوجد }[١] من الحق سبحانه إذنا بالاجتماع به، فمشى إليه واجتمع به، ففرح يعقوب بذلك ثم أمر بذبح دجاجة وخَنقِ أخرى[٢] وأن يُطْبَخ كل واحدة منهما على حدةٍ، وقَدَّمَها بين يدي الشيخ وسأله {أن}[٣] يتناول ليؤاكله[٤]، فنظر الشيخ إليهما، وأمر الخادم برفع المخنوقة، وقال: هذه جيفة وأكل من الأخرىٰ، فسَلَّمَ يعقوب نفسه له[٥]، ونَزَّلَ نفسه منزلة خادم، وفُتِح له على يده، وترك الـمُلْك وسَلَّمَه لابنه، واشتغل مع الشيخ، وثبتت قدمه في الولاية ببركة الشيخ أبي العباس، وإشارة الشيخ أبي مدين رضي الله عنه وعن الجميع ونفعنا بـهم.

٣٤٩/٢ – ١٤٧/٤، روض الرياحين: رقم الحكاية: ٤٤٠)

(١) ما بين الحاصرين ساقط من (ج) و(د).

(٢) قوله: **(خنق)** بفتح الخاء وكسر النون وسكونها، مصدر قولك: «خَنَقَ» من باب نصر أي أخذ الحلقوم وعصره حتى مات.

(٣) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب).

(٤) قوله: **(ليؤاكله)** من المؤاكلة، قال الجوهري: آكل فلانا مؤاكلةً وإكالًا: إذا أكل معه.اهـ. ويجوز أن يكون كل من ضمير المرفوع والمنصوب راجعا إلى كل منهما. قال الشارح: هذا ليس للامتحان بل للاطمينان كما في قوله تعالى: ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ [البقرة: ٢٦٠].

(٥) قوله: **(فسلَّم يعقوب نفسه له)** يقال سلَّمتُ أمري إليه: فَـوَّضْـتُه، وقد يعدَّىٰ باللام كما وقع ههنا فيما إذا كان يتضمن لمعنى الإخلاص. قال البيضاوي: حيث عُدِّيَ باللام فلتضمن معنى الإخلاص. اهـ.

ومما جرى ليعقوب أن الناس كانوا محتاجين إلى المطر، فقال أبو العباس ليعقوب بعد أن خرجا إلى خارج البلد: صَلِّ واسْتَسْقِ[1] للمسلمين، فقال له يعقوب: أنت أحق بذلك يا سيدي وأولىٰ، فقال له الشيخ: بهذا أُمِرْتُ[2]، فصلى يعقوب ودعا، ونزل المطر على الفور رضي الله عنهما.[3]

---

(١) قوله: **(استسق)** أمر من الاستسقاء، وهو في اللغة طلب السقي، وفي الشرع طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة. (رد المحتار)

(٢) قوله: **(بهذا أمرت)** بالبناء للمفعول، قال الشارح: هذا الأمر يحتمل أن يكون في المنام كما في حق إبراهيم أو في اليقظة بالإلهام أو في المكاشفة سواء كان من الله تعالى أو من النبي أو من بعض شيوخه.

(٣) **انظر:** روض الرياحين في حكايات الصالحين (المخطوط): ٢٤٦ و(المطبوع): ٢٠٨ الحكاية: ٤٥٦، جامع كرامات الأولياء للنبهاني: ٢/ ١١٨، طبقات الصوفية للمناوي: ٤/ ١٤٨-١٤٧، رسالة صفي الدين بن أبي المنصور: ٥٧– ٥٩.

هذا، **أقول**: وما ساق المصنف يشعر بظاهره إلى طلب سلطان المغرب يعقوب المنصور الشيخ أبا مدين للتبرك به ولتكميل ما رآه من الأحوال على يديه، وأيضا يدل على أن السلطان تزهد في آخر أيامه وتجرد عن مملكته مصحوبا بالشيخ أبي العباس المريني وصار من الأولياء الراسخين. وقد اختلفت الروايات في كلها من علماء المغرب وأرباب التواريخ فيما وقفت عليه ـــ فأذكر بالإيجاز خلافهم في ذلك:

قال شهاب الدين أحمد التِلِمْساني: «كان أبو مدين استوطن بِجاية ويقول: إنّها معينة على طلب الحلال، ولم يزل بها يزداد حاله على مر الليالي رفعة، ترد عليه الوفود وذَوُو الحاجات من الآفاق، ويخبر بالوقائع والغيوب إلى أن وَشَىٰ به بعض علماء الظاهر عند يعقوب المنصور، وقال له: إنّا نخاف منه على دولتكم فإن له شبهاً بالإمام المهدي وأتباعه كثيرون بكل بلد، فوقع في قلبه وأهمّه شأنه، فبعث إليه في القدوم

عليه ليختبره وكتب لصاحب بِجاية بالوصيّة به والاعتناء وأن يُحَمَل خيرَ محمِلٍ، فلمّا أخذ في السفر شق على أصحابه وتغيروا وتكلموا، فسكتهم وقال لهم: إن مَنِيَّتِي قربت وبغير هذا المكان قُدِّرَتْ ولا بد لي منه وأنا شيخ كبير ضعيف لا قدرة لي على الحركة، فبعث الله تعالى من يحملني إليه برفق ويسوقني إليه أحسن سَوْقٍ، وأنا لا أرى السلطان ولا يراني. فطابت نفوسهم وذهب بؤسهم وعلموا أنه من كراماته، فارتحلوا به على أحسن حال حتى وطئوا به حَوْزَ تِلِمْسان فبدت له رابطة العَبَّاد، فقال لأصحابه: ما أصلحه للرقاد، فمَرِضَ مَرْضَ موته، فلمّا وصل وادي يسر اشتد به المرض ونزلوا به هناك فكان آخر كلامه: الله الحق. وتوفي رحمه الله تعالىٰ سنة ٥٩٤هـ.فحمل إلى العَبَّاد مدفن الأولياء الأوتاد، وسمع أهل تِلِمْسان بجنازته فكانت من المشاهد العظيمة والمحافل الكريمة. وفي ذلك اليوم تاب الشيخ أبو علي عمر الحَبَّاك وعاقب الله تعالى السلطان فمات بعده بسنة أو أقل». (نفح الطيب من غصن أندلس الرطيب: ٧ / ١٤١ – ١٤٢)

وكذا في البستان في ذكر الأولياء والعلماء بتِلِمْسان: ١١٣، الأعلام: ٣/ ١٦٦، عنوان الدراية: ٢٨، نيل الابتهاج: ١٩٧-١٩٨، تعريف الخلف: القسم الثاني: ١٧٧، أنس الفقير: ١٠٢ - ١٠٣ وزاد فيه: «هكذا أخبرني الشيخ المسن الصالح العدل أبو عبد الله محمد البجائي من عدول تِلِمْسان سنة ٧٩٣هـ ».اهـ.

وقال ابن خلكان: «اختلفت الروايات في أمره ، فمن الناس من يقول: إنه ترك ما كان فيه وتجرد وساح في الأرض حتى انتهى إلى بلاد الشرق وهو مُسْتَخْفٍ لا يعرف ومات خاملا، ومنهم من يقول: إنه لما رجع إلى مرّاكُش توفي في غُرَّة جُمادَى الأُوْلىٰ وقيل في شهر ربيع الآخر في سابع عشره وقيل في غرة صفر سنة ٥٩٥هـ بمرّاكُش وقيل إنه مات بمدينة سَلَا... ثم حكى لي جمع كثير بدمشق في شهر شوال سنة ٦٨٠هـ أن بالقرب من المِجْدَل البُلَيْدة التي من أعمال البقاع العزيزي قرية يقال لها حَمَّارة، وإلى جانبها مشهد يعرف بقبر الأمير يعقوب ملك المغرب، وكل أهل بتلك النواحي متفقون على ذلك وليس عندهم فيه خلاف».اهـ. (وفيات الأعيان: ٧/ ١٠)

وقال الإمام الذهبي: «لو مات مثل هذا السلطان في مَقَرِّ عِزِّه لم يختلف هكذا في وفاته». (سير

أعلام النبلاء: ١٥/ ٤٣٢)

وقال الإمام اليافعي: «بعض المغاربة يذكرون أن الأمير يعقوب خَلّىٰ الملك وساح في الأرض، ووعدت بذكر ما يؤيد هذا القول، وها أنا أذكره الآن: سمعت ممن لا أشك في صلاحه من الفقراء الصادقين المتجردين المباركين من بلاد المغرب أن جمعاً من شيوخ المغاربة ذكروا رسالة الأستاذ أبي القاسم القشيري رحمه الله تعالىٰ وما جمع فيها من مشايخ المشارقة وذكر مناقبهم، فراموا أن يعارضوا رسالته برسالة مشتملة على شيوخ يذكرونهم فيها من شيوخ المغاربة ثم ذكروا أن في شيوخ الرسالة القشيرية من تجرد عن الملك، ولم يجدوا في شيوخ المغرب من هو كذلك، فقالوا: ما تتم لنا معارضة الرسالة المذكورة إلا بملِك منها يزهد ويسلك طريق ابن أدهم المشكور، فاهتموا لحصول ملك يزهد في الدنيا من ملوك المغرب ليعارضوا به ابن أدهم على المنصب، فجاء الشيخ الكبير الولي الشهير أبو إبراهيم بن أدهم إلى أمير المؤمنين يعقوب واجتمع به، فسر يعقوب بذلك وأخرج له من خزائنه جواهر نفيسة إكراماً له في مجيئه إليه، فالتفت أبو ابراهيم إلى شجرة هنالك وإذا هي حاملة جواهر تدهش العقول فدهش أمير المؤمنين يعقوب وهاله ما رأىٰ من تصريف عباد الله في ملك الله، فعند ذلك احتقر يعقوب ما هو فيه من ملك الدنيا فزهد فيه وصار من كبار الأولياء». ملتقطا. (مرآة الجنان: ٣/ ٣٦٥-٣٦٦) **أقول**: هذا وإن كان يدل على أن يعقوب تخلى عن الإمارة في آخر عمره لكن لا يلائم ما أورده نفس ذاك الإمام في كتابه «روض الرياحين» من قصة توبته فإنه ذكر فيه لتوبة يعقوب قصة مثل ما في هذا الكتاب، علا أن علماء المغرب لا يثبتون هذا القول من توبته وتجرده عن سرير المملكة كما تقدم عن معتمدات الأسفار أن السلطان يعقوب عاقبه الله تعالى ومات بعد موت سيدي أبي مدين بسنة أو قبلها، ومن أقوى دلائلهم عليه أن الشيخ تاج الدين بن حَمُّوَيْه السرخسي -وكان مفننا في العلوم عارفا بالأصلين والفروع والترسل والتواريخ والهندسة والطب- ذكر عن نفسه أنه سافر إلى بلاد المغرب سنة ٥٩٣هـ واتصل بمرّاكُش عند ملكها المنصور يعقوب بن يوسف إلى أن جاءت منية المنصور سنة ٥٩٥هـ وأنه أقام بعد وفاته هناك إلى سنة ٦٠٠هـ إذ قال: «دخلت مدينة مرّاكُش أيام أمير المؤمنين أبي

يوسف يعقوب المنصور ابن يوسف بن عبد المؤمن بن علي، فاتصلت بخدمته وقد شرحت أحوال سيرته وما جرى في أيام دولته في كتاب التاريخ المسمى «عطف الذيل» ودرج إلى رحمة الله تعالى سنة ٥٩٥هـ وكان قد استخلف ولده محمدا وقرر الأمر له».اهـ. (نفح الطيب: ٣/ ١٠٤) وأيضا قال: «اجتمعت بأبي الربيع سليمان حين قدم إلى مرّاكُش بعد وفاة المنصور يعقوب لمبايعة ولده محمد».اهـ. (نفح الطيب: ٣/ ١٠٥) وعن هذا قال شهاب الدين التِلِمْساني: «بهذا وأمثاله يعلم فساد ما زعمه غير واحد أن يعقوب المنصور هذا تَخَلَّى عن الملك وفَـرَّ زاهدا فيه إلى المشرق وأنه دفن بالبقاع لأن هذه مقالة عامية لا يثبتها علماء المغرب، وسبب هذه المقالة تَوَلُّع العامة به فكذبوا في موته وقالوا إنه ترك الملك وحكوا ما شاع إلى الآن وذاع مما ليس له أصل، ويرحم الله تعالى القاضي الشريف الغرناطي شارح الخزرجية إذ قال في شرح مقصورة حازم: «إن بعض الناس يزعمون أن المنصور ترك الملك وذهب إلى المشرق، وهذا كلام لا يصح ولا أصل له».اهـ. ملتقطا (نفح الطيب: ٣/ ١٠٤) **أقول:** ثم وجدت رواية تدل على أن ما قاله المؤرخون هو الأحرى بالقبول وهي أن المنصور لم يزل شديد العناية بأبي موسى (عيسى بن عبد العزيز من أساطين العربية) راعيًا له مفيضًا عواطفَه عليه متعهدًا أحواله متبركا به وبرؤيته، وقَدَّمَه إلى الخطبة في جامعه الأعظم المتصل بقصره حين أتمَّ بناءَه، فكان أول خطيب به، واستمرَّ حاله معه على ذكر من التنويه به واعتقاد الخير التام فيه، ولما حضرت المنصورَ الوفاةُ عهِد أن يتولى غسله أبو موسى تبركا به، فكان كذلك.اهـ. ملخصا (الذيل والتكملة لكتابي الموصول والصلة: ٥ / ١٢٣)

ملخص القول أن الدواعي التي دعت السلطان إلى طلبه الشيخ أبا مدين والمكان الذي جاءت فيه منيته زاهدا عن الدنيا أم متمكنا على سرير المملكة متعارضة ومتناقضة إلى الغاية، وما في هذا الكتاب مما اختاره سيدي الشيخ أحمد الكهتوي الأحمدآبادي من عباقر السلسلة المغربية في الهند – نفعنا الله ببركاتهم – إحدى رواياتها ولكنها ليست بمقطوعة بها. والله تعالى أعلم

الشيخ أبو يعزى المغربي(١):

وعن الشيخ الجليل أبي محمد صالح الدكّاكي المغربي المذكور، قال: سمعت شيخنا أبا مدين رضي الله عنه يقول في مناقب شيخه الأعظم {وقدوته }(٢) الأكرم الشيخ أبي يعَزّىٰ

---

(١) قوله: **(أبي يعَزَّىٰ)** ضبط أبو العباس الورنيدي في شرح النفحات القدسية بفتح العين تشديد الزاي. (المعزَّىٰ في مناقب أبي يعَزَّىٰ) و«يعَزَّى» بمعنى العزيز والمحبوب في لغة بربر كما قال الباحث أحمد التوفيق في هامش «التشوف إلى رجال التصوف».

أبو يعَزَّىٰ المغربي

(٠٠٠ - ٥٧٢ هـ =... ١١٧٦م)

أحد أوتاد المغرب وأركانها، قد اختلف المؤرخون في نسبه اختلافا فاحشا فقال الزِرِكْلي: يِلَنُّور بن ميمون بن عبد الله الدكالي الهَزْمِيْري، وقيل: هو من بني صبيح من هَسْكُوْرة، وقال المناوي: يِلَنُّور بن عبد الرحمن بن ميمون، وقال النبهاني: يكنور بن خضر بن عبد الرحمن بن ميمون، وفي شجرة النور الزكية: يِلَنُّور بن سليمان. أخذ عن أبي شعيب السارية وأبي الحسن ابن حِرْزهم، كان دائم المراقبة؛ قويا على المجاهدة وإليه انتهت تربية الصادقين بالمغرب وتخرج بصحبته جماعة من أكابر مشائخها، منهم أبو مدين رضي الله عنه. وكان أهل المغرب يستسقون به فيسقون ويرجعون إليه في المعضلات فينكشف. قال زرُّوق: كان أميا وإذا غلط القارئ ردَّ عليه فقيل له فيه، فقال: ما دام يقرأ القرآن فالنور يخرج من فيه فإذا غلط انقطع فأعرفه. وقال ابن العربي: كان لا يراه أحد إلا عمي من نور وجهه. وممن عمي عند رؤيته الشيخ أبو مدين، فكان لا يبصر أحدا إلا إذا مسح وجهه بثوب أبي يِعَزَّى فيرتد بصيرا ثم يعمى. توفي سنة ٥٧٢هـ وعمره نحو١٣٠ ودفن بقرية تاغيا من بلاد مغراوة. (شجرة النور الزكية: ١/ ١٦٣، التشوف إلى رجال التصوف: ٢١٣، بهجة الأسرار: ٢٨٥، الأعلام: ٨/ ٢٠٨، طبقات الصوفية: ٢/ ٢١٠)

(٢) ما بين الحاصرين ساقط من (ب).

المغربي رضي الله عنه: جاء بعض أصحابنا إلى شيخنا أبي يعَزّىٰ المغربي رضي الله عنه عند جدب[١] بالمغرب، وقال له: إن لي أرضا أقتات[٢] أنا وعيالي من زرعها، وقد أجْدَبتْ، فقام معه الشيخ، وأتى أرضَه ومشى فيها وجعل يسأله عن حدها[٣] بعُكَّازة[٤]، يقول[٥]: إلى ههنا، إلى ههنا حتى انتهى إلى آخرها، فأُمطِرَت الأرضُ خاصة حتى رَوِيتْ ولم يَتعَدَّها المطر، ولم يُزْرَع أرض بالقرب منها سواها.

وعن الشيخ الكبير المشهور العارف بالله أبي مدين المشكور قدَّس الله روحَه، قال: جئت في وقت قحط كان بالمغرب إلى الشيخ أبي يعَزّىٰ رضي الله عنه، وهو جالس في الصحراء، حوله وحوش كثيرة أسد[٦] وغيرها مختلطاتٍ لايؤذي بعضها بعضا، وعلى رأسه طيور كثيرة، فتقدم إليه أحد من الوحوش، وصَوَّت له كأنه يكلمه، فيقول له الشيخ: رزقك كذا في مكان

---

(١) قوله: **(جَدْب)** نقيض خِصْب وأَجْدَب القومُ: أصابهم الجدب. (الصحاح)

(٢) قوله: **(أقتات)** المضارع المتكلم من الاقتيات، يقال: اقتات به واقتاته: جعله قُوْته، والقُوْت ما يقوم به بدن الإنسان من الطعام.

(٣) قوله: **(حدها)** في جميع النسخ هنا بالجيم وضبطنا من خلاصة المفاخر.

(٤) قوله: **(عكازة)** بضم الأول وتشديد الثاني، عصاً ذات زُجٍّ في أسفلها، والجمع: عكاكيز. (الصحاح)

(٥) قوله: **(يقول)** الضمير لبعض الأصحاب.

(٦) قوله: **(أسد وغيرها الخ)** أسد بضمتين وكذا بضم الأول تخفيفًا جمع أَسَد، ويجوز أن يكون بالإفراد على تقدير الجنس، وهو بدل أو عطف بيان من الوحوش وقوله «مختلطات» بالرفع صفة لها وجملة «لا يؤذي بعضها بعضا» تاكيد وتوضيح لمعنى المختلطات، وهي إما في محل النصب على الحال من الضمير في المختلطات وإما في موضع الرفع بناء على أنها صفة.

كذا، فيذهب من بين يديه حتى أتىٰ كذلك إلى آخر الوحوش والطيور[١]. فلما لم يبق منها شيء عنده؛ قلت له: يا سيدي، ما هذا؟ قال: يا شعيب، إن هذه الوحوش والطيور اجتمعت إليَّ تشكو شدة الجوع من القحط، وقالت: إنها لا تُؤثِر أن تسكن أرضا غير بلاد المغرب محبةً في جِواري، وإن الله تعالى أطلعني على أرزاقها في أوقاتها ومواضعها، فأخبرتُها بذلك، {وقد ذهبتْ}[٢] إلى أرزاقها.

وعن الشيخ الفقيه الناسك أبي محمد عبد الله بن محمد الإفريقي[٣]، قال: أقام الشيخ أبو يعَزّىٰ رضي الله عنه في بدايته[٤] في البَرِّ[٥] خمس عشرة سنة، لا يأكل إلا حَبَّ الخُبَّازىٰ[٦]، وكانت

---

(١) قوله: **(حتى أتى كذلك إلى آخر الوحوش والطيور)** يرجع الضمير إلى الوحوش والطيور بتأويل المذكور، والتقدير: حتى أتته الوحوش والطيور منتهيتين إلى آخرهما إتيانا مماثلا لإتيان الأول من أنه يصوت كأنه يكلمه ويقول له الشيخ: رزقك كذا في مكان كذا.

(٢) ما بين الحاصرين ساقط من (ج) و(د) وفي (ألف) و(ب): «وقد وهبت على إلى أرزاقها» وهذا تحريف بأيدي النساخ والصواب ما أثبتنا كما في خلاصة المفاخر وبهجة الأسرار

(٣) قوله: **(الإفريقي)** منسوب إلى إِفْرِيقِيَّة بكسر الهمزة: قارة أعظم مشهورة.

(٤) في (ب): «هدايته» والصواب ما أثبتنا كما في سائر النسخ.

(٥) قوله: **(البر)** بالفتح: *دشت ضد بحر*. (منتهى الأرب)

(٦) قوله: **(الخبازى)** بضم الخاء وتشديد الباء وقد تخفف والقصر في آخره، في منتهى الأرب: *گیاہے است بفارسی باب سنجاب گویند*. اهـ. وكذا قال في الصراح.

الأُسُد تأوي إليه، والطير تعكف عليه[١]، وكانت الأسد إذا افترست البُقُور[٢] أو قطعت السُبُل؛ جاء الشيخ أبو يعَزّىٰ، فأمسك بآذانها وقادها، فتنقاد له ذليلةً، ويقول لها: يا كلاب الله، ارتحلي من ههنا، فتذهب حتى لا يُرىٰ منها في ذلك المكان شيء البتة. وجاء إليه المحتطبون[٣] يَشْكُون كثرة الأسد في غابة يقطعون منها الحطب، فقال لخادمه: اذهب إلى طرف الغابة، وناد بأعلىٰ صوتك: معاشرَ الأسد، يأمركِ أبو يعَزّىٰ أن ترتحلي من هذه الغابة، ففعل ذلك، فكانت الأسد تُـرَىٰ خارجةً من الغابة تحمل أشبالها[٤] حتى لم يبق فيها شيء، ولم يُرَ بعد ذلك فيها أسد.

من كلامه:

١. ومن كلام الشيخ أبي يعَزّىٰ المغربي رضي الله عنه: الأحوال مالكة لأهل البدايات، فهي تُصَرِّفهم، ومملوكة لأهل النهايات، فهم يصرفونها.

٢. وكل حقيقة[٥]...

(١) قوله: **(تأوي)** أوىٰ (ض) إليه أُوِيًّا: لجأ إليه وانضم. وقوله: **(تعكف)** من عكف على الشئ عَكْفًا وعُكُوْفًا أي أقبل عليه مواظبا لا يصرف عنه وجهه.

(٢) قوله: **(افترست)** افترس السبُع الشيء: أخذه فدَقَّ عنقه. وقوله: **(البقور)** جمع البقرة.

(٣) قوله: **(المحتطبون)** من الاحتطاب، يقال: احتطب فلان: جمع الحـطَب.

(٤) قوله: **(أشبالها)** الأشبال جمع الشبل بالكسر: ولد الأسد إذا أدرك الصيد. (القاموس)

(٥) قوله: **(كل حقيقة الخ)** قال الإمام القشيري: الحقيقة مشاهدة الربوبية.اهـ. ومنه ما قال الشيخ أبو بكر الشبلي في جواب رجل خاطب الشيخ بقوله: ما لي أراك قلقا؟ أ ليس هو معك وأنت معه؟ حيث قال: «لو

لا تمحو أثر العبد ورسومه[١] فليست حقيقة.

ومنه: لا يكون الولي وليا حتى يكون له قدم ومقام وحال ومُنَازَلَة وسر، **فالقدم** ما سلكْتَه في طريقك إلى الحق سبحانه، **والمقام** ما أَقَرَّتْك[٢] عليه[٣] سابقتك في العلم الأزلي، **والحال** ما بَغَتْك[٤] من فوائد الوصول لا من نتائج السلوك[٥]..........................

كنت أنا معه كنت أنا ولكني محو فيما هو».

(١) قوله: **(رسومه)** جمع رسم، والرسم والأثر بمعنى.

(٢) في (ألف) و(ب): «ما اقربك» وفي (د): «ما امرتك» والصواب ما أثبتنا كما في (ج) وكذا في طبقات الشعراني.

(٣) قوله: **(ما أقرتك عليه سابقتك في العلم الأزلي)** يقال: أقره على عمله فاستقر، وفاعله ما يأتي من قوله «سابقتك». قال في القاموس: «له سابقة في هذا الأمر» أي سبق الناس إليه.اهـ. فالمعنى التي سبقت من قضائك في العلم الأزلي، وبيانه على ما قال الشارح أن القناعة مثلًا مقام وأقرتك عليه سابقة قسمتك بعد بذل المجهود لتحصلها، فبمقدار قسمتك في علم الله تحصل لك القناعة، وكذا التوكل والرضا وغير ذلك من المقامات.اهـ.

(٤) قوله: **(ما بغت الخ)** من البُغية، بَغَىٰ يَبغِي بُغاءً وبغيةً: طلب. وقوله «من فوائد الوصول» بيان ما، وضمير المؤنث عائد إلى الموصول والتانيث باعتبار الفوائد.

(٥) قوله: **(من نتائج السلوك)** السلوك عبارة عن تهذيب الأخلاق ليستعد للوصول فهو السعي الذي يقوم به السالك في سيره في طريق الله حتى يصل إلى مقصوده. ملخصا. (كشاف اصطلاحات الفنون) ومنزلة السلوك من التصوف بمنزلة الفقه من الأصول فالتصوف له شبه بالأصول والسلوك له مماثلة بالفقه، فإن التصوف يبين فيه من علوم السر أصولها وطرقها والسلوك عبارة عن السير في الطريق إلى الله بالمجاهدة

والمنازلة[١] ما خُصِّصْتَ به من بحث الحضور[٢] بنعت المشاهدة لا بوصف الإستتار، **والسر** ما أودعته[٣] من لطائف الأزل عند هجوم الجمع[٤] ومحق السوىٰ[٥] وتلاشى ذاتك[٦].

والرياضة.اهـ. بالتعريب (سراج العوارف: ٦٤)

(١) قوله: **(المنازلة)** على زنة مفاعلة أي النزول في حال ومقام. (شرح الرسالة القشيرية)

(٢) في (ألف) و(ب): «من تحت الحضور» بالمثناة من فوق.

(٣) قوله: **(والسر ما أودعته من لطائف الأزل)** صيغة الخطاب بالبناء للمفعول، من الإيداع وهو من الأضداد، ففي مختار الصحاح: أَوْدَعَهُ مالاً أي دفعه إليه ليكون وديعة عنده، وقبله منه وديعة.اهـ. وفي منتخب اللغات: *ايداع: امانت دادن وامانت نهادن.اهـ.* والأشبه أن يراد به هنا المعنى الأول، والجملة صلة لـ «ما» وقوله «من لطائف الأزل» بيان للموصول.

(٤) قوله: **(عند هجوم الجمع)** الهجوم والجمع هما في اصطلاح الصوفية مقامان، أما الهجوم فيريدون به ما يرد على القلب بقوة الوقت من غير تصنع، والمراد بقوة الوقت ما يجريه الحق بتصريفه في وقت العبد. وأما الجمع ويقابله الفرق فقد قال شيخ الشيوخ شهاب الدين السهرودي: التفرقة العبودية والجمع عين الفناء بالله.اهـ. أي الاستهلاك بالكلية وفناء الإحساس بما سوى الله ويقال له أيضا جمع الجمع، والبسط في المطولات من هذا الفن مثل عوارف المعارف والرسالة القشيرية وشروحها.

(٥) قوله: **(محق السوى)** المحق بفتح الميم: الاستهلاك، يقال: مَحَقَه: أبطله ومحاه. قال الإمام القشيري: المحق فَوْقَ المحو لأن المحو يبقى أثرا والمحق لا يبقى أثرا.اهـ. وقوله: «السوى» بالكسر والضم.

(٦) قوله: **(تلاشىٰ)** من التفاعل، قال الزبيدي: تلاشىٰ الشيء: اضمحل.اهـ. وهو مُطَاوع لاشاه، ولاشاه الله: أفناه كَأنه جعله كلا شَيْء. وفي البيان والتبيين للجاحظ: لاشاهم فتلاشوا. (المعجم الوسيط)

* **انظر:** الطبقات الكبرى ٢٠٢، بهجة الأسرار (المخطوط): ٢٨٦، خلاصة المفاخر (المخطوط): ١٥٦، قلائد الجواهر: ٩٣، جامع كرامات الأولياء: ٥٢٦

سند الذكر إلى الشيخ أحمد مؤلف هذه الرسالة:

وسند الذكر قد وصل من الشيخ الجليل أبي العباس أحمد بن قريش التِلِمْساني إلى شيخنا العالم الرباني والحبر[١] الحقاني، الشيخ الكبير الكريم، الشيخ محمد الحجَّاج المغربي المنسوب بكِيْم[٢]. وكان مُوْلَعا بالكعبة[٣]، ووُفِّقَ بأربعين حجة[٤]، وعاش مائة وعشرين سنة، وله خادمان ماهران[٥] بأنواع العلوم، وهما بين زمرة طلابه كالنَيِّرَيْنِ بين النجوم، أحدهما الشيخ الإمام عمر الخُلْفي[٦] والثاني الشيخ الإمام أبو محمد البيضاوي رضي الله عنهم ونفعنا بهم. ومنه وصل إلى شيخي وملجائي، الشيخ العارف بالله السالك على الإطلاق[٧] الشيخ أبي

---

(١) قوله: **(الحبر)** بكسرالحاء وفتحها: العالم، والجمع: أحبار وحبور.(القاموس) وفي (ج) و(د): «النحرير».

(٢) قوله: **(المنسوب بكيم)** أي الكيمي وكيم على وزن الجيم اسم بلدة في أرض المغرب. (آئين اكبري: ٢/ ٢٢٠، مرقاة الوصول إلى الله والرسول: ٩٦) وإنما لم يقل الكيمي رعاية للسجع.

(٣) قوله: **(مولعًا بالكعبة)** بضم الميم وفتح اللام، يقال: أولعه بالشيء: أغراه، وأُولِع به بالبناء للمجهول فهو مُولَع به.

(٤) قوله: **(وفق بأربعين حجة)** فيه إشارة إلى تلقيبه بالحجاج فإنه من أبنية المبالغة في الحاج. وفي (ب): «وقف» وهو تحريف.

(٥) في (ب) و(د): « يأمران» والصواب ما أثبتنا كما في (ألف) و(ج).

(٦) قوله: **(الخلفي)** قال شارح هذه الرسالة: بضم الخاء المعجمة وسكون اللام.

(٧) قوله: **(السالك على الإطلاق)** أي السالك مطلقا من غير أن يقيد سلوكه وسيره بطريقة دون طريقة. وقوله: **(فضائله أشهر من أن تخفى)** ظاهره تفضيل فضائل الشيخ أبي إسحاق في الشهرة على الخفاء ولا

إسحاق؛ طيب الله مرقده وبَرَّدَ مضجعه، فضائله أشهر من أن تُخفىٰ، وشمائله لا تُعَدّ وتُحصىٰ، وها وأنا من الذين انتفعوا ببركاته(١) وأٰخَرون حاضرون ممن عاينوا(٢) أوقاته وحالاته. ومنه وصل إلى المفتقر بالله الغني؛ أحمد إسحاق المغربي(٣) أيده الله بعنايته، وخَصَّصه بكرمه ورأفته.

معنى له. قال العلامة الشامي في الفوائد العجيبة: مِنْ في مثله ليست تفضيلية بل هي مثلها في قولك: بِنْتُ مِنْه، تعلقت بأفعل التفضيل بمعنى مُتجاوِزٍ وبَايِنٍ بلا تفضيل، وإنما جاز ذلك لأن من التفضيلية متعلقة بأفعل التفضيل بقريب من هذا المعنى ألا ترى أنك إذا قلت: زيد أفضل من عمرو فمعناه متجاوز في الفضل عن مرتبته فمِنْ فيما نحن فيه كالتفضيلية لا في معنى التفضيل.اهـ.ملتقطا فالمعنى أن فضائله شهيرة جدّا؛ بعيدة من الخفاء.

(١) قوله: **(أنا من الذين انتفعوا الخ)** ضمير المتكلم مبتدء وخبره قوله: «من الذين انتفعوا ببركاته» وقوله: «آخرون» معطوف على المبتدء وموصوف لما بعده أي «حاضرون» وقوله: «ممن عاينوا» بيان له.

(٢) في (ألف) و(ب): «عاينون».

(٣) قوله: **(أحمد إسحاق المغربي)** هذا من قبيل نسبة الولد إلى من في حجره لمجرد التعريف من غير تحول وتبرئ عن نسبه لأبيه، فإن الشيخ أحمد في ظلال الشيخ أبي إسحاق نشأ وترعرع مذ طفوليته وعنده تربى ولازمه ثلثين سنة كاملة إلى أن كمل على يديه وجلس مجلسه بعده. والوعيد كأمثال«من ادعى إلى غير أبيه، وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام» وكذا من قوله ﷺ: «لا ترغبوا عن آبائكم، فمن رغب عن أبيه فهو كفر» فهو وارد على الثاني دون الأول. فقد قال العلامة ابن حجر في فتح الباري: ليس معنى هذين الحديثين أن من اشتهر بالنسبة إلى غير أبيه أن يدخل في الوعيد كالمقداد بن الأسود، وإنما المراد به من تحول عن نسبته لأبيه إلى غير أبيه عالما عامدا مختارا، وكانوا في الجاهلية لا يستنكرون أن يتبنى الرجل ولد غيره ويصير الولد يُنسَب إلى الذي تبناه حتى نزل قوله تعالى: **﴿ٱدۡعُوهُمۡ لِأٓبَآئِهِمۡ هُوَ أَقۡسَطُ عِندَ ٱللَّهِ﴾**

الشيخ أبو سليمان المغربي:

ومن مناقب بعض المشائخ المغربيين رضي الله عنهم ما روي عن أبي سليمان المغربي رحمه الله(١) قال: كنت أحمل الحطب من الجبل وأَتَقَّوَت من ثمنه(٢)، وكان طريقي فيه التوقي والتحري(٣)، فرأيت في المنام جماعة من البصريين، منهم الحسن البصري........................

[الأحزاب:٥] وقوله سبحانه وتعالى: ﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ﴾ [الأحزاب:٤] فنسب كل واحد إلى أبيه الحقيقي وترك الانتساب إلى من تبناه لكن بقي بعضهم مشهورا بمن تبناه فيذكر به لقصد التعريف لا لقصد النسب الحقيقي.اهـ. وقال في شرح حديث «مولى القوم من أنفسهم»: فيه جواز نسبة العبد إلى مولاه لا بلفظ البنوة لما سيأتي قريبا من الوعيد الثابت لمن انتسب إلى غير أبيه، وجواز نسبته إلى نسب مولاه بلفظ النسبة، وفي ذلك جمع بين الأدلة.اهـ. وقال العلامة ابن بطال: كان المعروف لأحدهم إذا أراد تعريفه بأشهر نسبه عرفه به من غير انتحال المعروف به ولا تحول به عن نسبه وأبيه الذي هو أبوه على الحقيقة رغبة عنه، فلم تلحقهم بذلك نقيصة. وإنما لعن النبي ﷺ المتبرئ من أبيه والمدعي غير أبيه.اهـ. قوله: **(المغربي)** نسبة إلى سلسلة المغرب لا إلى بلاد المغرب فإن الشيخ أحمد وكذا شيخه من أهل الهند، وكانا من أعيان مشائخ السلسلة المغربية في شبة القارة الهندية واتسع نطاقها في عهدهما في بلاد الهند أقاصيها وأدانيها.

(١) أبو سليمان المغربي

أبو سليمان المغربي اللَامِسى من أقران أبى الخير الأقطع، ذَكَر أنه كان يوما على حمار قال: فضربته على رأسه، فقال لي: اضرب يا أبا سليمان فإنما على دماغك تضرب، قيل له: بلسان فصيح؟ فقال: كما تكلمني وأكلمك. (الأنساب للسمعاني: ١٣/ ٤٦٣)

(٢) قوله: **(أتقوت)** من التَقَوُّت، وتَقَوَّتَ بالشيئ: جعله قُوْته. (لسان العرب)

(٣) قوله: **(التوقي)** على حد التخطي بمعنى الحذر والتجنب. (تاج العروس) وقوله: **(التحري)** قال الجوهري: التحري: طلب ما هو أَحْرى بالاستعمال في غالب الظن.

وفرقد السبخي[١] ومالك بن دينار[٢] رضي الله عنهم، فسألتهم عن علم حالي، فقلت: أنتم أئمة

---

(١) قوله: **(فرقد)** بمفتوحة وسكون راء وبقاف ومهملة. (المغني في ضبط أسماء الرجال) وقوله: **(السبخي)** بفتحتين نسبة إلى السبخة، وهو موضع بالبصرة. (لب اللباب في تحرير الأنساب)

فرقد السبخي

أبو يعقوب فرقد بن يعقوب السبخي العابد من أهل إِرْمِيْنِيَة وانتقل إلى البصرة وسكنها، وكان يأوي السبخة فلذا نسب إليها. قال المزي: وقيل: من سبخة الكوفة؛ ليس من سبخة البصرة والمشهور الأول. (تهذيب الكمال) وقال السمعاني:يروى عن الحسن وسعيد بن جبير وروى عنه العراقيون. مات قبل الطاعون، وكان ذلك سنة ١٣١هـ وكان فرقد حائكا من عُبّاد أهل البصرة وقُرّائهم، وكان فيه غفلة ورداءة حفظ، فكان يهم فيما يروى؛ يرفع المراسيل ويسند الموقوف، فلما كثر ذلك منه وفحش مخالفته الثقات بطل الاحتجاج به، وكان يحيى بن معين يعرض القول فيه علما منه بأنه لم يكن يتعمد ذلك.اهـ. لكن نقل المِزِّي عن يحيى بن معين توثيقه. وقال المناوي: أسند عن أنس بن مالك وسمع جماعة من أكابر التابعين وشغله التعبد عن حفظ الحديث فأعرض النقلة عن نقل حديثه. (طبقات الصوفية)

(٢) مالك بن دينار

أبو يحيى مالك بن دينار البصري الزاهد التابعي الناجي مولى امرأة من بنى ناجية بن سلمة بن لؤي، وكان أبوه من سبي سجستان. سمع مالك بن أنس والحسن البصري ومحمد بن سيرين والقاسم بن محمد وسالم بن عبد الله وسعيد بن جبير وآخرين من الأئمة. روى عنه أبان بن يزيد والسَرِيّ بن يحيى وعبد الله بن شَوْذَب وجعفر بن سليمان وعبد العزيز بن عبد الصمد وعبد السلام بن حرب وأخوه عثمان ابن دينار. قال النسائي: هو ثقة. وقال البخاري عن علي بن المديني: له نحو أربعين حديثا. وذكره ابن حبان في كتاب «الثقات» وقال: كان يكتب المصاحف بالأجرة ويتقوت بأجرته وكان يجانب الإباحات جهده ولا يأكل شيئا من الطيبات، وكان من المتعبدة الصبر والمتقشفة الخشن. قال سليمان التيمي: ما أدركت أحدا

المسلمين، دَلُّوني على {الحلال}[١] الذي ليس لله عز وجل فيه تَبِعَة[٢] ولا للخلق فيه مِنَّة، فأخذوا بيدي، وأخرجوني من طَرَسُوْس[٣] إلى مرج[٤] فيه خُبَّازَى، فقالوا لي: هذا الحلال الذي ليس لله عز وجل فيه تبعة، ولا للمخلوق فيه مِنة. فمكثت آكل منه ثلاثة أشهر نِيًّا[٥] ومطبوخا في دار

أزهد من مالك بن دينار. واختلف في وفاته فقيل: سنة ١٣٠، وقيل: سنة ١٢٩، وقيل: سنة ١٢٧، وقيل: سنة ١٢٣.

(تهذيب الأسماء واللغات: ٢/ ٨٠، تهذيب الكمال: ٢٧/ ١٣٥، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٣٦٢)

(١) ما بين المعقوفين ساقط من (ألف) و(ب).

(٢) قوله: **(تبعة)** بفتح التاء وكسر الباء: قال ابن منظور: ما اتَّبَعتَ به صاحِبَك من ظُلامة ونحوها، وما فيه إثم يُتْبَع به، يقال: ما عليه من الله في هذا تَبِعة ولا تِباعة.اهـ. قال الزبيدي: ومنه الحديث: «ما المال الذي ليس فيه تَبِعة من طالب ولا من ضيف» يريد بالتبعة ما يَتْبَعُ المال من نوائب الحقوق.اهـ.

(٣) قوله: **(طَرَسُوس)** بفتحتين، قال الحموي: كلمة عجمية رومية ولا يجوز سكون الراء إلا في ضرورة الشعر لأن فعلول ليس من أبنيتهم وهي مدينة بثغور الشام بين أنطاكية وحلب وبلاد الروم.اهـ. **أقول**: هنا في (ألف) و(ب) و(د): «طرطوس» وفي (ج) غير واضح ويتراءى لي أنه «طَرَسُوس» فإن أبا سليمان المغربي من أهل لامِس وهي من نواحي ثغر طَرَسُوس كما ذكره الحموي والسمعاني ثم راجعت إلى روض الرياحين فإذا فيه عين ما فهمت.

(٤) قوله: **(مرج)** بفتح فسكون: الموضع الذي ترعى فيه الدواب والجمع: مُرُوْج.

(٥) قوله: **(نِيًّا)** بالكسر والتشديد: ضد المطبوخ، أصله نِيْئًا فانقلبت الهمزة ياء وأدغمت الياء في الياء، يقال: ناء اللحم يَنِيء نَيْئاً ونُيُوئاً ونُيُوءَةً إذا لم ينضج. قال ابن منظور: والعرب تقول: لحمٌ نِيٌّ. اهـ.

السبيل[١]، فظهر لي حديث[٢]، فقلت: هذه فتنة، فخرج من دارالسبيل ومكثت اٰكله ثلثة أشهر أخرىٰ، فأوجدني[٣] الله تعالىٰ قلبا طيبا حتى قلتُ: إن كان أهل الجنة بهذا القلب؛ فهم واللهِ العظيمِ في شيء طيب، وما كنت اٰنس بكلام الخلق، فخرجت يوما إلى بعض الصهاريج[٤]، فجلست عنده فإذا أنا بفتى قد أقبل من ناحية لامِس[٥] يريد[٦] طَرَسُوْس، وقد بقي معي قُطَيْعات[٧] من ثمن الحطب الذي كنت أجيء به من الجبل، فقلت: أنا قد قنِعت بالـخُبَّازَىٰ، أُعْطِي هذه القطيعة[٨] لهذا الفقير، إذا دخل طَرَسُوْس؛ يشتري بها شيئا يأكله، فلما دنا مني؛ أدخلتُ يدي إلى جيبي حتى أخرج الخِرقة، فإذا الفقير حَرَّكَ شفتيه، وإذا كل ما حولي[٩] من الأرض ذَهَب يَتَّقِد؛ يكاد يخطَف بصري، ولبسني منه هيبة[١٠]......................

---

(١) قوله: **(دار السبيل)** قال الشارح: يحتمل أنه اسم موضع فإنه في تلك المرعى ينزل فيه أبناء السبيل.

(٢) قوله: **(فظهر لي حديث)** أي في بناءها وعمارتها مما يشغل القلب. قاله الشارح

(٣) قوله: **(فأوجدني)** يقال: أوجده الله مطلوبه: أظفره به. قاله الجوهري

(٤) قوله: **(الصهاريج)** جمع الصهريج بالكسر: حوض يجتمع فيه الماء. (الجوهري)

(٥) في (ب): « الأمس» والصواب ما أثبتنا.

(٦) قوله: **(يريد)** حال من ضمير «أقبل».

(٧) قوله: **(قطيعات)** جمع قطيعة تصغير قطعة بالكسر، وهي الطائفة من الشيء أي أبعاض قليلة.

(٨) في (ألف) و(د): «القِطعة».

(٩) في (ب): «ما حوبي» والصواب ما أثبتنا.

(١٠) قوله: **(لبسني منه هيبة)** أي اشتملت علي مهابته وغطتني اشتمال الثوب على اللابس وتغطيته إياه. وفي (ب) و(ج) و(د): «لبني» والصواب ما أثبتنا.

فجاز[١]، فلم أُسَلِّم عليه من هيبته، ثم رأيته بعد ذلك في بعض الأيام خارج طَرَسُوْس[٢] جالسا تحت برج[٣] من الأبرجة؛ وبين يديه ركوة فيها ماء، فسلمت عليه ثم استدعيت منه موعظة، فمَدَّ رِجله وقلب الماء، ثم قال: إن كثرة الكلام ينشف الحسنات كما نشفت الأرض هذا الماء، قُمْ يكفيك رضي الله عنه.[٤]

الشيخ أبو الجوال المغربي:

وعن أبي الجوال المغربي رحمه الله، قال: كنت جالسا مع رجل صالح ببيت المقدس إذا قد طلع علينا شاب، والصبيان حوله يَقْذِفُونه بالحجارة، ويقولون: مجنون[٥]، فدخل المسجد وهو ينادي: اللّٰهم أَرِحْني[٦] من هذه الدار، فقلت له: هذا كلام حكيم[٧]، فمِن أين لك هذه

---

(١) قوله: **(فجاز)** أي مشى وتجاوز ذلك المكان إلى غيره، يقال: جاز المكان وبه: سار فيه وخلَّفه.

(٢) قوله: **(طَرَسُوس)** كذا في نسختي (ج) و(د)، وهو يؤيد ما قلت سابقا.

(٣) قوله: **(برج)** بالضم والجمع: أبراج وبُرُوج. قال ابن منظور: بروج سور المدينة والحصن: بيوت تبنى على السور، وقد تسمى بيوت تبنى على نواحي أركان القصر بروجًا. قوله: **(ركوة)** بفتح الراء، إناء صغير من جلد يشرب منه الماء. (عمدة القاري)

(٤) **انظر**: روض الرياحين: رقم الحكاية (٣٩٠)، صفة الصفوة: ٢/ ٤٢٣، بحر الدموع: ٧٢، صب الخمول على من وصل أذاه إلى الصالحين من أولياء الله: ١٦٥

(٥) قوله: **(مجنون)** خبر مبتدء محذوف أي هذا مجنون.

(٦) قوله: **(أرحني)** أمر من الإراحة، يقال: أراحه: أزال منه التعب وأوصل إليه الراحة.

(٧) قوله: **(كلام حكيم)** يجوز أن تكون بينهما إضافة، وأن يكون الكلام موصوفا والحكيم صفته.

الحكمة؟ فقال: من أخلص له الخدمة؛ أورثه طرائف الحكمة[١] وأيده بأسباب العصمة[٢].

وليس بي جنون وزَلَق[٣] بل قَلَق وفَرَق.[٤]

الشيخ جبلة المغربي و الشيخ زُرَيق المغربي:

وعن أبي عبد الله بن الجلّاء[٥] رضي الله عنه، قال: كان بالمغرب شيخان، لهما أصحاب

---

(١) قوله: **(طرائف الحكمة)** طرائف جمع طريفة، وطرائف الحديث: مختاره. (لسان العرب) وفي (ألف) و(ب): «ظرائف الحكمة» وفي (د): «طرائق الحكمة» وهو تصحيف. وقوله: **(الحكمة)** قال الراغب: الحكمة إصابة الحق بالعلم والعقل فالحكمة من الله تعالى: معرفة الأشياء وإيجادها على غاية الإحكام، ومن الإنسان: معرفة الموجودات وفعل الخيرات.اهـ. وقال الإمام النووي معزيا إلى أبي بكر بن دريد: كل كلمة وعظتك وزجرتك أو دعتك إلى مكرمة أو نهتك عن قبيح فهي حكمة، ومنه قول النبي ﷺ إن من الشعر حكمةً.ملخصا. **أقول**: ولعل هذا الكلام من الشاب إشارة إلى قوله ﷺ: «من أخلص لله أربعين يوما ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه».

(٢) قوله: **(أسباب العصمة)** أي الطاعات والعبادات. قاله الشارح

(٣) قوله: **(زلق)** بفتح اللام وكسرها وسكونها، يقال: زلق (س ون) زلقًا: دحض وزل. فالمعنى: لست بساقط من العقل. وقوله: **(قلق)** محركة: الانزعاج، من قَلِقَ (س) الشيء قَلَقًا. وقوله: **(فرَق)** بالتحريك: الخوف، قال الجوهري: تقول: فَرِقْتُ منك، ولا تقل: فَرِقْتُك.اهـ.

(٤) **انظر**: روض الرياحين: رقم الحكاية (٢٥)، صفة الصفوة: ٢/٣٩٨، المختار من مناقب الأخيار: ٣/٤٠٧

(٥) **أبو عبد الله بن الجلاّء**

أبو عبد الله أحمد بن يحيى الجلاّء بفتح الجيم وتشديد اللام، أصله بغدادي وأقام بالرملة ودمشق من أكابر مشايخ الشام. صحب والده وأبا تراب النَخْشَبِيّ وذا النون المصري. وأخذ عنه أبو بكر الدُقِّيّ

وتلامذة، يقال لأحدهما جَبَلة[١] وللثاني رُزَيْق[٢]، فزار رُزَيْق يوما جَبَلة في أصحابه، فقرء رجل من أصحاب رُزَيْق شيئا، فصاح واحد أصحاب جَبَلة ومات، فلما أصبحوا؛ قال جَبَلة لرُزَيْق: أين الذي قرء بالأمس؟ فليقرء آية، فقرء، فصاح جَبَلة صيحةً[٣]، فمات القارئ، فقال جَبَلة: واحد بواحد[٤]..

ومحمد بن سليمان اللَبَّاد ومحمد بن الحسن اليَقْطِيْنِيّ، ويقال: الجنيد ببغداد وابن الجَلّاء بالشام وأبو عثمان الحيري بنَيْسابُوْر. قال الدُقِّي: ما رأيت شيخا أهيب من ابن الجَلّاء مع أني لقيت ثلاث مائة شيخ، وسمعته يقول: ما جلا أبي شيئا قط ولكنه كان يعظ فيقع كلامه في القلوب فسمي جَلّاء القلوب. قال أبو عمر الدمشقي: سمعت ابن الجَلّاء يقول، قلت لأبويّ: أحب أن تهباني لله، قالا: قد فعلنا فغِبتُ عنهم مدة ثم جئت فدققت الباب، فقال أبي: من ذا؟ قلت: ولدك. قال: قد كان لي ولد وهبناه لله، وما فتح لي. توفي سنة ٣٠٦هـ ولما مات نظروه يضحك، فقال الطبيب: هو حيّ ثم نظر إلى مَجَسّه فقال: ميت ثم كشف عن وجهه فقال: لا أدري وصار يضحك وهو على المُغْتَسَل فلم يجسر أحد على تغسيله حتى جاء واحد من أقرانه فغسّله. وكان في جلده عرق على شكل اسم الله.

(سير أعلام النبلاء: ١٤/ ٢٥١، طبقات الصوفية: ٢/ ٣٦، الرسالة القشيرية: ٦٦، الأنساب: ٣/ ٤٤٢)

(١) قوله: **(جبلة)** قال العلامة الطاهر الفتني في المغني: «جبلة» بجيم وموحدة مفتوحتين. اهـ. وهو لا ينصرف للتانيث والعلمية.

(٢) قوله: **(رزيق)** بتقديم الراء كما في أحكام الدلالة، وهو بضم الراء وفتح الزاي كذا في المغني.

(٣) في (ب) و(د): «صحيحا» وهو تحريف بأيدي الناسخين.

(٤) قوله: **(واحد بواحد)** أي واحد من أصحابك بمقابلة واحد من أصحابي. قال شيخ الإسلام زكريا الأنصاري: أشار به إلى أن في أصحاب كل منهما صادقا.اهـ.

والبادئ أظلم(١).

الشيخ محمد بن الحسن المغربي:

وقال محمد بن الحسن المغربي: سمعت أبا عبد الله بن الجلاَّء يقول: اشتهت والدتي يوما من الأيام على والدي {السمك، فمضى والدي }(٢) إلى السوق وأنا معه، واشترى سمكا ووقف ينتظر من يحمله، فرأى صبيا واقفا بحذاء جنبه(٣)، فقال(٤): يا عم، تريد من يحمل لك، فقلت: نعم، فحمله، فمشينا، فسمعنا الأذان، فقال الصبي: أَذَّن المؤذن وأنا أحتاج أن أتطهر وأصلي، فإن رضيتَ(٥) وإلا فاحْمِل السمك، ووضع الصبي {السمك }(٦) ومَرَّ، فقال أبي: نحن أولىٰ أن نتوكل بالسمك(٧)، فدخلنا المسجد وصلينا، وجاء الصبي وصلّى، فلما خرجنا؛ فإذا السمك موضوع مكانه، فحمله الصبي ومضىٰ معنا إلى دارنا. فذكرنا ذلك لوالدتي فقالت: قل

---

(١) قوله: **(أظلم)** من الظُلْمة لا من الظلم لأن قلبه لم يتأثر بقراءته كما تأثر بها قلب سامعه، فكان قلب سامعه أصفى وأنور من قلبه، فمات بسماع قراءته دونه. ولما كمل صفاء قلبه وزالت عنه ظلمته بقراءته ثانيا وبصيحة جبلة بقوة الحال مات.اهـ. (شرح الرسالة القشيرية)

❋ **انظر**: روض الرياحين: رقم الحكاية (٢٨١)، الرسالة القشيرية: ٣٧٨

(٢) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب).

(٣) قوله: **(بحذاء جنبه)** الجنب والجانب بمعنى وهو غير الجانب بمعنى الناحية. قاله الشارح

(٤) قوله: **(فقال)** أي الصبي.

(٥) قوله: **(فإن رضيت)** جزاء الشرط محذوف، والتقدير: فإن رضيت بذلك فذاك خير الخ.

(٦) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب).

(٧) قوله: **(نحن أولى أن نتوكل بالسمك)** أي نتوكل على الله في السمك. (أحكام الدلالة)

له، يقيم عندنا ويأكل معنا، فقلنا له، فقال: إني صائم، فقلنا: تَعُوْدُ إلينا بالعشي[١]، قال: إذا حملتُ مرةً في اليوم؛ لا أحمل أخرىٰ، فأَدْخُلُ المسجد إلى العشاء[٢] ثم أدخل إليكم[٣]، فمضى. فلما أمسىٰ؛ دخل الصبي، فأكلنا معه، فلما فرغنا؛ دَلَلْناه على موضع الطهارة، ورأينا فيه أنه يريد الخلوة، فتركناه في بيت. فلما كان بعض الليل؛ كانت لقريبٍ لنا[٤] بنتٌ زَمِنَة[٥]، فجاءت تمشي، فسألناها عن حالها، فقالت، قلت: يا رب، بحرمة ضيفنا[٦] أن تعافيني، فقمت، قال: فقمنا لطلب الصبي الضيف، فإذا الأبواب مغلقة كما كانت ولم نجده، قال أبي: فمنهم كبير وصغير.[٧]

---

(١) قوله: **(تعود إلينا بالعشي)** أي بعد أن تحمل مرة ثانية وتفرغ من شغلك وقت الفطر. (أحكام الدلالة)

(٢) قوله: **(فأدخل المسجد إلى العشاء)** ضمن فيه معنى المكث أي فأدخل المسجد ماكثا إلى العشاء، وإلا فالدخول لا امتداد فيه بل يكون لساعة واحدة فإنه من الأفعال الغير الممتدة.

(٣) قوله: **(ثم أدخل إليكم)** أي مقبلا إليكم.

(٤) في (ألف) و(ب): «كانت لقريب منا».

(٥) قوله: **(زمنة)** كحمئة، يقال: زَمِنَ (س): أصابته الزَّمانة، فهو زَمِن وهي زمنة. وفي منتهى الأرب الزمانة: *بر جائے ماندگی*.اهـ. وفي غياث اللغات: *زَمِن: کسے کہ از جائے نتواند جنبید یا بپائے رفتن نتواند وبزورِ دست راہ رود*.اهـ.

(٦) قوله: **(بحرمة ربنا أن تعافيني)** عامله محذوف يعلم بقرينة المقام أي أسألك.

(٧) **انظر**: روض الرياحين: رقم الحكاية (٢٢٩)، الرسالة القشيرية: ٤١١

الشيخ أبو تميم المغربي:

وقال أبو عبد الرحمن السُلَمي: سمعت أبا تميم المغربي[١] يقول: من اختار الخلوة على الصحبة؛ ينبغي أن يكون خاليا عن الأذكار إلا ذكر ربه، وخاليا من جميع المرادات إلا مراد ربه، وخاليا من مطالبة النفس من جميع الأسباب[٢]، فإن لم يكن بهذه الصفة؛ فإنَّ خلوته توقعه

---

(١) قوله: **(سمعت أبا تميم المغربي)** **أقول**: كذا في عوارف المعارف للشيخ شهاب الدين السُهَرْوَرْدي لكن الشيخ أبا القاسم القشيري في رسالته رفع هذه الرواية عن أبي عبد الرحمن السُلَمي إلى الشيخ أبي عثمان المغربي دون الشيخ أبي تميم المغربي وكذا في الزهد الكبير للبيهقي والعقد الثمين في تاريخ البلد الأمين لتقي الدين الفاسي، وعن هذا قال الشارح: في النسخة الصحيحة سمعت أبا عثمان المغربي ولعل أبا تميم تصحيف.انتهى. **أقول**: لكني طالعت طبقات الصوفية للشيخ السُلَمي وأورد ترجمة الشيخ أبي عثمان المغربي بالإضافة إلى أقواله بطولها ولم يذكر منها ما تصدينا له. والله تعالىٰ أعلم

(٢) قوله: **(من اختار الخلوة على الصحبة)** أي بعد توفر شروطها له وصحة منازلتها في حقه فينبغي الخ (نتائج الأفكار القدسية) وهذا لأن الشيء العزيز لا ينال العبد بعضه حتى يعطيه كله ولا أعز من قرب الله تعالى. (أحكام الدلالة) وقوله: **(خاليا من مطالبة النفس من جميع الأسباب)** أي ينقطع عن كل سبب معطل له عما هو بصدده إلا اكتفاء به تعالى. وقال سيدي المخدوم علي بن أحمد المهائمي قُدِّسَ سِرُّه: **(من جميع الأسباب)** أي من جميع الأشياء؛ من الدنيا والآخرة والفناء والبقاء. **(توقعه في فتنة)** من الدعاوي الفاسدة، **(أو بلية)** من الاشتغال بما ينكشف له من الخوارق؛ علا أن من لم يخل عن ذكر الغير وقع في فتنة ترك، ومن لم يخل عنه مرادٌ غيرُ مرادِ الحق أو مطالبةُ النفس؛ وقع في بلية سواء حصل المراد أولا، فإنه إن حصل؛ صار حجابا ومنع عن الترقي، وإلا بقي محزونا بغير الله.ملخصا. (زوارف اللطائف في شرح عوارف المعارف – المخطوط)

في فتنة أو بلية[١].

الشيخ أبو عبد الله محمد بن اسماعيل المغربي:

وقال إبراهيم بن شيبان[٢] تلميذ الشيخ أبي عبد الله محمد بن إسماعيل المغربي[٣]: كنا

---

(١) **راجع:** الرسالة القشيرية: ١٣٥، الزهد الكبير: ١ /١٠٨، العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين: ٤/ ٢١٠، عوارف المعارف: ١٥٢

(٢) **إبراهيم بن شيبان**

أبو إسحاق إبراهيم بن شيبان القِرْمِيْسِيْني بكسر القاف وسكون الراء، نسبة إلى قِرْمِيْسِيْن وأصله بالفارسية «كرمان شاهان» فعرب. قال السمعاني: بلدة جبال العراق على ثلاثين فرسخا من همذان عند الدِيْنَوَر على طريق الحاج.اهـ. كان شيخ الجبل في وقته، له المقامات في الورع والتقوى يعجز عنها أكثر الخلق. صحب أبا عبد الله المغربي وإبراهيم الخواص وحدث عن علي بن الحسن بن أبي العنبر وروى عنه الفقيه أبو زيد الـمَرْوَزِيّ ومحمد بن عبد الله الرازي ومحمد بن محمد بن ثَوَابَة وغيرهم. كان شديدا على المدعين؛ متمسكا بالكتاب والسنة؛ ملازما لطريقة المشائخ والأئمة حتى قال فيه عبد الله بن مَنازل: إبراهيم بن شيبان حجة الله على الفقراء وأهل الأدب والمعاملات. مات سنة ٣٣٠هـ.

(طبقات الشعراني: ١٦٩، سير أعلام النبلاء: ١٥/ ٣٩٢، الأنساب: ١٠/ ٣٨٩)

(٣) **أبو عبد الله محمد بن إسماعيل المغربي**

كان أستاذ إبراهيم الخواص وإبراهيم بن شيبان، صحب علي بن رَزِيْن، وحدث عن عمرو بن أبي غيلان. عاش ١٢٠ سنة ودفن على جبل طور سيناء مع أستاذه علي بن رَزِين. كانت وفاته سنة ٢٩٩هـ وقال الشعراني: سنة ٢٧٩هـ قال ابن شيبان: ما رأيته انزعج إلا يوما واحدًا؛ كنا على الطور وهو مستند إلى شجرةٍ ويتكلم علينا فقال: لا ينال العبد مراده حتى ينفرد فردًا بفرد فانزعج واضطرب ورأيت الصخور قد تدكدت وبقي في ذلك ساعات، فلما أفاق كأنه نشر من قبر. (طبقات الشعراني: ١٣٩، طبقات الصوفية:

نصحب الشيخ أبا عبد الله المغربي؛ ونحن شُبَّان، يسافر بنا في البَرَارِيِّ والفَلَوات، وكان يكون[1] مُحْرِما، فإذا تَحَلَّلَ من إحرامه[2]؛ أحرم ثانيا. ولم يَتَّسِخْ[3] له ثوب، ولا طال له ظفر ولا شَعر، وكان عجيب الشان؛ لم يأكل مما وصلت إليه يد بني آدم[4] سنين كثيرةً، ويتناول من أصول الحشيش أشياء تَعَوَّدَ أَكْلَها[5]، وكان معه شيخ واسمه حسن، وقد صحبه سبعين سنة، وكان إذا جرى من أحدنا خطأٌ، وتغير عليه حال الشيخ؛ نتشفع عليه بهذا الشيخ حتى يرجع لنا إلى ما كان.[6]

١/ ٧١١، صفة الصفوة: ٢/ ٤٦٠)

(١) قوله: **(كان يكون)** قال العلامة العيني: فائدة اجتماع كان مع يكون بذكر أحدهما بصيغة الماضي والآخر بصيغة المستقبل تحقيق القضية وتعظيمها، وتقديره: كان الشأن يكون كذا. وأما تغيير الأسلوب فلإرادة الاستمرار وتكرر الفعل. (عمدة القاري)

(٢) قوله: **(تحلل من إحرامه)** أي بالحلق.

(٣) قوله: **(لم يتسخ)** من الوسَخ بمعنى الدَرَن، في القاموس: اتَّسَخَ الثوب: علاه الدرن.

(٤) قوله: **(لم يأكل مما وصلت إليه يد بني آدم)** أي لم يأكل مما يستنبته الآدميون بُعدًا عما لابسهم ولو بوجه. (نتائج الأفكار القدسية) وههنا في (ب) و(د): «بذ نبي آدم» والصواب ما أثبتنا كما في (ألف) و(ج).

(٥) قوله: **(تعود)** من التفعل، يقال: تعوده أي صار عادة له.

(٦) قوله: **(إلى ما كان)** أي إلى حال كانت له معنا.

من كلامه:

١. وكان يقول: أفضل الأعمال عمارةُ الأوقات بالـمُرَاقَبات والـمُوافقات[١].

٢. وأعظم الناس ذُلًّا فقير دَاهَنَ[٢] غنيا أو تَوَاضَعَ له، وأعظم الخلق عِزًّا غني تَذَلَّلَ للفقراء وحفظ حرمتهم.[٣]

وحكي عنه أنه قال: سمعت ابن أبي الحوَارِيِّ[٤] يقول: سمعت أبا سليمان..............

---

(١) قوله: **(بالموافقات)** أي الموافقات بين أعمال القلب والجوارح بأن تكون واقعة على أفضل ما يرضى الله (أحكام الدلالة شرح القشيرية). فالمقصود حضور القلب وقت العمل حتى بذلك يتم له الإخلاص.اهـ. (نتائج الأفكار القدسية)

(٢) قوله: **(داهن)** قال في الصراح: *مداهنت: چرب زبانی ومصانعت نمودن*.اهـ. وفي غيات اللغات: *مداهنت بمعنی چرب زبانی وخوشامد*. اهـ. قال العلامة علي القاري: الفرق بين المداراة والمداهنة أن المداراة بذل الدنيا لصلاح الدنيا أو الدين أو هما معا وهي مباحة وربما استحسنت، والمداهنة بذل الدين لصلاح الدنيا.اهـ. وقد ذكر شراح البخاري بينهما فرقا آخر وخلاصة ما قالوا أن المداراة الرفق بالجاهل في التعليم، والفاسق في النهي عن فعله وترك الإغلاظ عليه، والإنكار عليه باللطف حتى يردّه عما هو عليه، والمداهنة معاشرة الفاسق المظهر وإظهار الرضا بما هو فيه من غير إنكار عليه باللسان ولا بالقلب.

(٣) **انظر:** عوارف المعارف: ٢٨٧، الرسالة القشيرية: ص: ٧٢ وص: ٣٢٣، طبقات الأولياء لابن الملقن: ٤٠٢ – ٤٠٣، صفة الصفوة: ٢/ ٤٦٠، طبقات الصوفية للسلمي: ١٩٥

(٤) في جميع النسخ: «ابن الجواري» وفي القشيرية: «ابن أبى الحواري» وكذا في سائر المصادر. والحواري: بفتح الراء وكسرها، قال المناوي: الكسر أشهر والفتح محكي عن أهل الإتقان وقال السمعاني: هذا يشبه النسبة وهو اسم.

الداراني[1] يقول: قال الله تعالى في بعض كتبه: عبدي، ما استحييت مني[2]؛ أنسيتُ الناسَ عيوبَك، وأنسيت بقاع الأرض ذنوبك، ومحوت من أم الكتاب زَلّاتِك، ولا أناقشك[3] في

ابن أبي الحواري

أحمد بن عبد الله بن ميمون، أصله من الكوفة، صحب أبا سليمان الداراني وسفيان بن عيينة وجماعة من المشائخ. مات سنة ٢٣٠هـ وقيل: سنة ٢٤٦هـ كان سيد الطائفة الجنيد رحمه الله يقول: أحمد بن أبي الحواري ريحانة الشام، وقال يحي بن معين: أهل الشام يمطرون به. ومن كراماته أنه كان بينه وبين الداراني عقد لا يخالفه، فجاءه وهو يتكلم بمجلسه وقال: يا سيدي، التنور قد سُجِر فما تأمر؟ وكرره فلم يجبه فكرره فقال له: اذهب فاقعد فيه كأنه ضاق به صدره وتغافل ساعة ثم قال: اطلبوه من التنور فإنه على عقد لا يخالفني، فنظروا فإذا هو داخله لم يحترق منه شعرة.

(سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٨٥، طبقات الصوفية: ١/ ٥٣٤، طبقات الشعراني: ١٢٤، الأنساب: ٤/ ٢٩٥)

(١) **أبو سليمان الداراني**

أبو سليمان عبد الرحمن بن أحمد بن عطية العَنْسي، والداراني نسبة إلى داريّا مشددة قرية من قُرىٰ دمشق، قال السمعاني: النسبة إلى هذه القرية بإثبات النون وإسقاطها فان في آخر الموضع إذا كان ألفا مقصورة فالمنتسب إليه بالخيار بين إثبات النون وإسقاطها كالداراني والدارائى.اهـ. وقال ابن خلكان: النسبة إليها على هذه الصورة من شواذ النسب.اهـ. كان من جلة السادات وأرباب الجد في المجاهدات وكان كبير الشأن في علوم الحقائق. ولد في حدود ١٤٠هـ وسمع الحديث عن سفيان الثوري وربيع بن الصبيح وغيرهما وروى عنه ابن أبي الحواري وجماعة. مات سنة ٢١٥هـ وقيل غير ذلك.

(الأنساب: ٥ / ٢٧١، وفيات الأعيان: ٣/ ١٣١، طبقات الشعراني: ١٢٠، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ١٨٢)

(٢) قوله: **(ما استحييت مني)** كلمة ما بمعنى ما دام فالمعنى أنك ما دمت تستحيي مني فعلت كذا وكذا.

(٣) قوله: **(لا أناقشك)** قال العلامة العيني: المناقشة: الاستقصاء والتفتيش في المحاسبة والمطالبة بالجليل

الحساب يوم القيامة.[١] وقيل: رُئِيَ رجل صالح يصلي خارج المسجد، فقيل له: لم لا تدخل المسجد؟ فتصليَ فيه، فقال: أستحيي منه[٢] أن أدخل بيته وقد عصيته.[٣]

الشيخ ابراهيم بن شيبان من أصحاب أبي عبد الله المغربي:

وحُكِي عن إبراهيم بن شيبان رحمه الله أنه قال: ما بِتُّ[٤] تحت سقف، ولا في موضع عليه غَلَق[٥] أربعين سنة، وكنت أشتهِي في أوقات أن أتناول..............................

والحقير وترك المسامحة فيه.اهـ. (عمدة القاري) ومنه الحديث كما رواه البخاري: «من نُوقِش الحسابَ عُذِّب» وفي منتخب اللغات: *مناقشہ: باکسی دور دراز گرفتن در چیز و در حساب*.

(١) راجع: شعب الإيمان: ٦ / ١٥٠؛ رقم الحديث: ٧٧٥٢، الرسالة القشيرية: ٢٤٧ - ٢٤٨، البداية والنهاية: ١٠ / ٢٨١، تاريخ دمشق: ٣٤ / ١٥٠

(٢) قوله: **(رئي رجل صالح يصلي خارج المسجد)** هذا محمول على النوافل دون الفرائض المؤكد لها الحضور في المسجد بتأكيدات شديدة. وقوله: **(أستحيي منه أن أدخل بيته وقد عصيته)** المراد أني لا أستجيز لنفسي دخول المسجد للنوافل بنجاسة الذنوب حياء وخوفا منه. قال العلامة العروسي: لعل ذلك صدر لحكمة الحث على التبري من المخالفات والنهي عن التلطخ بنجس المألوفات وإلا فالأفضل فعل العبادة في المساجد حيث هي أفضل من غيرها. (نتائج الأفكار القدسية)

(٣) انظر: الرسالة القشيرية: ٢٤٨.

(٤) قوله: **(ما بِتُّ تحت سقف ولا في موضع عليه غلق)** وإنما فعله لأن ذلك سبب للانتباه والإعانة على قيام الليل. قاله العلامة زكريا الأنصاري **قلت**: ولا يبعد أن يقال أنه فعل ذلك تشديدا على نفسه لرياضتها والمجاهدة بها.

(٥) قوله: **(غلق)** بفتحتين: ما يغلق به الباب ويفتح والجمع: أغلاق. (لسان العرب)

شُبْعَة عدس[١] فلم يتَّفِق، فكنت وقتًا بالشام، فحُمِلَ إِلَيَّ غَضارة[٢] فِيهَا عدس، فتناولت منه وخرجت، فرأيت قَوَارِيْر[٣] معلقة فيها شيء يشبه أَنمُوذَجات[٤]، فظننته خَلًّا، فقال بعض الناس: أيَّ شيء تنظر؟ هذه أَنمُوذَجات الخمر، وهذه الدِنان[٥] فقلت: لزمني فرض، فدخلت حانوت[٦] الخَمَّار، فلم أزل أَصُبُّ تلك الدِنان، وهو يتوهم أنى أصبها بأمر السلطان. فلما علم؛ حملني إلى ابْن طُولُون[٧]، فضربني..

(١) قوله: **(أتناول)** يقال: تناوَلَ الشيءَ: أخذه. قوله: **(شبعة)** بالضم، في القاموس: شُبعة من طعام: قدر ما يُشْبَعُ به مرةً. قوله: **(العدس)** بالتحريك: حب معروف.

(٢) قوله: **(غضارة)** بالفتح، قال ابن منظور: الغضارة: الطين اللازب الأخضر والغضار: الصحفة المتخذة منه.اهـ. وهو المراد هنا.

(٣) قوله: **(قوارير)** جمع قارورة، قال العلامة الصاوي: هي ما أقر فيه الشراب ونحوه من كل إناء رقيق صاف وقيل: خاص بالزجاج.اهـ.

(٤) قوله: **(أنموذجات)** جمع الأنموذج، في القاموس: النموذج بفتح النون: مثال الشيء والأَنموذج لحن.انتهى. وقال الزبيدي: معرب «نُموده» والعوام يقولون: نُمونه ولم تعربه العرب قديما ولكن عربه المحدثون، واعترض على صاحب القاموس وحقق أن الأنموذج ليس من اللحن شيئا.

(٥) قوله: **(هذه الدنان)** الجملة من المبتدء والخبر، والدنان بالكسر جمع الدَنّ، وهي الحِباب. (الصحاح)

(٦) قوله: **(حانوت)** واحد الحوانيت، معروف. قال الجوهري: أصله حانُـوَة مثل تَرْقُـوَة، فلما سكنت الواو انقلبت هاء التانيث تاء.

(٧) قوله: **(ابن طولون)** في جميع النسخ ههنا: «ابن طولول» والصواب «ابن طولون» وهو بضم الطاء واللام، كذا في الأنساب للسمعاني. قال شيخ الإسلام في أحكام الدلالة: ابن طولون والي الثغر إذ ذاك.اهـ.

مائتي خشبة(١) وطرحني، وبقيت في السجن مدة طويلة حتى دخل أبو عبد الله المغربي أستاذ ذلك البلد(٢) فشفَع لي، فلما وقع بصره عليَّ؛ قال: أيَّ شيء فعلتَ؟ قلت: شبعةَ عدس ومائتي خشبة(٣) فقال: ....

وقال الزِرِكْلي: أحمد بن طولون أبو العباس الأمير صاحب الديار المصرية والشامية والثغور، تركي مستعرب.اهـ.

(١) قوله: **(ضربني مائتي خشبة)** أي ضربني مائتي ضربة بالخشبة مثل ضربته سوطًا. وقوله: **(طرحني)** أي في السجن كما يدل عليه سياق الكلام.

(٢) قوله: **(أستاذ ذلك البلد)** قال الشارح: وإنما لم يقل أستاذي وهو أستاذه، مبالغةً في التعظيم. اهـ.

(٣) قوله: **(شبعة عدس ومائتي خشبة)** بالنصب والعامل مقدر يعرف بقرينة السؤال والمقام، وتقدير العبارة: تناولتُ شبعة عدس وضُرِبْتُ مائتي خشبة ونحو ما قدر سيدي زكريا الأنصاري قُدِّسَ سِرُّه بقوله: فعلتُ شبعة عدس ونقضتُ على عزمي وفي مقابلتها ضُرِبْتُ مائتي خشبة وسُجِنْتُ تلك المدة.اهـ. لكن اعتبر الشارح هذه العبارة من نظائر «كُلُّ رَجُلٍ وضَيْعَتُه» وأعربها إعرابَها حمل النظير على النظير. **أقول:** لا يصح أن تحمل هذه الجملة على نظائر«كُلُّ رَجُلٍ وضَيْعَتُه» فإنها إنما تكون في موضع رفع أي في كل مبتدء معطوف عليه اسم بواو في معنى المصاحبة والمعية لا فيما يقع منصوبا ولا غيـرِه. فقد قال ابن عقيل في شرح الألفية: الموضع الثالث أن يقع بعد المبتدء واو هي نص في المعية. نحو «كُلُّ رَجُلٍ وضَيْعَتُه» فـ«كل» مبتدء وقوله: «وضيعته» معطوف على «كل» والخبر محذوف، والتقدير: كل رجل وضيعته مقترنان ويقدر الخبر بعد واو المعية.اهـ. وقال صلاح الدين العلائي: الأول ما يتعين فيه العطف ولا يجوز غيره كقولك: «كُلُّ رَجُلٍ وضَيْعَتُه» فلا يجوز هنا النصب لأنه لا ناصب له ولا ما يطلب الفعل والخبر هنا مقدر، معناه مقترنان ونحو ذلك. وحكي عن الصَّيْمَرِيّ أنه جوز النصب في مثل هذا وحكموا عليه بالغلط وقد بين سِيبوَيْه أنه لا يجوز النصب فيه.اهـ. (الفصول المفيدة في الواو المزيدة)

نجوت مَجَّانًا.[١]

من كلامه:

١. روي عنه أنه قال: من أراد أن يتعطل[٢] {ويتبطل}[٣] فليلزم الرُخَص.

٢. وقال: علم الفناء والبقاء يدور على إخلاص الوحدانية وصحة العبودية[٤]، وما كان غير هذا فهو الـمَغَاليط والزَنْدَقَة.[٥]

---

(١) قوله: **(نجوت مجانا)** أي بلا بدل يعني بلا عقوبة في الآخرة بل عُجِّلَتْ لك العقوبة في الدنيا لشهوتك الدنيوية. (أحكام الدلالة)

* **انظر**: الرسالة القشيرية: ١٨٤، طبقات المناوي: ٢ / ١٠، بريقة محمودية للخادمي: ٢ / ٧٣

(٢) قوله: **(من أراد أن يتعطل)** أي عن أعمال البر، يقال: تعطل الرجل، إذا بقي بلا عمل. وقوله: **(ويتبطل)** بمعناه، من البَطالة، قال الجوهري: بطل الأجير بطالةً: تعطل. وقوله: **(فليلزم الرخص)** معناه أن يترك المندوبات ويرتكب المكروهات والشبهات ويقتصر على فعل الواجبات وترك المحرمات. قاله سيدي زكريا الأنصاري

(٣) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب).

(٤) قوله: **(علم الفناء والبقاء يدور على إخلاص الوحدانية وصحة العبودية)** أي يدور كل منهما على إخلاص الوحدانية علما وحالا وعلى صحة العبودية جهدا وامتثالا. فمتى جهد العبد في موافقة مولاه وكمل إخلاصه له وإعراضه عمن سواه ؛ فني عن غيره لكمال شغله به وبنجواه، ومتى جد في ذلك واشتد رجاؤه فيما طلب؛ فني عن نفسه وبقي مع مولاه. والبقاء بعد الفناء فإن الفناء إعراض عن غير الله والبقاء استغراق في ذكره وقربه. (أحكام الدلالة)

(٥) قوله: **(وما كان غير هذا فهو المغاليط والزندقة)** المغاليط: ما يغالط به. قال العلامة العروسي: وهذا لأنه يلزمه من شهود غير الفاعل المختار في شيء من الأشياء. وقوله: **(الزندقة)** بفتح الزاي والدال، يقال: تزندق

٣. والسَفِلة[١] من يعصي الله عزوجل.

٤. وقال: إذا سكن الخوفُ القلبَ؛ أحرق الشهوات منه، وطرد رغبة الدنيا عنه.

أي صار زنديقا والاسم: الزندقة، وهو ليس من كلام العرب بل فارسي معرب. في غياث اللغات: «*زندیق*» *ایں معرب زندیست یعنی آں کہ اعتقاد بزند کتاب زرتشت دارد کہ قائل بہ یزدان واہرمن بود، موافق قاعدۂ تعریب قاف رادرآخر زیادہ کردہ اند، چوں وزن فعلیل بالفتح درکلام عرب نیامدہ است، لہذا حرف اول راکسرہ دادہ اند، ودرخیابان نوشتہ کہ زندیق معرب زندیک است وآں مرکب ست از زند بالفتح ویائے نسبت وکاف تصغیر برائے تحقیر، وکسر اول بجہت تعریب است، بمجاز بمعنی بے دین واز دین برگشتہ و مختلط المذہب اطلاق کردہ شود*. ملخصا. وقال العلامة ابن كمال: الزنديق في لسان العرب يطلق على من ينفي البارئ تعالىٰ وعلى من يثبت الشريك وعلى من ينكر حكمته، والفرق بينه وبين المرتد العموم الوجهي لأنه قد لا يكون مرتدا كما لو كان زنديقا أصليا، والمرتد قد لا يكون زنديقا كما لو تنصر أو تهود، وقد يكون مسلما فيتزندق. وأما في اصطلاح الشرع فالفرق أظهر لاعتبارهم فيه إبطان الكفر والاعتراف بنبوة نبينا ﷺ لكن القيد الثاني في الزنديق الإسلامي بخلاف غيره، والفرق بين الزنديق والمنافق والدهري والملحد مع الاشتراك في إبطان الكفر أن المنافق غير معترف بنبوة نبينا ﷺ، والدهري كذلك مع إنكاره إسناد الحوادث إلى الصانع المختار سبحانه، والملحد وهو من مال عن الشرع القويم إلى جهة من جهات الكفر لا يشترط فيه الاعتراف بنبوة نبينا ﷺ ولا بوجود الصانع تعالىٰ وبهذا فارق الدهري ولا إضمار الكفر وبه فارق المنافق ولا سبق الإسلام وبه فارق المرتد.اهـ. (ردالمحتار) ونقل صاحب الدر المختار عن الفتح تفسير الزنديق بمن لا يتدين بدين. قال العلامة الشامي فيما علق عليه: يحتمل أن يكون المراد به الذي لا يستقر على دين أو الذي يكون اعتقاده خارجا عن جميع الأديان، والثاني هو الظاهر من كلامه وقدمنا عن رسالة ابن كمال تفسيره شرعا بمن يبطن الكفر، وهذا أعم.انتهى.

(١) قوله: **(السِفْلة)** بالكسر وبفتح السين وكسر الفاء. في القاموس: سفلة الناس: أسافلهم وغوغاؤهم. اهـ.

٥. وقال أبو بكر محمد بن عبد الله: سمعت إبراهيم بن شيبان رحمه الله يقول: الشرف في التواضع، والعز في التقوى، والحرية في القناعة.[١]

وأنشدوا في معناه:[٢]

أَطَعْتُ مَطَامِعِي فَاسْتَعْبَدَتْنِي[٣] وَلَوْ أَنِّي قَنِعْتُ لَكُنْتُ حُرًّا[٤]

الشيخ منصور المغربي:

وحكي عن منصور المغربي أنه قال: {قال }[٥] لي أبو سهل الحشاب

---

(١) راجع:الرسالة القشيرية: ٨٢ – ١٥٩ – ١٧٩، حلية الأولياء: ١٠/ ٣٦١، شذرات الذهب: ٤/ ٢٠٠، طبقات السُلَمي: ٣٠٤، تاريخ دمشق: ٦ / ٤٣٣، سير أعلام النبلاء:١٥ / ٣٩٢- ٣٩٣، طبقات الشعراني: ١٦٩، طبقات المناوي: ٢/ ٩-١٠، مرآة الجنان:٢ / ٢٤٤، البداية والنهاية: ١٥/ ٢٣٨، المنتظم: ١٤/ ١١٩، الوافي بالوفيات: ٦ / ١٧

(٢) هذا البيت نقله سيدي زكريا الأنصاري قُدِّسَ سِرُّه في أحكام الدلالة على هامش نتائج الأفكار القدسية: ٣ / ١٦.

(٣) في (ألف) و(ب): « فاستبعدتني» وهو تحريف من الناسخ.

(٤) حل اللغات: قوله: **(مطامعي)** بالإضافة الى ياء المتكلم، جمع مطمع. قال الراغب: الطمع نزوع النفس إلى الشيء شهوةً له. وقوله: **(استعبدتني)** أي صيرتني عبدا. وقوله: **(قنعت)** من القَناعة، قال الجوهري: القناعة الرضا بالقِسم.اهـ. فالمعنى على ما أفاده العلامة العروسي: استرسلت مع شهوات نفسي فصيرتني عبدا، ولو رضيت بما قسم الله لي بحكمته لكنت تخلصت من رق شهواتي.

(٥) ما بين المعقوفين ساقط من (ألف) و(ب).

الكبير[١]:............

فقرٌ وذُلٌّ[٢]، فقلت: لا بل فقر وعِزٌّ، فقال {فقر وثَرًى، فقلت: لا بل}[٣] فقر وعرشٌ.[٤]

وقال رحمه الله: سمعت أحمد بن عطاء الرُّوْذَباري[٥] يقول: كان لي استقصاء[٦] في أمر الطهارة،

---

(١) قوله: **(الحشاب الكبير)** هكذا في سائر النسخ بالحاء المهملة، وفي الرسالة القشيرية «الخشاب» بالخاء المعجمة.

(٢) قوله: **(فقر وذل)** فاعل لفعل محذوف يدل عليه المقام نحو يقترن ويصطحب وأمثال ذلك.

(٣) ما بين المعقوفين ساقط من (ألف) و(ب). قوله: **(فقر وثرى)** أي تواضع ونزول إلى الأرض.

(٤) قوله: **(فقر وعرش)** أي وارتفاع إلى العرش بالله. قال سيدي زكريا الأنصاري: كلا هما على حق لكن الثاني أكمل همة من الأول.انتهى. وهذا لأن نظره إلى الثمرات بخلاف الأول فإنه نظر إلى الوسائل، وهو من أخلاق المريدين والثاني من أخلاق العارفين من المحققين. أفاده العلامة المصطفى العروسي

* **انظر**: الرسالة القشيرية: ٣٠٧

(٥) أحمد بن عطاء الرُوْذَباري

أبو عبد الله أحمد بن عطاء الرُوْذَباري بضم الراء، منسوب إلى رُوْذَبار موضع بطُوْس وهو ابن أخت أبي علي الرُوْذَباري. كان شيخ الصوفية في وقته، نشأ ببغداد وأقام بها دهرا طويلا ثم انتقل عنها فنزل صُوْر من ساحل الشام، ومات بمَنْواث من عمل عَكَّا، وحمل إلى صُوْر فدفن بها. حدث عن ابن أبي داود والمحاملي وغيرهم، وروى أحاديث فوهم وغلط فيها غلطا فاحشا. قال الصُوْري: ولا أظنه ممن كان يتعمد الكذب لكنه شُبِّه عليه، ومات في ذي الحجة سنة ٣٦٩هـ قال القشيري: يقول أحمد بن عطاء: كنت راكبا جملا فغاصت رِجْلا الجملِ في الرمل، فقلت: جَلَّ الله فقال الجمل: جَلَّ الله.

(الأنساب للسمعاني: ١٢/ ٤٦٥، الرسالة القشيرية: ٨٨)

(٦) قوله: **(كان لي استقصاء في أمر الطهارة)** في القاموس: استقصى في المسئلة: بلغ الغاية، فالمعنى: كنت

عليَّ مشقة، فضاق صدري ليلةً لكثرة ما صببتُ من الماء، ولم يسكن قلبي[١]، فقلتُ: يا رب، عفوَك.[٢] فسمعت هاتفا يقول: العفو في العلم[٣]، فزال عني ذٰلك.[٤]

وقال[٥] رحمه الله: رأى بعضهم الخَضِر[٦] فقال له: هل رأيت فوقك أحدا ؟ فقال: نعم، كان عبد الرزاق يروي الحديث عن رسول الله ﷺ بالمدينة؛ والناس حوله يستمعون، فرأيت شابا بالبعد منهم؛ رأسه على ركبتيه، فقلت له: هذا عبد الرزاق يروي حديث رسول الله ﷺ فلم لا تسمع منه؟ فقال: إنه يروي عن غائب، وأنا لست بغائب عن الله.[٧] فقلت له: إن كان

أبالغ في الطهارة إلى الغاية لكثرة الوساوس. وقوله: **(علي مشقة)** الجملة استيناف، بيان لما قبله أي المشقة واقعة علي في ذلك.

(١) في (ج) و(د): **(لم يسكن)** أي قلبي.اهـ. وعلى هذا فتتم عبارة المتن إلى قوله: «لم يسكن».

(٢) قوله: **(عفوك)** بالنصب، والتقدير: أسألك عفوَك.

(٣) قوله: **(العفو في العلم)** أي لا في الوساوس. وقوله: **(فزال عني ذلك)** فيه أن الله استجاب دعاءه وأزال عنه ما كان فيه من الوسوسة، أفاده الشيخ زكريا الأنصاري.

(٤) انظر: الرسالة القشيرية: ٣٩٦، تاريخ دمشق: ١٨/٥، جامع كرامات الأولياء: ١/ ٤٨٦

(٥) قوله: **(قال)** أرجع الشارح الضمير في قوله: «قال» إلى إبراهيم بن شيبان، والصواب أنه عائد إلى المنصور المغربي كما لا يخفى علا أن الإمام القشيري صرح باسمه في الرسالة.

(٦) قوله: **(الخضر)** بفتح الخاء وكسر الضاد، ويجوز إسكان الضاد مع كسر الخاء وفتحها. (تهذيب الأسماء واللغات) وقال الجوهري: الخِضر وهو أفصح.

(٧) قوله: **(إنه يروي عن غائب)** أي عمن يغيب عن بصره. وقوله: **(أنا لست بغائب عن الله)** حاصله أن علمه نقل ورواية وعلمي كشف ومشاهدة، ويتضح ذلك بما ذكر سيدنا الإمام عبد الوهاب الشعراني قُدِّسَ

كما تقول؛ فمن أنا ؟ فرفع رأسه وقال: أخي أبو العبَّاس الخَضِر، فقلت: إن لله عبادا لم أعرفهم.[1]

سِرُّه في طبقاته، ما نصه: اعلم يا أخي أن الرجل لا يكمل عندنا في مقام العلم حتى يكون علمه عن الله عزوجل بلا واسطة من نقل أو شيخ، فإن من كان علمه مستفادا من نقل أو شيخ فما برح عن الأخذ عن المحدثات وذلك معلول عند أهل الله. ولو سلكتَ على يد شيخ من أهل الله لأوصلك إلى حضرة شهود الحق تعالى فتأخذ عنه العلم بالأمور من طريق الإلهام الصحيح من غير تعب ولا سهر، وكان الشيخ الكامل أبو يزيد البسطامي يقول لعلماء عصره: أخذتم علمكم من علماء الرسوم ميتا عن ميت وأخذنا علمنا عن الحي الذي لا يموت.اهـ. ملخصا وقال العلامة العروسي: وإن كان ما ذكره حقا وصحيحا غير أن الكمال في الكمال. (نتائج الأفكار القدسية)

(١) **انظر:** الرسالة القشيرية: ٤٠٢-٤٠٣، روض الرياحين؛ ضمن الحكاية: (١٠٦) **أقول**: عن هذا وأمثاله ذهبت طائفة من الصوفية إلى أن الخضر ولي ومنهم الإمام القشيري إذ قال: لم يكن الخضر نبيا وإنما كان وليا.اهـ. (الرسالة القشيرية) لكن الجمهور على أنه نبي. قال الإمام النووي في بستان العارفين: المختار والذي عليه الأكثرون أنه كان نبيا.اهـ. وقال في شرح مسلم: اختلف العلماء في الخضر هل هو نبي أو ولي؟ واحتج من قال بنبوته بقوله: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُۥ عَنْ أَمْرِىۚ﴾ [الكهف: ٨٢] فدل على أنه نبي أوحي إليه، وبأنه أعلم من موسى ويبعد أن يكون ولي أعلم من نبي.اهـ. وقال العلامة ابن حجر العسقلاني في الإصابة: وإن غالب أخباره مع موسى هي الدالة على تصحيح قول من قال إنه كان نبيا.اهـ. وقال العلامة العروسي في حاشية القشيرية: والذي جزم به ابن الصلاح وأقره عليه النووي أنه نبي ورجحه الجمهور.انتهى.

وأما هذه الحكاية وأمثالها مما يشعر إلى كون الخضر وليا فقد أجاب العلامة الإمام أحمد رضا خان قُدِّسَ سِرُّه في فتاواه بما يرفع خلاف الفريقين من رأسه حيث قال:

«اختلف المشائخ في أن الخضر الذي أكثر ما يلاقي كبار الأولياء، هل هو صاحب موسى عليهما

الشيخ أبو الخير الأقطع :

وعن أَبي الخير الأقطع[1] رحمه الله - وكان مغربي الأصل؛ عظيم الشان، وله كرامات

السلام ممن كانت نبوته مختلفة فيها بدون مرية في صحبته أم يكون في كل عصر ولي باسم الخضر؟ ومآله أن يكون منصبا من مناصب الولاية فعندئذ يقال لمن يتولاه بذلك الاسم كعبد الله وعبد الجامع، اسمان للغوث وكعبد الملك وعبد الرب ويقال لهما الإمامين، هما اسمان لوزيرين من الغوث، الأول عن يمينه والأخر عن شماله، والأوتاد الأربعة يُدْعَوْن بعبد الرحيم وعبد الكريم وعبد الرشيد وعبد الجليل، وكذلك لمن يصير نقيبا يقال له الخضر مهما كان له عَلَم، وبه قال الكثيرون من الصوفية الكرام وكثير من الحكايات تشعره، واعتضده حافظ الحديث الإمام ابن حجر العسقلاني رحمه الله في «الإصابة في تمييز الصحابة» إذ قال: قول بعضهم: إن لكل زمان خضرا وإنه نقيب الأولياء وكلما مات نقيب أقيم نقيب بعده مكانه ويسمى الخضر. وهذا قول تداولته جماعة من الصوفية من غير نكير بينهم، ولا يقطع مع هذا بأن الذي ينقل عنه أنه الخضر هو صاحب موسى بل هو خضر ذلك الزمان، ويؤيده اختلافهم في صفته فمنهم من يراه شيخا أو كهلا أو شابا، وهو محمول على تغاير المرئي وزمانه.اهـ. وكون الولي موسوما بالخضر لا يستلزم تفضيله على أقرانه من الأولياء فضلا عن جميعهم بل يلزم عدم تفضيله لأن الغوث أفضل منه لا محالة فإنه سلطان الأولياء كلهم في ذلك الوقت.اهـ. بالتعريب (العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية: ٣٠ / ٨٦- ٨٧)

إذن لاح كالشمس في رابعة النهار أن الخضر في هذه الحكاية وأمثالها يراد به نقيب الأولياء لا صاحب موسى عليهما الصلاة والسلام فإن من القطعيات أن الولي مهما جل وعظم، يستحيل أن يفوق نبيا ويعرفه من نور فراسته والنبي لايعرفه. هذا ما عندي وأرجو أن يكون صوابا. والله تعالى أعلم

(١) قوله: **(أبي الخير الأقطع)** ههنا في جميع النسخ: «عن أبي الحسن الأقطع» وضبطنا العبارة من الرسالة القشيرية: ٨٠ وحلية الأولياء: ١٠/ ٣٧٧ وطبقات السُلَمي: ١/ ٢٨٢ وطبقات المناوي: ٢/ ٤٥ وتاريخ دمشق: ٦٦/ ١٦١ وصفة الصفوة: ٢/ ٤٢٢ وطبقات الشعراني: ١٦٣ و روض الرياحين، ضمن

وفراسة حادة – أنه قال: ما بلغ أحد إلى حالة شريفة إلا بملازمة الموافقة[١] ومعانقة الأدب[٢] وأداء الفرض وصحبة الصالحين.

الشيخ أبو عثمان سعيد بن سَلام المغربي:

وحكي عن أبي عثمان سعيد بن سَلَّام المغربي[٣] -وكان واحدا في عصره؛ لم يُوْجَد مثله، وصحب ابن الكاتب – أنه أوصى عند وفاته أن يصلي عليه الإمام أبو بكر بن فُوْرَك[٤]

الحكاية: (٣٦٩)

أبو الخير الأقطع

أبو الخير التِيناتي المعروف بالأقطع، أصله من المغرب وسكن التِيْنات بكسر التاء، موضع بقرب المَصِّيْصَة. صحب أبا عبد الله بن الجَلّاء وغيره من المشائخ وكان أوحد أهل زمانه في التوكل وكانت السباع والهوام تأنس به. مات بمصر سنة نيف وأربعين وثلاث مائة ودفن بجنب منارة الديلمية بالقَرَافة الصغرى. وسبب قطع يده قد ذكره الشيخ النبهاني مستوفًا في جامعه، ملخصه أنه عقد مع الله أن لا يمد يده لشيء من نبات الأرض باشتهاء، فنسي وتناول عنقودا من شجر فلاكه ثم تذكر فرماه، وخرج بعض الأمراء لطلب قطاع الطريق فظنه منهم فقطع يده ثم بدا له أنه الشيخ أبو الخير التيناتي فأخذ بيده المقطوعة وقبَّلها وتعلق بالشيخ يبكي واعتذر إليه. وكان ينسج الخُوْص بإحدى يديه، لا يُدْرَىٰ كيف ينسجه.

(طبقات الشعراني: ١٦٣، الأنساب: ٣/ ١٢٦، معجم البلدان: ٢/ ٦٨، جامع كرامات الأولياء: ١/ ٤٥٠)

(١) قوله: **(ما بلغ أحد إلى حالة شريفة إلا بملازمة الموافقة)** أي موافقة العلم والعمل به. وقوله: **(ومعانقة الأدب)** أي وملازمة الأدب مع الحق والخلق الصادق وذلك بملازمة أداء النوافل. (أحكام الدلالة)

(٢) في (ب) و(ج) و(د): «معاونة الأدب».

(٣) في (ألف) و(ب): «أبي سعيد بن سالم»، والصواب ما أثبتنا.

(٤) قوله: **(فُوْرَك)** بضم الفاء وسكون الواو وفتح الراء، قال العلامة علي القاري: فورك ممنوع الصرف

رحمه الله تعالى. قال أبو بكر رحمه الله: كنت {عند }[١]أبي عثمان المغربي رضي الله عنه حين قرب أجله، وعلي القوال الصغير يقول[٢]، فلما تغير عليه الحال؛ أشرنا[٣] {علىٰ }[١] عليّ بالسكوت،

فإنهم (أي الأعجام) يدخلون الكاف عوض ياء التصغير ومثله زيرك.اهـ. (شرح الشرح) فظهر أن سبب منع الصرف فيه العجمة والعلمية.

أبو بكر بن فُورَك

(٠٠٠ - ٤٠٦ هـ = ٠٠٠ - ١٠١٥م)

محمد بن الحسن بن فُورَك أبو بكر الأنصاري الأصبهاني، واعظ عالم بالأصول والكلام من فقهاء الشافعية، وله تصانيف جمة بلغت قريبا من مائة. أقام بالعراق مدة يدرس العلم ثم توجه إلى الرَّيّ فسمعت به المبتدعة فراسله أهل نَيْسابُوْر والتمسوا منه التوجه إليهم ففعل وورد نَيْسابُوْر فبنى له بها مدرسة ودارًا وأحيا الله تعالى به أنواعا من العلوم وظهرت بركاته على الفقهاء بها، وكانت وفاته سنة ٤٠٦هـ وذلك أنه دُعِي إلى غَزْنة وجرت له مناظرات، وكان شديد الرد على ابن كَرَّام ثم عاد إلى نَيْسابُوْر فسموه في الطريق ونقل إلى نَيْسابُوْر ودفن بالحِيْرة وقيل: قتله محمود بن سُبُكْتَكِيْن بالسم لقوله: كان رسول الله ﷺ رسولا في حياته فقط لكن الأول هو الصحيح كما حققه مستوفاً الإمام تاج الدين السبكي في طبقاته. ودخل عليه أبو علي الدقاق عند وفاته فرآه تدمع عيناه فقال له: إن الله يعافيك ويشفيك، فقال: أ تراني خائفا من الموت؟ إنما أخاف مما وراء الموت.

(الرسالة القشيرية: ١٥٦، شذرات الذهب: ٥/ ٤٢، الوافي بالوفيات: ٢/ ٢٥٤، طبقات الشافعية الكبرى للسبكي: ٤/ ١٢٧- ١٣٣)

(١) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب)، وفي (د): «عبد أبي عثمان» والصواب ما أثبتنا.

(٢) قوله: **(يقول)** أي ينشد من كلام القوم. (أحكام الدلالة)

(٣) قوله: **(أشرنا)** في القاموس: أشرنا عليه بكذا: أمره.

ففتح الشيخ أبوعثمان عينيه، وقال: لِـمَ لا يقول عليّ شيئا؟ فقلتُ لبعض الحاضرين: سَلُوه وقولوا {له }(٢): على ماذا يستمع المُسْتَمِع؟(٣) فأنا أحتشمه(٤) في تلك الحالة، فسألوه(٥) {وقالوا}(٦) قال: إنما يستمع من حيث يُسمع.(٧)

---

(١) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف) و(ب) و(د).

(٢) ما بين المعقوفتين ساقط من (ب) و(ج) و(د).

(٣) قوله: **(على ماذا يستمع المستمع)** أي على أيٍّ وجه يسمع العبد من الوجوه الفاضلة. (أحكام الدلالة) فإن السماع له وجوه فاضلة يُعَدُّ بها من الاشتغال بأمرالدين. أفاده العلامة العروسي قُدِّسَ سِرُّه.

(٤) قوله: **(أحتشمه)** قال الزمخشري: أنا أحتشمك وأحتشم منك أي أستحـيي. (أساس البلاغة)

(٥) في (ألف) و(ب): «فاسئلوه وقولوا» وهو تحريف.

(٦) ما بين المعقوفتين ساقط من (ج) و(د).

(٧) قوله: **(إنما يستمع من حيث يسمع)** أي من حيث يسمعه الله تعالى لاختلاف مقامات الناس ومعرفتهم بالله ومحبتهم له، فقد يسمع العبد من الخوف وقد يسمع من الرجاء وقد يسمع من المحبة وكل منهم على درجات.اهـ. أفاده سيدي زكريا الأنصاري في أحكام الدلالة. فقد أومأ بقوله: «من حيث يسمعه الله» إلى أن «يسمع» في المتن بالبناء للمفعول، وهذا لأن السماع إنما يسوغ إذا كان من عند الله لا ما يسمعه أحد من تسويل نفسه تسكينا لهواه كما هو متعارف اليوم فإنه حرام، وإن المحققين من أئمتنا وساداتنا الصوفية قصروا السماع على أهله وقرروا له شروطا لا يجوز بدونها ـــ فقد قال العلامة الشامي في «شفاء العليل»: لا كلام لنا مع الصدق من ساداتنا الصوفية المبرئين عن كل خصلة ردية، فقد سئل أمام الطائفتين سيدنا الجنيد أن أقواما يتواجدون ويتمايلون فقال دعوهم مع الله، ولا كلام لنا أيضا مع من اقتدى بهم وذاق من مشربهم ووجد من نفسه الشوق والهيام في ذات الملك العلام، بل كلامنا مع هؤلاء العوام الفسقة اللئام الذين اتخذوا مجالس الذكر شبكة لصيد الدنيا الدنية وقضاء لشهواتهم الشنيعة الردية.اهـ. ملتقطا وأيضا قال معزيا إلى العلامة

ابن كمال باشا: الرخصة فيما ذكر من الأوضاع عند الذكر والسماع للعارفين الصارفين أوقاتهم إلى أحسن الأعمال، السالكين المالكين لضبط أنفسهم عن قبائح الأحوال، فهم لا يستمعون إلا من الإله، ولا يشتاقون إلا له، إن ذكروه ناحوا، وإن شكروه باحوا، وإن وجده صاحوا.اهـ. وقال نفس ذاك الإمام في رد المحتار: إن كان السماع سماع غناء فهو حرام بإجماع العلماء، ومن أباحه من الصوفية فلمن تخلّىٰ عن اللهو وتحلّىٰ بالتقوى واحتاج إلى ذلك احتياج المريض إلى الدواء. وله شرائط ستة: أن لا يكون فيهم أمرد وأن تكون جماعتهم من جنسهم وأن تكون نية القوال الإخلاص لا أخذ الأجر والطعام وأن لا يجتمعوا لأجل طعام أو فتوح وأن لا يقوموا إلا مغلوبين وأن لا يظهروا وجدا إلا صادقين.اهـ. وقال سيدي الزرّوق قُدِّسَ سِرُّه في «قواعد التصوف»: كل ذلك إن تجرد عن آلة وإلا فمتفق على حرمته.اهـ. وشرح هذا القول الشيخ المحقق على الإطلاق عبد الحق المحدث الدهلوي قُدِّسَ سِرُّه في «تحصيل التعرف» قائلا: أي ما ذكر كله إنما هو فيما تجرد التغني عن المزامير، وأما المزامير فحرمتها متفق عليها بين المذاهب الأربعة وقد اعترف بذلك صاحب الامتناع في أحكام السماع مع توغله في إباحته وإفراطه في ذلك.انتهى. وقال في رسالته الفارسية «قرع الأسماع»: *از سید الطائفۃ جنید بغدادی قدس سرہ می آرند کہ در مبادئ حال سماع کردے ودر آخر عمر ترک کرد. گفتند: چرا سماع نکنی ونشنوی؟ فرمود: از کہ بشنوم وبا کہ بشنوم. اشارت کرد بفقد اخوان ویاران کہ از آنہا می شنید وبہ آنہا می نشست زیرا کہ سماع ایشاں از اہل بود وبا اہل بود، چہ مشائخ سماع را در جائے کہ کردہ اند بشروط آداب بود وگاہ گاہ بود نہ بر طریقۂ استمرار وعادت... وبیقین رسیدہ است کہ کبرائے مشائخ چشتیہ وبزرگواران ایں سلسلہ سماع می شنیدند ولیکن باحتیاط وشرائط وآداب وبیشتر اوقات در خلوات می شنیدند کہ از ثقل وجود اغیار ونامحرماں خالی بودے، ودر مجلس ایشاں مزامیر نہ بود وتصفیق نہ بود، ویاران خود را از آں منع می کردند ومی فرمودند کہ بارے اگر کسے بیفتد باید کہ از دائرۂ شرع بیروں نیفتد. ایں بنا بر آنست کہ در مسائل فقہیہ مذکور ست کہ در شنیدن غنا خلافی ہست، اما شنیدن مزامیر باتفاق حرام ست. اھ. ملتقطا* وقال سيدي المصطفى العروسي: السماع عندهم لا يرجع مباحا إلا بشروط، منها أن يكونوا في مكان لا يطلع فيه عليهم غيرهم وأن يكون القوال هو الذي يمدهم ويذكر لهم من درر الشعر ونحوه ما يناسب حالهم وتقوى به قلوبهم على السير إلى الله بالترقي إلى المقامات العلية وأن يكون القوال بغير أجرة وأن لا يكون معهم أحد من أبناء الدنيا وأن لا يكون معهم شبان وأن يكون سماعهم مع

الشيخ أبو الحسن المغربي:

وحكي عن أبي عبد الرحمن السُلَمي أنه قال: سمعت أبا الحسن المغربي[1] يقول:

السكون والأدب لا مع الحركة والرقص وضرب الأرض بالأقدام بإظهار التواجد ولا سيما إذا كان مثل ذلك في مسجد. وعلى الطريقة المعلومة الآن من رفع الصوت بالألحان المهيجة للشهوات وتمايل مثل الأمرد الجميل إذ مثل ذلك حرام باتفاق؛ لم يقل بحله أحد إلا من ابتدع أو تزندق، وأقبح من ذلك ما جمعوه مع السماع من الدف والشبابة والتصفيق.اهـ.مختصرا من نتائج الأفكار القدسية. وقال الإمام القشيري في الرسالة: سمعت الأستاذ أبا علي الدقاق يقول: السماع حرام على العوام لبقاء نفوسهم.اهـ. ورأى بعضهم النبي ﷺ في المنام فقال: الغلط في هذا أكثر يعني به السماع.اهـ.ملتقطا وقال الشيخ محمد الكرماني في «سير الأولياء»: *حضرت سلطان المشائخ قدس الله سره العزيز می فرمود كه چندیں چیز می باید تا سماع مباح شود مُسمِع و مُستَمِع و مَسمُوع وآلۂ سماع — مسمع یعنی گوینده مرد تمام باشد، کودک نه باشد وعورت نه باشد، مستمع آں که می شنود از یاد حق خالی نه باشد، ومسموع آنچه بگویند فحش ومسخرگی نه باشد، آلۂ سماع مزامیر ست چوں چنگ ورباب ومثل آں می باید که درمیان نه باشد، ایں چنیں سماع حلال ست. انتهی.* وأيضا قال سلطان المشائخ قُدِّسَ سِرُّه: *مزامير حرام ست* كما في فوائد الفؤاد. وقال العلامة فخر الدين الزرّادي – وهو خليفة سيدنا محبوب إلهي قُدِّسَ سِرُّه– في كشف القناع عن أصول السماع: أما سماع مشائخنا رضي الله تعالى عنهم فبريء عن هذه التهمة، وهو مجرد صوت القوال مع الأشعار المشعرة من كمال صنعة الله تعالى.اهـ.

فلا حجة في أمثال هذه الحكاية لمن ليس لهم نصيب في السماع وهم يأخذون بهذه الحكاية وأشباهها ويبتنون أفعالهم الباطلة عليها وهم لا يدرون أم يتغافلون أنها حجة عليهم لا لهم... وإلى الله المشتكى.

* **انظر**: الرسالة القشيرية: ٨٧، مرآة الجنان: ٢/ ٣٠٢، العقد الثمين: ٤/ ٢١٠، سلوة العارفين وأنس المشتاقين: ٥٤٣

(١) قوله: **(عن أبي عبد الرحمن السُلَمي أنه قال: سمعت أبا الحسن المغربي)** كذا في جميع النسخ. **أقول**: هذا لا يلائم ما ساقه من السند الشيخ أبو عبد الرحمن السُلَمي في طبقاته وعنه الإمام القشيري في رسالته حيث

{سألت }[1] لـمرء[2] حضر خيرَ النَسَّاج[3] رحمة الله عليه عن أمره {فقال }[1]: لما حضر صلاة

قال الإمام السُلَمي: سمعت أبا الحسن القزويني يقول: سمعت أبا الحسين المالكي الخ.

(١) ما بين المعقوفتين ساقط من (ب) و(ج) و(د).

(٢) في (ألف): «لـمن».

(٣) **خير النَسَّاج**

أبو الحسن خير بن عبد الله النَسَّاج الصوفي من أهل سُرَّ مَنْ رَأىٰ، وذكر فارس البغدادي أن اسمه محمد بن إسماعيل ولقبه خير. نزل بغداد وكان له حلقة يتكلم فيها وكان قد صحب أبا حمزة محمد بن إبراهيم الصوفي والسَرِيّ السَقَطي. وصحبه الجنيد وأبوالعباس ابن عطاء وأبو محمد الحَرِيْرِيّ وأبو بكر الشبلي. وإنما سمي النَسَّاج وذلك أنه خرج إلى الحج وقد كان عاهد الله أن لا يأكل الرطب أبداً، فغلبت نفسه ذات يوم وأخذ نصف رطل منه فلما أكل واحدة إذا أخذه رجل على باب الكوفة وقال: يا خير، يا آبق، هربت مني؟ وكان له غلام اسمه خير وقد هرب منه فوقعت عليه صورته، فاجتمع الناس وقالوا: هذا والله غلامك خير، قال: فبقيت متحيرًا وعلمت بم أُخِذت وعرفت جنايتي، فأخذني وحملني إلى حانوته الذي كان ينسج فيه غلامه وقال لي: يا عبد السوء، تهرب من مولاك، ادخل فاعمل عملك الذي كنت تعمل، وأمرني بنسج الكرباس فبقيت معه أشهراً أنسج له فقمت ليلة إلى صلاة الغداة فسجدت وقلت في سجودي: إلهي لا أعود إلى ما فعلت، فأصبحت وإذا الشبه ذهب عني وعدت إلى صورتي التي كنت عليها، فأطلقت وثبت علي هذا الاسم. وفي بعض الروايات: كان يقول: يا خير، فيقول: لبيك ثم قال له الرجل بعد ذلك: لا أنت عبدي ولا اسمك خير فمضى وقال: لا أغير اسماً سماني به رجل مسلم. وكان قد عُمِّر ١٢٠سنة وكانت وفاته في سنة ٣٢٢هـ

(وفيات الأعيان: ٢/ ٢٥١، الأنساب للسمعاني: ١٣/ ٨٢، تاريخ بغداد: ٢/ ٣٨٠- ٩/ ٣٠٧، رسالة القشيري: ٧٧)

المغرب؛ غُشِيَ عليه ثم فتح عينيه وأومأ إلى ناحية البيت، وقال: قِفْ[٢] عافاك الله، فإنما أنت عبد مأمور[٣]، {وأنا عبد مأمور}[٤]، وما أُمِرتَ به؛ لا يفوتك، وما أُمِرتُ به؛ يفوتني، ودعا بماء، فتوضأ للصلاة وصلى ثم تمدَّد[٥] وغمَّض عينيه، وتشهد {ومات}[٦]. فرُئِيَ في المنام، فقيل له: ما فعل الله بك؟ فقال: لا تسألني عن هذا، لكني استَـرَحْتُ عن دنياكم الوضرة.[٧]

---

(١) ما بين المعقوفتين ساقط من (ج) و(د).

(٢) قوله: **(قال)** أي مخاطبا لملك الموت عليه السلام وقد جاءه يستأذنه في وقت قبض روحه إكراما له وتشريفا له، كذا يستفاد من أحكام الدلالة. وقوله: **(قف)** بكسر القاف، أمر من الوقوف.

(٣) قوله: **(أنت عبد مأمور وأنا عبد مأمور، وما أمرت به لا يفوتك وما أمرت به يفوتني)** محصله أنك عبد مأمور بقبض روحي وهو لا يفوتك فإنك تأتي به لا محالة بدون خوف فوته، وأنا عبد مأمور بالصلاة وهي تفوتني بالقضاء، فأمسك عني حتى أصلي صلاة المغرب ثم اقض ما أنت قاض.

(٤) ما بين الحاصرين ساقط من (ب) و(د).

(٥) قوله: **(تمدد)** من التفعل، يقال: تمدد الرجل أي تمطّىٰ. (الصحاح)

(٦) ما بين الحاصرين ساقط من (ألف).

(٧) قوله: **(الوضرة)** بفتح الواو وكسر الضاد، يقال: وَضِرَ الإناء (س) وَضَراً إذا اتسخ، فهو وَضِرٌ وهي وَضِرةٌ. (تاج العروس)

* **راجع:** الرسالة القشيرية: ص: ٧٨ وص: ٣٤٣، طبقات السُلَمي: ٢٤٧- ٢٤٨، العاقبة في ذكر الموت لابن الخراط: ٢٢٧، صفة الصفوة: ١/ ٥٣٨، السلوك في طبقات العلماء والملوك لبهاء الدين الجندي: ٢/ ٣٥٥، بغية الطلب في تاريخ حلب: ١٠/ ٤٤٢٠، تاريخ بغداد: ٢ / ٣٨٠ - ٩ / ٣٠٧، طبقات المناوي: ١/ ٥٩٦

الشيخ أبو النجم المغربي:

وقال أبو النجم المغربي[١] رحمة الله عليه: سمعت الرَقّي[٢] رحمة الله يقول: سمعت أحمد بن منصور رحمة الله يقول: سمعت أبا يعقوب السُوْسِي[٣] رحمة الله يقول: جاءني مريد بمكة، وقال: يا أستاذي، أنا أموت {غدا }[٤] وقت الظهر، فخذ هذا الدينار، واحفر[٥] لي بنصفه وكـفِّنّي بالنصف الآخَر. ثم لما كان الغد؛ جاء وطاف ثم تباعد[٦] فمات، فغسَّلته وكفنته

---

(١) قوله: **(أبو النجم المغربي)** كذا في سائر النسخ، وفي رسالة القشيري: «أبو النجم الـمُقرِئ البَرْذَعِي».

(٢) قوله: **(الرَقّي)** منسوب إلى الرَقَّة بفتح الراء وتشديد القاف: مدينة مشهورة على الفرات، قاله الحموي. وفي الأنساب للسمعاني: وإنما سميت الرَقَّة لأنها على شط الفرات وكل أرض تكون على الشط فهي تسمى الرَقَّة.اهـ. وههنا في (ب) و(د): «السرقي» وهو تصحيف.

(٣) **أبو يعقوب السُوْسي**

اسمه يوسف بن حمدان، وكان أستاذ أبي يعقوب النَهْرجُوْري وهو من قدماء المشائخ. وكان عالما صاحب تصانيف، أقام في البصرة ثم في الأُبـُلَّة وهي مدينة أقدم من البصرة وتبعد عن البصرة بأربعة أميال ومات بها. وقال: من تكلم في علم التوحيد بتكلف أشرك. (نفحات الأنس: ٤٤٦) والسُوْسي بضم الأول وسكون الواو، قال ابن الأثير: هذه النسبة إلى السوس والسوسة وإلى رجل، أما السوس فمدينة من خوزستان، وأما النسبة إلى سوسة فهي مدينة بالغرب.اهـ. ملتقطا (اللباب: ٢/ ١٥٤ – ١٥٥)

(٤) ما بين المعقوفتين ساقط من (ألف) و(ب).

(٥) في (ب): «حضر» وهو تحريف.

(٦) قوله: (تباعد) أي عن بيت الله.

ووضعته {في اللحد }[١]، ففتح عينيه، فقلت: حياة بعد الموت؟ فقال: أنا حي وكل محب لله فهو حي.[٢]

الشيخ أبو إسحاق المغربي:

قال العبد الـمُفتقِر {إلى الله }[٣] أيّده الله بعنايته {وخَصَّصَه بكرمه ورأفته}[٤]، ومثله وقع لشيخي وملجائي ومَعاذي؛ الشيخ أبي إسحاق[٥] تغمَّده الله برحمته ورضوانه حين دنا

---

(١) ما بين المعقوفتين ساقط من (ألف).

(٢) قوله: **(كل محب لله فهو حي)** لأن المحب له تعالى من جاهد نفسه في قربه وهان عليه بذلها لنيل حبه، فأشبه المجاهد المقتول في سبيله وهو حي بنص القرآن. أفاده سيدي زكريا الأنصاري في أحكام الدلالة. وقد أطنب الكلام مستوفًا في هذه المسئلة سيدي الإمام أحمد رضا قُدِّسَ سِرُّه في رسالته المسماة بـ حياة الموات في بيان سماع الأموات.

* **راجع**: الرسالة القشيرية: ٤١٣، روض الرياحين: ضمن الحكاية: (١٧٠)، روح البيان [سورة الدخان، الآية: ٣٦]

(٣) ما بين المعقوفتين ساقط من (ألف) و(ب).

(٤) ما بين الحاصرين ساقط من (ج) و(د).

(٥) **أبو اسحاق الكهتوي**

أحد الأولياء المشهورين بأرض الهند، أخذ الطريقة عن الشيخ محمد المغربي عن أبي العباس أحمد القرشي عن أبي محمد الصالح الدكاكي عن الشيخ أبي مدين المغربي إمام الطريقة المدينية ولازمه مدة حياته ثم جاور قبره أياماً ثم قدم الهند ودخل أجمير في أيام السلطان فيروز شاه فلبث مدة طويلة ثم دخل كهتو قرية من أعمال ناكور وسكن بها، وناهز عمره ١٢٠ سنة. ولد سنة٦٦٠هـ ومات في ١٧ شعبان سنة ٧٧٦هـ. (نزهة الخواطر: ٢ / ١٠) **أقول:** لكن هذه القصة التي ساقها الشيخ أحمد ذكر فيها عن وفاة الشيخ أبي إسحاق بأن

رحيله، فقال لي ليلة السبت: يا أحمد، مُرْ بحفر قبر لي، فلما أصبح؛ حُفِرَ القبر وهو جالس عنده، فجاء الحاكم[1] وقال: أيها الشيخ، لعل الله يشفيك، فقال مَهْ[2] يا قاضي، أتكذبني؟[3] فوَدَّعَه وقال: إنَّا منك راضون، فارضَ عنا. فلما كان يوم الأربعاء السابع عشر من شعبان سنة إحدى وثمانين وسبع مائة؛ قال: يا أحمد، هَيِّئ[4] القبر إلى الظّهر، فتَهَيَّأَ، فلما زالت الشمس؛ أمرني أن أجلس خلفه ليستند بي، فجلستُ واستند بي، فقال: يا حَيُّ؛ يا قَيُّوْمُ، وغمَّض عينيه وتُوُفِّيَ[5] رضي الله عنه.

كانت في عام ٧٨١هـ وهو أعرف بذلك من غيره، وممن كان شهدوا الشيخ أبا إسحاق عند رحيله، فالأرجح ما قال الشيخ أحمد.

(١) قوله: **(الحاكم)** أي الوالي على «كهتو» وهو القاضي فخر الدين كما في «مرقاة الوصول» لمحمد بن أبي القاسم.

(٢) قوله: **(مه)** هو من أسماء الأفعال بمعنى الأمر أي اسكت.

(٣) قوله: **(تكذبني)** أي تكلمني بكلام لا يطابق الواقع، فإني أعلم من الله تعالى أن منيتي قد اقتربت ولا أبرأ من مرضي.

(٤) قوله: **(هيئ)** أمر من التهيئة. قال الجوهري: هيأت الشئ: أصلحته.

(٥) قوله: **(توفي)** بني للمجهول من التوفي، قال الزبيدي: تُوُفِّيَ فلان: إذا مات، وتوفاه الله عز وجل: إذا قبض روحه.

ستّ الملوك المغربية:

وقال صفي الدين[١] رضي الله عنه: رأيت امرأة مغربية كبيرة الشان[٢] يعظمها الأولياء والعظماء؛ يقال لها سِتُّ الملوك. [٣] زارت بيت المقدس في وقت كان فيه الشيخ الولي الكبير الشان؛ علي بن عُلَيْس اليماني[٤] رضي الله عنه، قال الشيخ علي المذكور: كنت بيتَ المقدس، وإذا

---

(١) **صفي الدين ابن أبي المنصور**

صفيّ الدين أبو عبد الله حسين ابن الوزير جمال الدين علي ابن ظافر كمال الدين أبي المنصور، الأزديّ؛ الأنصاريّ؛ المالكيّ. ولد في ذي القعدة سنة ٥٩٥هـ بحرّان وكان أبوه وزيرا، صحب أبا العبّاس أحمد بن أبي بكر التُجِيْبِيّ الحرّار، وهو من أصحاب الشيخ أبي جعفر أحمد الأُنْدُلُسي الذي من أصحاب الشيخ أبي مدين، وتجرّد عن الخلائق وغيّر هيئته وهجر أهله ولزم الشيخ فهدّده أبوه بالقيد والحبس فحبس نفسه في بيت أبيه وآلى أن لا يأكل ولا يشرب ولا يخرج ولا ينام، فمكث كذلك ثلاثا وقد بلغ أباه خبره فأذن له أن يعود إلى الشيخ فلم يفعل حتى خرج به، فقبّل يده وقال له: يا سيّدي، هذا ولدك، تصرّف فيه كيف شئت وأودّ لو كنت مكانه، فقال له: لعل الله ينفعك به. فعكف على خدمة الشيخ ويحمل على كتفه كلّ يوم جرّتين بماء إلى زاوية الشيخ حافيا، وإذا سمع أبوه ذلك يقول: ببركة الله تعالى، وزوّجه الشيخ أبو العبّاس بابنته وكانت من الأولياء، فولدت له أولادا وأقام الصفيّ خليفته من بعده. وقال له مرّة: أنت وارثي وكلّ ما نلته من الحقّ لا بدّ لك أن تُبلِّغه. وتوفّي بالقَرَافة في يوم الجمعة ١٢ جمادى الآخرة سنة ٦٨٢هـ ودفن برباطه.

(المقفى الكبير لتقي الدين المقريزي: ٣/ ٣١٩، الكواكب السيارة لابن الزيات: ١٨٢)

(٢) قوله: **(كبيرة الشان)** الإضافة فيها لفظية ولذا يصح جعلها صفة لنكرة موصوفة.

(٣) في (ب) و(د): «بنت الملوك» والصواب ما أثبتنا.

(٤) قوله: **(علي بن عُلَيْس)** هكذا في (ألف) و(ب): «عليس» بالياء، وفي (د): «علسر» وهو تصحيف. وراجعت إلى رسالة صفي الدين فضبط فيها هذا اللفظ: «علي بن غلس» وكتب بذيله المحشي: المشهور«علي

أنا أشهد حبلا من نور[١] مُدَّ من السماء إلى قبة كانت في المسجد، فمشيت إلى القبة، فوجدت فيها هذه المرأة سِتَّ الملوك، والنور الذي شهدتُّه متصل بها، فطلبتُّ منها الأخوة[٢]، فأجابت رضي الله عنها.[٣]

رجل من مشائخ المغاربة:

وقال الشيخ الكبير شهاب الدين السهروردي رحمه الله[٤]: رأيت بعض الفقراء من

بن غليس» ثم طالعت روض الرياحين للإمام اليافعي فقال فيه: «علي بن علبس» بفتح العين والباء وسكون اللام بينهما وفي آخره سين مهملة.

(١) في (ج) و(د): «حبل نور».

(٢) قوله: **(الأخوة)** بضمتين وفتح الواو مشددًا، اسم بمعني المؤاخاة أي قرابة الأخ. (تاج العروس) فالمعنى أني طلبت منها المؤاخاة بيني وبينها بأن تكون لي أختا وأكون لها أخا.

(٣) انظر: روض الرياحين، رقم الحكاية: (٤٥٧)، جامع كرامات الأولياء: ٢/ ٨٨، رسالة صفي الدين ابن أبي المنصور: ٨٩ – ٩٠

(٤) شهاب الدين السُهَرْوَرْدي

الشيخ الإمام شهاب الدين أبو حفص عمر بن محمد بن عبد الله القرشي التيمي السُهَرْوَرْدي ثم البغدادي. ولد في رجب سنة ٥٣٩هـ صحب عمه الشيخ أبا النجيب ولازمه وأخذ عنه الفقه والوعظ والتصوف، والشيخ عبد القادر الجيلاني وغيرهم من أعيان المشائخ. وكان فقيهاً شافعي المذهب كثير الاجتهاد في العبادة والرياضة، وكان له في الطريقة قدم ثابت ولسان ناطق وكان شيخ وقته في علم الحقيقة. صنف في التصوف كتابا أي «عوارف المعارف» شرح فيه أحوال القوم وبدأ تصنيفه في مكة المشرفة وكان إذا أشكل عليه شيء منها يرجع فيه إلى الله سبحانه وتعالى ويستخيره حول بيته ويتضرع إليه في التوفيق لإصابة الحق والتحقيق، وأملى كتابا في الرد على الفلاسفة وتوفي ببغداد في أول ليلة من سنة ٦٣٢هـ.

المغرب بمكة، وله سُبحة[١] فيها ألف حبة في كيس[٢] له، ذكر أن ورده[٣] أن يديرها كل يوم اثنتي عشرة مرة بأنواع الذكر.[٤]

الخاتمة:

قال العبد المفتقر إلى ربه: وإنما أُدْرِجَ[٥] من مناقب بعض المشائخ المغربيين وكلامهم رضي الله عنهم لِيَنْتَفِعَ الناظر الحاضر بقلبه، والسامع بجده[٦]، إذ بذكر الصالحين تنزل الرحمة، ويَتَّعِظَ[٧] بنصائحهم، فإنها تورث البركة. وفضائل المشائخ المغربيين ومناقبهم أكثر من أن

(سير أعلام النبلاء: ٢٢ / ٣٧٣، العبر: ٣/ ٢١٣، مرآة الجنان: ٤ / ٦٣، وفيات الأعيان: ٣ / ٤٤٦)

(١) قوله: **(السبحة)** بالضم، التي يسبح بها وهي كلمة مولدة أحدثت في الصدر الأول. (تاج العروس)

(٢) قوله: **(الكيس)** بالكسر، قال الزبيدي: وعاء معروف يكون للدراهم والدنانير والدر والياقوت.

(٣)قوله: **(ورده)** بكسر الواو، في المُغْرِب: الوِرد: الوظيفة وهي مقدار معلوم، يقال: قرأ فلان ورده وحزبه، بمعنى.

(٤) انظر: عوارف المعارف: الباب الخمسون في ذكر العمل في جميع النهار وتوزيع الأوقات: ٢٧٩، اتحاف السادة المتقين: بيان اختلاف الأوراد باختلاف الأحوال: ٥ / ١٧٠

(٥) قوله: **(أدرج)** بالبناء للمفعول من الإدراج، والتقدير: وإنما أدرجتُ من مناقب بعض المشايخ، و«من» للتبعيض فالمعنى: وإنما أدخلت نبذا من مناقبهم الخ. فحذف الفاعل وأقيم المفعول مقامه الذي تدل عليه من التبعيضية.

(٦) قوله: **(بجده)** الجد بالكسر ضد الهزل، وأيضا الاجتهاد في الأمر. قاله الجوهري

(٧) قوله: **(يتعظ)** بالنصب عطف على «ينتفع».

تُحْصىٰ، وأكبر النسخ بذلك يُحْشىٰ[١].

وبذكر الله الافتتاح والاختتام، والصلاة على نبينا وحبيبنا محمد عليه السلام، وعلى آله البَرَرَة[٢] الكرام، {وعلى أصحابه السَفَرَة[٣] العظام، وسَلِّمْ تسليما كثيرا كثيرا برحمتك يا أرحم الراحمين}[٤].

(تم الكتاب بعون الله العزيز الغفار)

---

(١) قوله: **(يحشى)** من الحَشْو، يقال: حَشَا الوسادةَ والفراشَ وغيرهما حَشْوا أي ملأها.

(٢) قوله: **(البررة)** بفتحات، جمع البارّ. قال ابن الأثير: برَّ يبَـرّ فهو بارّ وجمعه: بَرَرَة، وجمع البَرّ أبرار.

(٣) قوله: **(السفرة)** أي الكتبة جمع السافر كالكاتب والكتبة وزنا ومعنى، يقال: سَفَرتُ الكتاب أسفِره سَفْرًا: كتبه. قاله ابن منظور، وإنما أطلق المصنف هذا اللفظ على الصحابة لأنهم أول ما نسخوا القرآن.

(٤) ما بين المعقوفتين ساقط من (ج) و(د).

☆☆☆

قد تمت مني تحشية هذا الكتاب وتخريجه وتحقيقه على تمام الساعة الواحدة من ليلة الاثنين ١٦/ شوال سنة ١٤٤٠هـ المصادف لـ٣٠ / يونيو ٢٠١٩م والحمد لله على ذلك، والصلاة والسلام على رسوله وحبيبه محمد وآله وصحبه أجمعين.آمين.

محمد مزمل البركاتي المصباحي

عضو هيئة التدريس ورئيس قسم الإفتاء بدار العلوم الغوث الأعظم، فوربندر

ورئيس صدر الشريعة الأكادمي ، فوربندر ـ غجرات ـ الهند

١ -﴿فهرس محتويات الكتاب﴾

١٦ - ﴿الشيخ أبو النجم المغربي﴾

١٧ - ﴿الشيخ أبو إسحاق المغربي﴾

١٨ - ﴿ست الملوك المغربية﴾

١٩ - ﴿شيخ من أفذاذ المغاربة﴾

٢ -﴿فهرس بعض فوائد التعليق﴾

١. المراد بقول المؤلف: « سابقهم وتاليهم »

٢. إعراب قوله: « عز من قائل »

٣. معنى الحديث: « فإن ذكرني في نفسه »

٤. معنى القول: «المفرِّدون »

٥. إعراب كلمة « الله الله »

٦. التحقيق في حديث تلقين الذكر

٧. التعليق القيم حول سماع الإمام حسن البصري من سيدنا علي رضي الله تعالى عنه

٨. ترجمة الإمام حسن البصري

٩. ترجمة الشيخ حبيب العجمي

١٠. ترجمة الشيخ داود الطائي

١١. ترجمة الشيخ معروف الكرخي

١٢. ترجمة الشيخ السري السقطي

١٣. ترجمة الشيخ جنيد البغدادي

١٤. ترجمة الشيخ أبي علي الروذباري

١٥. ترجمة الشيخ أبي علي بن الكاتب

١٦. ترجمة الشيخ أبي عثمان المغربي

١٧. تحقيق « بسطام »

١٨. ترجمة أبي يعقوب النهرجوري

١٩ . ترجمة أبي الحسن الصائغ

٢٠ . معنى المحاسبة والمراقبة

٢١ . أنواع التوبة

٢٢ . ترجمة الشيخ أبي مدين المغربي

٢٣ . شرح كلمة الطاقية

٢٤ . تحقيق هُوارا

٢٥ . ترجمة أبي بكر بن هُوارا

٢٦ . تحقيق السنجاري

٢٧ . ترجمة علي بن وهب

٢٨ . تحقيق الدكاكي

٢٩ . ترجمة أبي محمد الدكاكي

٣٠ . شرح كلمة الدوالي

٣١ . شرح قوله: أتخلق عليه

٣٢ . ترجمة عبد الرحمن بن محمد الحضرمي

٣٣ . ترجمة أبي إسحاق إبراهيم بن أحمد

٣٤ . شرح كلمة الدانق

٣٥ . معنى التواجد وأنواعه

٣٦ . تحقيق أن القصيدة « تواجع ممراض الخ » لمن هو؟

٣٧ . تحقيق البَدَل

٧٦. ترجمة أبي سليمان المغربي

٧٧. تحقيق السبخي

٧٨. ترجمة فرقد السبخي

٧٩. ترجمة مالك بن دينار

٨٠. تحقيق طرسوس

٨١. ترجمة أبي عبد الله بن الجلّاء

٨٢. شرح قوله: البادئ أظلم

٨٣. تحقيق المحشي في رواية السُلَمي عن أبي تميم المغربي

٨٤. ترجمة إبراهيم بن شيبان

٨٥. ترجمة محمد بن إسماعيل المغربي

٨٦. الفرق بين المداراة والمداهنة

٨٧. ترجمة ابن أبي الحواري

٨٨. ترجمة أبي سليمان الداراني

٨٩. شرح كلمة: أنموذجات

٩٠. ترجمة ابن طولون

٩١. إعراب: «شبعة عدس ومائتي خشبة» والرد على من جعله من نظائر «كل رجل وضيعته»

٩٢. شرح كلمة الزندقة

٩٣. ترجمة أحمد بن عطاء الروذباري

ترجمہ کتاب

(خطبہ)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ذاکرین کو غافلوں پر فضیلت بخشی اور انہیں صدق و اخلاص کے مقام پر فائز کیا اور خدا کی رحمت ہو اس ذات پر جس کو اس نے تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا، جس کا فرمان ہے کہ بہتر شخص وہ ہے جس سے لوگ مستفید ہوں۔ یعنی خواہ اس کی ہدایات و تعلیمات سے یا داد و دہش سے یا انس اور میل ملاپ کے ذریعہ اور ان کے متبعین پر جنہوں نے ذکر کے اصول و ضوابط وضع کر کے انہیں درست کیا۔

(وجہ تالیف)

حمد و صلاۃ کے بعد، مجھ سے چند احباب نے تقاضا کیا اور ہر دم اور ہر لمحہ ان کی نگاہیں میری طرف ہی اٹھی رہتیں کہ میں ان کے لیے مغربی مشائخ کے مناقب و فضائل پر ایک مختصر رسالہ کی سوغات پیش کروں ﴿اللہ تعالیٰ تا قیامت انہیں ان مشائخ کرام سے بہرہ ور فرمائے﴾ اور یہ کہ ان کے متقدمین و متاخرین میں سے سابقین ولاحقین کے حالات اجاگر کروں۔ لہٰذا خدائے وحدہ کی حمد و ثنا اور اس کے نبیٔ مکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا نذرانہ پیش کر کے اور دین و دنیا کے حامی، خدائے کریم و بے نیاز کی مدد پر یقین رکھنے والے سلطان ابن سلطان ابن سلطان ابوالفتح احمد شاہ کے لیے ابدی خیر اور خوشگوار و آسودہ زندگانی، دائمی نصرت و ظفر مندی اور ہمیشہ سرخ روئی و کامیابی کی دعا کرتے ہوئے میں نے اس رسالے کا آغاز کیا۔ ﴿اللہ تعالیٰ ہر جگہ ان کے پرچم خلافت کو بلند فرمائے﴾

شعر:

ہماری دعا ہے کہ وہ زندگی بسلامت پوری کرے
اور زمانے میں باقی رہے جب تک زمانہ باقی رہے

ہماری تمام امیدیں بر لانا اللہ تعالیٰ ہی کے ذمۂ کرم پر ہے۔ ہمیں تو بس اس کی حمد اور اس کا شکر بجالانا لازم ہے۔ میں نے یہ رسالہ مکمل کر کے سلطان کے حضور بھیجا اور ان کی خدمت عالیہ میں تحفتاً پیش کیا اور بارگاہ الٰہی سے امید ہے کہ یہ رسالہ عرصہ تک باقی رہے گا اور سلطان کے اعمال نامہ میں مفید ثابت ہوگا۔

(فضائل ذکر قرآن کی روشنی میں)

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾

ترجمہ: تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا۔

(۲) اور فرماتا ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾

ترجمہ: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

(۳) اور فرماتا ہے: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور غافلوں میں نہ ہونا۔

(۴) اور فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو۔

(۵) اور فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔

(۶) اور فرماتا ہے: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصّٰلِحُ يَرْفَعُهٗ﴾

ترجمہ: اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

(۷) اور فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوٰلُكُمْ وَلَآ اَوْلٰدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے۔

(فضائل ذکر حدیث کی روشنی میں)

(۱) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے، اگر وہ مجھے تنہا یاد کرے تو میں بھی اسے تنہا یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اس کا چرچا کرتا ہوں۔

(۲) اور فرمایا: جو لوگ ذکر الٰہی کے لیے بیٹھتے ہیں تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان ان کا ذکر فرماتا ہے۔

(۳) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ذاکرین کی تلاش میں راستوں میں دورہ کرتے ہیں۔ جب وہ کسی جماعت کو ذکر الٰہی میں پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ! اپنی ضرورت کی طرف تو آسمان دنیا تک سارے فرشتے انہیں اپنے پروں میں گھیر لیتے ہیں۔ پھر جب وہ منتشر ہو کر آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے۔ تم کہاں سے آئے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم زمین پر تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں۔ پھر ان کا رب ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے۔ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ تیری تسبیح و تکبیر و تہلیل کر رہے تھے اور تیری حمد و بزرگی بیان کر رہے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: پروردگارا! بخدا انھوں نے تجھے دیکھا نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اگر مجھے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری اور عبادت کریں اور تیری بزرگی اور پاکی کثرت سے بیان کریں۔ اللہ فرماتا ہے: وہ کیا مانگ رہے تھے؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: خدایا! بقسم انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ

لیں تو انہیں اس کی اور تڑپ، چاہت اور رغبت ہو گی۔ اللہ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ سے۔ اللہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں پروردگارا! بخدا انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیں تو اس سے اُور بھاگیں اور ڈریں گے۔ پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ تجھ سے بخشش کی دعا کر رہے تھے۔ تو اللہ فرشتوں سے فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا اور جو مانگا وہ دیا اور جس سے پناہ مانگی اس سے پناہ دی۔ تو ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار، ان میں فلاں شخص بھی ہے جو ان کے زمرے سے نہیں ہے، البتہ وہ کسی ضرورت سے آیا تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان میں ایک بڑا خطاکار بندہ بھی ہے، بس وہ تو گزرا تو ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اللہ فرماتا ہے: اسے بھی میں نے بخش دیا۔ وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کا ہم نشیں بھی نامراد نہیں ہوتا ہے۔

(۴) اور فرماتے ہیں ﷺ: اصحابِ تفرید سبقت لے گئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یہ اصحابِ تفرید کون ہیں؟ یارسول اللہ ﷺ! حضور نے فرمایا: خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورت۔

(۵) اور حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اسلامی احکام مجھ پر غالب آگئے۔ لہذا مجھے کوئی ایسی بات بتا دیں جس سے میں سروکار رکھوں۔ تو حضور نے فرمایا کہ ہمیشہ تیری زبان یادِ الٰہی میں تر رہے۔

(۶) اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل ذکر "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔

(۷) اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی راہ بتائیں جو خدا سے قریب تر، بندوں پر بے حد آسان اور خدا کے نزدیک سب سے افضل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے علی! پابندی کے ساتھ تنہائی میں خدا کا ذکر کر۔ حضرت علی نے عرض کیا: کیا ذکر الٰہی کی فضیلت ایسی ہے؟ حالانکہ سارے لوگ ذکر کرتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے علی! قیامت قائم نہ ہو گی جب تک روئے زمین پر "اللہ اللہ" کہنے والے ہوں گے۔ پھر حضرت علی نے عرض کیا:

حضور! میں کس طرح ذکر کروں؟ تو حضور نے فرمایا: آنکھیں بند کر لو اور مجھ سے سنو۔ پھر حضور نے تین بار "لا الہ الا اللہ" کہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن رہے تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار "لا الہ الا اللہ" کہا اور حضور ﷺ سماعت فرما رہے تھے۔

﴿سلسلۂ ذکر از حضرت علی تا شیخ ابو عثمان مغربی﴾

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن بصری، انہوں نے حضرت حبیب عجمی، انہوں نے حضرت داؤد طائی، انہوں نے حضرت معروف کرخی، انہوں نے حضرت سری سقطی اور انہوں نے حضرت جنید بغدادی کو اس کی تلقین فرمائی پھر ان سے حضرت ابو علی روذباری، ان سے ابو علی ابن کاتب اور ان سے حضرت ابو عثمان مغربی تک یہ سلسلہ پہنچا۔

(۱) حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿غیب کی خبر دینا﴾

حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں ہے کہ ایک روز حضرت ابو علی ابن کاتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آج مکہ شریف کی کیا خبر ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ بنی طلحہ اور بنی حسن بر سر پیکار ہیں اور ایک سیاہ فام شخص بنو طلحہ کی قیادت کر رہا ہے جس کے سر پر سرخ عمامہ ہے اور ایک بادل بقدر حرم کے مکہ پر چھایا ہوا ہے۔ یہ سن کر ابو علی نے مکہ معظمہ کی طرف مکتوب روانہ کیا تو وہی نکلا جو حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

﴿روشن ضمیری﴾

محمد بن حسین بسطامی کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابو عثمان مغربی کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوچا کہ شاید شیخ مجھ سے کوئی خواہش ظاہر کریں گے تو آپ نے فرمایا: لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں کہ میں ان سے قبول کر لیا کرتا ہوں حتی کہ اب وہ چاہتے ہیں کہ میں ان سے مانگوں۔

﴿پانی پر چلنا﴾

بخط استاذ جرجانی حضرت ابو عثمان مغربی کا ایک واقعہ منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرا ارادہ ہوا کہ کشتی میں سوار ہو کر مصر جاؤں پھر میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہاں پہچان لیا جاؤں گا اور مجھے شہرت کا اندیشہ ہوا، پھر ایک کشتی گزری اور مجھے لگا کہ اس میں چلا جاؤں تو میں پانی پر چلتے ہوئے کشتی کے پاس جا پہنچا اور اندر داخل ہوا۔ کشتی میں سوار تمام لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے پھر بھی کسی نے ان میں سے اسے خرق عادت ہے یا نہیں کچھ نہ کہا، لہذا میں سمجھ گیا کہ ولی مشہور ہونے کے باوجود کبھی مستور ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ ولی مشہور تو ہوتا ہے مگر مفتون نہیں ہوتا ہے۔

﴿صحبت اور خدمت میں فرق﴾

حضرت ابو منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت ابو عثمان مغربی کی صحبت میں کتنا رہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں ان کی صحبت میں نہیں بلکہ ان کی خدمت میں رہا کہ صحبت دوستوں اور ہم عمروں کے ساتھ ہوتی ہے اور خدمت بزرگوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

آپ کے ملفوظات:

(۱) آپ کے ملفوظات میں سے یہ ہے کہ آپ سے مخلوق کی حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مخلوق ایک ایسا خاکی قالب اور پیکر ہے جس پر احکامِ قدرت جاری ہوتے ہیں۔

(۲) اور فرمایا کہ میں نے مشائخ میں کسی کو حضرت ابو یعقوب نہر جوری سے زیادہ نورانی اور حضرت ابو الحسن صائغ سے زیادہ بارعب نہ دیکھا۔ اور ایک مرتبہ ابن صائغ سے "استدلال بالشاہد علی الغائب" (خلق سے حق پر استدلال کرنا) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جس کے لئے امثال ہیں اس کی صفات سے اس ہستی کی صفات پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جو بے مثال ہے۔

(۳) اور حضرت ابو عبد الرحمٰن سُلمی کہتے ہیں، میں نے حضرت ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ خوف کے صحیح معنیٰ ہیں گناہوں سے ظاہر اور باطن میں بچنا۔

(۴) نیز آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنے نفس کو امید پر برانگیختہ کیا وہ ناکارہ ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو خوف پر آمادہ کیا وہ مایوس ہو گیا۔

(۵) اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا، گویا کوئی کہنے والا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اے ابو عثمان! مفلسی میں خدا سے ڈرا اگرچہ تل کے برابر۔

(۶) اور آپ سے منقول ہے کہ فرمایا: عوام کا اخلاص یہ ہے کہ نفس کسی حال میں محظوظ نہ ہو اور خواص کا اخلاص یہ ہے کہ اعمال ان پر جاری ہوتے ہیں نہ کہ ان کی وجہ سے، لہٰذا طاعتیں ان سے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ ان سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں، نہ تو ان کی توجہ ان اعمال پر رہتی ہے نہ ان کو شمار میں لاتے ہیں۔

(۷) اور فرمایا کہ راہِ طریقت میں انسان پر جو امور لازم ہیں، ان میں سب سے بہتر یہ ہے کہ نفس کا محاسبہ کرے، ہر حال میں تصور کرے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور علم کے ذریعے عمل کی نگرانی کرے۔

(۸) جب توبہ صادق ہوتی ہے تو خدا کی طرف رجوع لانا درست ہوتا ہے۔

(۹) اور فرمایا کہ عارف کے لیے علم کے انوار و تجلیات روشن ہو جاتے ہیں جس سے وہ عالمِ غیب کے عجائب کا مشاہدہ کرتا ہے۔

(۱۰) اور فرمایا کہ بزرگوں کی بارگاہوں اور اولیائے عظام کی صحبت میں ادب انسان کو بلند درجات اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے ہم کنار کرتا ہے۔

﴿دربارۂ الوہیت خصم کا سوالِ اینیت اور اس کا مسکت جواب﴾

آپ کے خادم محمد بن محبوب کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابو عثمان مغربی نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمد! اگر تم سے کوئی کہے کہ تمہارا معبود کہاں ہے، تو کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ میں کہوں گا: جہاں ازل میں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اگر سائل کہے کہ ازل میں کہاں تھا، تو کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ میں کہوں گا: جہاں اب ہے یعنی وہ اس وقت تھا کہ کوئی مکان نہ تھا تو آج بھی وہ اسی صفت پر ہے جیسا اس وقت تھا۔ یہ سن کر آپ مجھ سے اتنے راضی ہوئے کہ اپنی چادر مبارک اتار کر مجھے عنایت فرمائی۔

﴿دربارۂ الوہیت اعتقادِ جہت سے رجوع﴾

شیخ عبداللہ یافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عارف باللہ شیخ کبیر حضرت ابو عثمان مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، آپ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے شمہ بھر جہت کا اعتقاد رکھتا تھا۔ پھر جب میں بغداد آیا تو میرے دل سے یہ دور ہو گیا لہذا میں نے مکہ معظمہ اپنے اصحاب کو لکھا کہ میں از سر نو مسلمان ہوا ہوں۔

(۲) حضرت شیخ ابو مدین مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی افضلیت﴾

نیز امام یافعی فرماتے ہیں کہ بعض مشائخِ یمن حضور پر نور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت رکھتے ہیں اور بعض مشائخ شیخِ کبیر عارفِ شہیر حضرت ابو مدین مغربی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے نسبت رکھتے ہیں، یہ (شیخ ابو مدین مغربی) شیخِ مغرب ہیں اور اول یعنی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخِ مشرق ہیں۔ آپ کے مناقب جلیہ کا یہ عالم ہے کہ گلوں کی پتیاں انہیں سمو نہیں سکتی ہیں نہ چمن کی ٹہنیاں انہیں تمام و کمال لکھ سکتی ہیں، اور مراتب رفیعہ کا یہ حال ہے کہ لگتا ہی نہیں کہ سرداران عرفا ان پر مطلع ہوں گے اور واصلین کے طریقے ان کا احاطہ کریں گے۔ اگر قلم آپ کے مراتب و مناقب لکھنے لگیں تو یقینا قاصر ہو جائیں اور انگلیاں انہیں حیطۂ تحریر میں لانا چاہیں تو کوتاہ دست ہو جائیں لیکن یہاں اس کان کے محض ایک نمونہ اور اس بحرِ بے کراں کے صرف ایک قطرہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شیخ جلیل حضرت ابو مدین شعیب دَکّاکی مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میری حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے اپنے ہم عصر مشائخ مغرب و مشرق اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ صدیقین کے پیشوا ہیں، عارفین پر حجت ہیں، روحِ معرفت ہیں اور اولیائے کرام میں ان کی شان نہایت عظیم ہے اور میں انہی کے ایما پر مراتبِ اولیا میں تصرف کرتا ہوں۔

﴿شیخ احمد گنج بخش مغربی پر فیضانِ غوثیت﴾

بندۂ بے مایہ احمد اسحاق مغربی عرض پرداز ہے ﴿اللہ تعالیٰ اپنی عنایات سے اس کی مدد فرمائے﴾ میں نے ماہ ربیع الآخر ۸۳۸ھ کی ساتویں شب میں ایک خواب دیکھا کہ ایک بزرگ قبلہ کی سمت سے میرے پاس تشریف لائے، ان کے ایک ہاتھ میں کلاہ اور دوسرے ہاتھ میں عمامہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ کون بزرگ ہیں؟ فرمایا کہ شیخ عبد القادر جیلانی۔ پھر انہوں نے مجھے کلاہ عنایت کی جسے میں نے اپنے سر پر رکھا بعدہ انہوں نے عمامہ کا ایک سرا میرے ہاتھ میں دیا اور دوسرا سرا اپنے دست مبارک میں تھاما تو میں نے عمامہ مکمل اپنے سر پر باندھا پھر میری آنکھ کھل گئی تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ مگر مجھے اس خواب کے بارے میں تشویش لاحق تھی، ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک بزرگ فقیہ میری رہائش گاہ کے قریب دروازہ پر نماز پڑھ رہے ہیں، مجھے لگا کہ وہ گھر میں آئیں گے کہ میری آنکھ کھل گئی تو دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو واقعی وہ اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے، اب مجھے یقین ہو گیا کہ خواب کے لیے تاثیر ہوتی ہے۔

﴿حضرت ابو بکر ابن ہُوارا کی خواب میں خرقہ پوشی﴾

مشائخ کرام سے خواب کے جو واقعات وارد ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ حضرت شیخ ابو بکر بن ہُوارا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی تو عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میری خرقہ پوشی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابن ہوارا! میں تمہارا نبی ہوں اور حضرت ابو بکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے شیخ ہیں پھر ارشاد فرمایا کہ ابو بکر! اپنے ہم نام ابن ہُوارا کی خرقہ پوشی کرو جیسا کہ تم اس پر مامور ہو۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں چادر اور کلاہ پہنائی اور اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیرا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ پھر ان کی آنکھ کھل گئی اور ان کے سر پر مسّے تھے مگر اب وہ نظر نہیں آرہے تھے۔

﴿حضرت علی ابن وہب کی خواب میں کلاہ پوشی﴾

از آنجملہ یہ واقعہ بھی ہے کہ شیخ کبیر عارف باللہ حضرت علی ابن وہب سنجاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

میں نے خواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی! تمہیں یہ کلاہ پہنانے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے اپنی آستین سے کلاہ نکال کر میرے سر پر رکھی پھر میری آنکھ کھل گئی۔

﴿حضرت ابو محمد صالح دَکّاکی اور حضور غوثیت مآب﴾

شیخ جلیل حضرت ابو محمد صالح دَکّاکی مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ مجھ سے سیدی شیخ ابو مدین قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا کہ بغداد کا سفر کرو اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضری دو تاکہ تمہیں فقر کی تعلیم دیں۔ یہ سن کر میں نے بغداد کے لیے رختِ سفر باندھا اور جب میں نے ان کا دیدار کیا تو ایک ایسی ذات کو دیکھا جس سے زیادہ پر ہیبت اور بارعب بزرگ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھے خلوت میں تین چلے کرائے پھر آکر فرمایا کہ صالح! اس طرف دیکھو اور قبلہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا: جی! ارشاد فرمایا: کیا دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کعبہ۔ پھر فرمایا کہ ادھر دیکھو اور مغرب کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ جی! فرمایا: کیا دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: شیخ ابو مدین۔ فرمایا: کہاں جانا چاہتے ہو وہاں یا یہاں؟ میں نے عرض کیا کہ شیخ ابو مدین کے پاس۔ فرمایا: ایک قدم میں جانا ہے؟ یا جیسے آئے تھے؟ میں نے عرض کیا: بلکہ جیسے آیا تھا۔ فرمایا: اس میں زیادہ کمال ہے۔ پھر فرمایا: صالح! اگر تم فقر کے طالب ہو تو جب تک اس کے زینہ پر قدم نہ رکھو کبھی اسے نہیں پاسکتے اور فقر کا زینہ توحید ہے اور مدارِ توحید یہ ہے کہ چشم باطن میں ابھرنے والے تمام حوادث کو محو کر دو۔ میں نے عرض کیا: حضور! اس وصف میں میری دست گیری فرمائیں، تو انہوں نے مجھے ایک نظر دیکھا اور میرے دل سے خواہشات کے جذبات ایسے چھٹ گئے جیسے دن کے جلوہ افروز ہونے سے تاریکی چھٹ جاتی ہے اور ہنوز میں اس نگاہ سے فیضیاب ہوتا ہوں۔

﴿باغ میں بے موسم کے انگور﴾

شیخ ابو مدین شعیب دَکّاکی مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں ہے کہ شیخ کبیر مشہور عارف ربانی حضرت ابو محمد صالح دَکّاکی مغربی جو مرشدی فقیہ ابو العباس احمد بن قریش تِلِمسانی کے استاذ اور مرشد ہیں،

فرماتے ہیں کہ چند لوگ مشرق سے شیخ کبیر حضرت ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں وارد ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں انگور کی خواہش ہے، اس وقت مغرب میں انگور کا موسم نہیں تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: صالح! باغ میں جاؤاور وہاں سے انگور لے کر آؤ۔ میں نے عرض کیا: بندہ نواز! ابھی ابھی میں باغ سے آیا ہوں، اس میں انگور رہے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم ضرور وہاں انگور پاؤ گے۔ یہ سن کر میں باغ میں گیا تو میں نے انگور سے لدی ہوئی بیلیں پائیں گویا کہ وہ انگوروں کی بہتات اور فراوانی کے زمانے میں ہوں اور بخدا کچھ دیر قبل میں وہاں سے آیا تھا تو انگور کا ایک دانہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بہت ساری بیلیں اٹھالیں اور لیکر حاضر خدمت ہوا تو وہ لوگ کھانے لگے اور میں بھی ان کے ہمراہ انگور کھانے لگا تو محسوس ہوا کہ وہ عجم کے نہیں تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ سچ مچ ہمیں انگور کھانے کی خواہش تھی اور ہمیں معلوم تھا کہ مغرب میں بجز آپ کے اور کوئی ہمیں اس سے سیر نہ کرے گا۔

﴿مچھلی کا منہ میں انگوٹھی لاکر دینا﴾

شیخ جلیل سلیمان بن عبدالوہاب مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ شیخ ابو مدین مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز ساحل پر بیٹھے وضو کر رہے تھے اور آپ کی انگشت مبارک میں انگوٹھی تھی، وہ پانی میں گر گئی تو آپ نے عرض کیا کہ پروردگارا! مجھے اپنی انگوٹھی چاہیے، فوراً ایک مچھلی منہ میں انگوٹھی لیے نمودار ہوئی اور آپ نے اسے لے لیا۔

﴿شکستہ توشہ دان کا درست ہو جانا﴾

ایک مرتبہ آپ سیر کر رہے تھے، دست مبارک میں توشہ دان تھا اور اس میں بھیگے سَتُّو تھے کہ توشہ دان آپ کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے اور سَتُّو زمین پر بکھر گئے، آپ رک گئے اور عرض کیا: پروردگارا! مجھے توشہ دان چاہیے، اتنا کہنا تھا کہ توشہ دان بالکل درست ہو گیا اور اس میں سَتُّو بھی موجود تھے۔

﴿کر بھلا، ہو بھلا﴾

حضرت شیخ ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی پہاڑ میں ایک تنگنائے سے گزر رہا تھا جو پہاڑ سے بالکل سٹا ہوا تھا اور وہ ایک ہی راہ گزر کی گنجائش رکھتا تھا کہ ناگہاں میں نے ایک شیر کو آتے ہوئے دیکھا، نہ اس کے لیے کوئی چارہ تھا نہ میرے لیے کیونکہ اس تنگنائے میں واپسی ممکن نہ تھی، میں نے دل میں کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَه﴾ یعنی کہ جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا۔ اور میں اس وقت اسی ارشاد پر عمل کروں، یہ سوچ کر میں نے اپنے ہاتھوں کو پہاڑ کے کنارے پر رکھا اور شکم کو راستہ سے جدا رکھا اور پیر کی انگلیوں کا سر اراستہ کے سرے پر رکھا تو وہ بمشقت میرے اور پہاڑ کے بیچ سے گزر سکا۔ میرے دل نے کہا کہ اس نے تجھے دیکھا نہیں، فوراً اس نے اپنا سر میری طرف کیا اور زور زور سے چنگھاڑنے لگا۔ میں نے کہا! کیوں نہیں! یقیناً تو نے مجھے دیکھا ہے۔ اب بسلامت گزر جا۔

﴿محفل وعظ کا سماں﴾

شیخ جلیل عارف حق آگاہ ابو اسحاق ابراہیم بن شیخ فاضل ابو العباس احمد بن محمد انصاری تِلِمسانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بتایا کہ میں نے اپنے شیخ حضرت ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک محفل میں وعظ کرتے ہوئے سنا اور محفل پُر انوار، پُر بہار، پُر وقار، پُر شکوہ اور شرفا و اولیا سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ فقیہ ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد حضرمی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شیخ فاضل وعظ گو ابو العباس احمد بن سلامہ قرشی تِلِمسانی، شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں زیارت کی غرض سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیے۔ تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نفس کی جائے حرص دکھائے حالانکہ ابو العباس بہت داد و دہش کرنے والے اور فیاض طبیعت تھے۔ ابو العباس وہاں سے لوٹے اور سوچنے لگے کہ اگر شیخ مجھ میں حرص نہ جانتے تو یہ نہ فرماتے پھر وہ بال مونڈانے کے لیے نائی کی دکان پر آ کر بیٹھے، جب نائی بال مونڈ کر فارغ ہوا تو ایک شخص سو دینار لے کر ان کے پاس آیا، ابو العباس نے وہ سب نائی کو دیدیئے اور کہا کہ یہ دیکھو! سو دینار ہیں تو نائی نے کہا کہ یہی وہ مقام حرص ہے جو تم سے

شیخ ابو اسحاق نے فرمایا تھا۔ یہ سن کر ابو العباس کہنے لگے کہ مجھے حرص کے بارے میں بتاؤ۔ نائی نے کہا: صوفیہ کے نزدیک حرص یہ ہے کہ دانگ اور سو دینار میں فرق کیا جائے، اگر تمہارے دل میں حرص نہ ہوتی تو شیخ ابو اسحاق تمہیں اس پر متنبہ نہ کرتے۔ ابو القاسم کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر آئے اور کامل ایک سال تک اس طرح خانہ نشیں رہے کہ نہ کسی سے گفتگو کرتے اور نہ بجز نماز جمعہ کے باہر نکلتے پھر لوگوں نے ان کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ انہیں وعظ و نصیحت فرمائیں مگر وہ نہ مانے، جب لوگ ان کے درپے ہوئے تو وہ نکلے اور گھر میں بیری کے درخت کے پاس آئے جہاں چڑیاں تھیں۔ جب چڑیوں نے انہیں دیکھا تو اڑ گئیں، یہ دیکھ کر وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے اور فرمایا کہ اگر میں تمہیں وعظ و نصیحت کرنے کا اہل ہوتا تو یہ پرند مجھ سے بھاگتے نہیں کیونکہ جس کے دل میں خوف الہی بس جاتا ہے اس سے ہر چیز بے خوف ہو جاتی ہے، پھر وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے اور سال بھر خلوت نشین رہے پھر نکلے تو چڑیاں اڑیں نہیں۔ اب انہوں نے لوگوں کو وعظ و نصیحت شروع کی۔ راوی (ابو اسحاق کے والد) کہتے ہیں: ابھی شیخ ابو مدین نے اپنی گفتگو مکمل نہ فرمائی تھی کہ کچھ چڑیاں آئیں اور ارد گرد منڈلا کر پھر آپ کے پاس آ رکیں، یہ دیکھ کر آپ وجد میں آ گئے اور یہ اشعار گنگنانے لگے۔

(۱) اس شخص کا درد و کرب جسے گوناگوں بیماریاں ہیں اور اس کا خوف وہراس جس سے تقاضا کیا جائے اور اس کی دہشت جس کے پاس ناگہاں آیا جائے اور اس کا غم واندوہ جو شکستہ دل ہے۔

(۲) اور اس کا سوز جو مشتاق ہے اور اس کی آہ وفغاں جو بے خود اور شیفتہ ہے اور اس بیمار کی لغزش جس کا کوئی طبیب نہیں۔

(۳) اور اس کی فکر جو گردش کرنے والا ہے اور اس غواص کی دانائی جو نیند کی لذت سے بہرہ ور نہیں ہوتا ہے

(۴) مجھے اس دل پر درد و کرب ہوا جسے حوادث شوق نے اس قدر سرگرداں کر دیا کہ وہ ذلیل ہو کر رہ گیا جیسے کوئی غریب الوطن ہو۔

(۵) وہ گریہ وزاری کرنے لگا پھر ہمیں مغموم کر دیا اور وہ اس محبت کو چھپاتا ہے جو عاشق کے دل میں

جاگزیں اور پنہاں ہو گئی۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ مجمع میں طوفان برپا ہو گیا اور اہل محفل میں کہرام مچ گیا اور ان پرندوں میں سے ایک پرندہ اپنے پروں کو پھڑپڑا تا رہا حتی کہ گر کر مر گیا اور حاضرین میں سے بھی ایک شخص نے دم توڑ دیا۔

﴿ابدال و عارفین کا تقابل اور توحید کی حقیقت﴾

شیخ صالح ابی عبد اللہ محمد بن حجاج مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرشدی شیخ ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی محفل میں فرمایا: تمام ابدال عارفین کے قبضے میں ہوتے ہیں کیونکہ بدل کی سلطنت آسمان سے زمین تک ہوتی ہے اور عارف کی حکومت عرش الٰہی سے تحت الثریٰ تک ہوتی ہے۔ اور عارفین کے بالمقابل ابدال کے مناقب ایسے ہیں جیسے خیرہ کن بجلی کا صرف پل بھر چمکنا اور مقامِ معرفت بارگاہِ ربوبیت کا قرب طلب کرنے اور قدسی مجالس کی نزدیکی چاہنے کا نام ہے۔ پھر فرمایا کہ توحید وہ سر ہے جو کونین کو محیط ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب رات ہوئی تو مجھے کشف کے ذریعہ دکھایا گیا کہ میں شیخ ابو مدین، شیخ ابو حامد غزالی، شیخ ابو طالب مکی، شیخ بایزید بسطامی، شیخ ابو عبد الرحمن سُلَمی اور صوفیا وابدال کی ایک جماعت کے جلو میں ہوں۔ انہوں نے شیخ ابو مدین سے کہا کہ ہمیں توحید کے متعلق اپنے باطن کی حقیقت سے آگاہ کرو۔ آپ نے فرمایا کہ میرا باطن بحر الٰہی سے حاصل کردہ اسرار کو سربستہ رکھے ہوئے ہے جن کا نااہلوں پر افشا غیر مناسب ہے کیوں کہ اشارہ ان کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہے، لہٰذا غیرت خداوندی کو یہی منظور ہوا کہ انہیں سربستہ رکھا جائے۔ یہ وہ اسرار ہیں جو موجودات کو محیط ہیں، ان کا وہی ادراک کر سکتا ہے جس نے راہ مولیٰ میں اپنے وطن کو خیر آباد کر دیا ہے یا جو عالم حقیقت میں اپنے باطن کے ذریعہ موجود ہے اور عالم ملکوت کی فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے حیات جاودانی میں کروٹیں لیتا ہے اور اسماو صفات الٰہیہ سے متصف ہو کر اور مشاہدہ ذات میں فنا ہو کر عالم جبروت کے سراپردوں میں سیر کرتا ہے۔ یہاں میرا قرار، میرا وطن، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرا مسکن ہے اور حق تعالیٰ میرے لیے ہر چیز سے کافی ہے چنانچہ اس نے میرے سراپا میں قضاو قدر کے عجائب کو نمایاں فرمایا اور حفظ و

امان اور توفیق کی توجہ مجھ پر فرمائی اور تحقیق کے سربستہ رازوں کو میرے لیے منکشف کر دیا، لہذا میری زندگی توحید سے قائم ہے اور میرے اشارات تفرید کی طرف ہوتے ہیں اور میری روح علم غیب میں راسخ ہے۔ میرا مولا فرماتا ہے: اے شعیب! ہر دن میرے بندوں پر نوبہ نو ہے اور ہمارے یہاں مزید رکھا ہے۔ یہ سن کر سب نے کہا: اے ابو مدین! اللہ تعالیٰ تمہارے انوار اور بڑھائے۔

﴿مناقب ومحاسن﴾

شیخ امام عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر مشائخ عارفین، سرداران مقربین اور اجلۂ محققین سے تھے۔ پسندیدہ احوال، بلند مقامات، خرق عادت کرامات، انفاس حقہ، بلند عزائم، برکات کثیرہ، فتح عظیم، روشن کشف، عمدہ خوبیوں اور بے پایاں دادودہش کے مالک تھے۔ تمکین میں راسخ قدم، تصرف نافذ فی الوجود میں بلند پایہ، فضل وکمال کے بلند وبالا مقامات تک پیش قدمی کرنے میں ید طولیٰ، شراب وصال کے جام سے بھی شیریں چشمہ، خورشیدِ انوار کی نمود گاہ اوراسرار ورموز کے آبشار کا سرچشمہ تھے۔ جن کے فضائل وکمالات کا چرچا کرتے ہوئے قافلے آفاق عالم میں رواں اور جن کی بزرگی پر سب متفق ویک زباں ہیں اور جن کی مہک اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور بھی آپ کے اس قدر مناقب ہیں جن کو بالاستیعاب شمار کرنے سے مداحوں کی تعداد قاصر رہے گی۔

﴿فصاحتِ لسان﴾

شیخ کبیر مشور عارف ربانی ابو عبد اللہ قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے شیخ ابو مدین سے شرف ملاقات حاصل کیا، شیخ کلام فصیح کے مالک اور عالی ہمت بزرگ تھے۔ میں ان کے یہاں رہا، ان کی مجلسِ وعظ میں حاضر ہوتا اور ان کے ملفوظات سنتا۔

آپ کے ملفوظات:

(۱) حضرت شیخ ابو مدین شعیب مغربی رضی اللہ عنہ کے ملفوظات میں سے یہ ہے کہ مقربین اپنے قرب پر نازاں ہیں اور اہل محبت اپنی محبت میں سزائیں پاتے ہیں۔

(۲) اور جو خلق خدا کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے نکلے قبل اس سے کہ کوئی حقیقت اسے اس طرف داعی ہو تو وہ مبتلائے فتنہ ہو گا۔

(۳) اور جسے تو خدا کے ساتھ کسی حال کا دعویدار دیکھے حالانکہ ظاہراً اس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ایسے شخص سے چوکنّا رہ۔

(۴) اور جب حق کا ظہور ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا غیر باقی نہیں رہتا ہے۔

(۵) اور دل کے لیے ایک ہی مرکزِ توجہ ہوتا ہے، لہذا جس طرف وہ اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے اس کے ماسوا سے اس کے لیے روک کر دی جاتی ہے۔

(۶) اور جب خوف دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو وہ مراقبہ کا باعث ہوتا ہے۔

(۷) اور جس کے لیے عبودیت متحقق ہوتی ہے وہ اپنے افعال کو بنظر ریا اور اپنے احوال کو بنگاہ دعوی اور اپنے اقوال کو بچشم افترا دیکھتا ہے۔

(۸) اور جس پر حظوظِ نفس کا تھوڑا سا اثر بھی باقی ہے وہ خالص حریت تک نہ پہنچے گا۔

(۹) اور آپ کے ملفوظات میں یہ بھی ہے کہ تو اس پر دھیان رکھ کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے اور اپنے مشاہدے پر دھیان نہ رکھ۔

(۱۰) فقر توحید کی علامت اور تجرید کی دلیل ہے، اور فقر یہ ہے کہ تو اس کے سوا کسی اور کا مشاہدہ نہ کرے، اور فقر نور ہے تاوقتیکہ تو اسے مخفی رکھے، جب تو اسے ظاہر کرے گا تو اس کا نور زائل ہو جائے گا۔

(۱۱) اور جسے دینے سے زیادہ لینا پسند ہو، وہ بوئے فقر نہ پائے گا۔

(۱۲) اور اخلاص یہ ہے کہ مشاہدۂ حق میں مخلوق تجھ سے روپوش ہو جائے۔

(۱۳) اور جس نے کسی سے شناسائی حاصل کی اسے خدائے وحدہ کی معرفت حاصل نہیں ہوئی۔

(۱۴) اور حق تعالیٰ سے نہ کوئی باعتبار علم و قدرت کے جدا ہے، نہ باعتبار ذات و صفات کے متصل ہے۔

(۱۵) اور جسے معرفت کے قابل نہیں سمجھا جاتا ہے، اسے اعمال کی نگرانی میں مشغول رکھا جاتا ہے۔

(۱۶) اور جو بارگاہِ حق سے سنتا ہے وہ اسی کی جانب سے پہنچاتا ہے۔

(۱۷) اور شہید اپنی مرادیں دیکھتا ہے تو شاد شاد ہوتا ہے اور میت اپنے اعمال کو دیکھتا ہے تو مضطرب اور بے قرار ہوتا ہے کہ اِسے قبول ورد کا خوف دلایا جاتا ہے اور اُسے اللہ کی رحمت اور خوشنودی کا مزدہ سنا کر مشرف کیا جاتا ہے۔

(۱۸) اور فرماتے ہیں کہ حق قِدَم وربوبیت کے ذریعہ خلق سے ممتاز ہے جیسا کہ خلق اس سے حدوث وعبدیت سے ممتاز ہے۔

(۱۹) اور فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ نفس کے لیے جاننا، فرشتے کے لیے لکھنا، شیطان کے لیے بہکانا اور خواہش نفس کے لیے لبھانا تک مخفی رہے۔ اور فقر فخر ہے، علم غنیمت ہے، خموشی نجات ہے، مایوسی راحت ہے، قناعت دولت ہے، زہد عافیت ہے، حق تعالیٰ کو فراموش کرنا خیانت ہے اور اس سے غفلت دناءت ہے، اس کے ساتھ حضوری جنت ہے اور اس سے غَیبت دوزخ ہے، اس کا قرب لذت ہے اور اس سے دوری حسرت ہے، اس سے الفت زندگی ہے اور اس سے وحشت موت ہے اور گمنامی بندے پر نعمت ہے، اگر وہ یہ جانتا تو ضرور اس کی قدر کرتا۔

(۲۰) اور صحتِ توبہ سے قبل ارادت کی طلب غفلت ہے۔

(۲۱) اور جو کسی واصل کی راہ کاٹے تو وہ خود کاٹ کر رکھ دیا جائے گا، اور جو قربِ الٰہی میں محو رہنے والے کو اس سے مشغول رکھے تو اسے اللہ تعالی کی ناراضگی آلے گی۔

(۲۲) اور کم اعمال واحوال والا یا فرمایا کہ اعمال واحوال میں لاپرواہی برتنے والا قرب الٰہی کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

﴿بارگاہ الٰہی میں مناجات﴾

آپ یہ دعا کرتے کہ خدایا! بے شک علم تیرے پاس ہے اور مجھ سے روپوش ہے اور میں کسی چیز کو نہیں جانتا ہوں کہ اسے اپنے لیے اختیار کر سکوں اور میں نے اپنا معاملہ تیرے حوالے کر دیا ہے اور میں نے

اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے تجھ سے امید باندھی ہے تو خدایا! مجھے اس کام کی رہنمائی فرما جو تجھے سب سے زیادہ محبوب، تیری بارگاہ میں سب سے پسندیدہ اور اچھے انجام والا ہے کہ تو جو چاہے کرے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿حمدِ الٰہی﴾

آپ کے چند اشعار یہ ہیں:

(۱) اے وہ ذات جو برتر و بالا ہے تو اس پر ظاہر ہیں جو چھپی ہوئی چیزیں ہیں اور جو نمناک مٹی کے نیچے ہے حالاں کہ رات کی تاریکی دراز ہے۔

(۲) تو ہی چارہ ساز ہے جس کے لیے راہیں تنگ ہو گئیں اور تو ہی اس کا رہنما ہے جسے تمام تدبیروں نے سرگرداں کر دیا۔

(۳) بے شک ہم نے امیدیں باندھے تیرا قصد کیا اور ہر ایک رنج والم میں نالہ و فریاد کرتے اور آہ و زاری کرتے ہوئے تجھے پکارتا ہے۔

(۴) اگر تو درگزر فرمائے تو تُو فضل و کرم فرمانے والا ہے اور گرفت فرمائے تو تُو ہی عدل فرمانے والا حاکم ہے۔

﴿مژدۂ جاں فزا﴾

آپ کے خطاب میں سے یہ بھی ہے کہ فرمایا: مجھے میرے رب عزوجل نے اپنے حضور کھڑا کر کے فرمایا کہ شعیب! تمہارے داہنے کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ پروردگارا! تیری عطا، فرمایا کہ تمہارے بائیں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ پروردگارا! تیری قضا، فرمایا کہ اے شعیب! میں نے تمہارے لیے اُسے دُگنی کر دیا اور اِسے بخش دیا۔ مژدہ ہو اس کے لیے جس نے تمہیں دیکھا یا تمہارے دیکھنے والے کو دیکھا۔

﴿منظوم خراج در شان شیخ ابی مدین﴾

جن اشعار میں آپ کی مدحت کی گئی ہے ان میں مغرب کے بعض علمائے صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایک یہ قصیدہ ہے:

(۱) سچ مچ ہمارے لیے ہدایت کے آثار نمودار ہوئے تو اس خورشیدِ دین کی بدولت ہمارا مغرب روشن ہو گیا۔

(۲) اور وہاں کی ہر چیز منور ہو گئی جو لب بام تھی اور نور سعادت نے آفاقِ عالم کو پر کر دیا۔

(۳) یہ وہ مقدس جماعت ہے کہ ان کا دور والا ہمنشیں بھی نامراد نہیں ہوتا ہے، بھلا جو ان کے قرب سے بہرہ ور ہو، کیا وہ ناکام رہے گا؟

(۴) اے ابو مدین! تمہارے دین کے حضور ایک گروہ نے اپنی گردنیں خم کیں تو تم نے ان سے پیار و محبت سے دوستی کی اور نرمی سے انہیں قریب کیا۔

(۵) تیرے لیے اللہ کی حفظ و امان رہے اے وہ آفتاب جس کی ضوفشانی سے دین تاریک اور بے نور ہو جانے کے بعد پھر روشن و تابناک ہو گیا۔

(۶) تم نے ایسے دلوں کو جل تھل کر دیا جو بارہا پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے تو تم نے ان پر بارانِ ہدایت کی بوچھار کی۔

(۷) ان میں جو بے جان تھے تم نے ان سب میں جان پیدا کر دی اور جو عروج کے قابل نہ تھے ان سب کو عروج عطا کیا۔

(۸) اور انہیں ہر قسم کی جہالت و تاریکی سے نکالا تو جب بھی تاریک رات چھائی تم برق نما روشن ہوئے۔

(۹) اور انہیں توکل کی پناہ گاہ میں لے گئے تو وہ پراگندہ ہونے لگے پھر زبردست ذات نے مضبوط بندش کے ذریعہ انہیں تھام لیا۔

(۱۰) اے شعیب! تم نے علم کے ذریعہ ہمارے دلوں کو جل تھل کر دیا تو تمہارا اسم گرامی شعب القلوب (یعنی دلوں کی وادی) سے بنا ہے۔

یہ اس قصیدے کے دس اشعار ہیں، انہیں پر میں اکتفا کرتا ہوں۔

﴿مقام ومرتبہ﴾

شیخ کبیر عارف ربانی ابوالحجاج اَقْصُرِی رحمۃ اللہ علیہ سے بسند متصل مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ ابو محمد عبدالرزاق مغربی کو فرماتے سنا کہ ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام سے میری ملاقات ۵۸۰ھ میں مغرب کے بیابانوں میں ہوئی۔ میں نے ان سے اپنے شیخ حضرت ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اس دور میں صدیقین کے پیشوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان اسرار کی کنجیاں عنایت فرمائیں ہیں جنہیں قدسی حجابات کے ذریعہ سربستہ رکھا گیا ہے۔ اس دور میں ان سے بڑھ کر رسولوں کے اسرار کا جامع کوئی نہیں ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ کے بعد شیخ ابو مدین کا وصال ہو گیا۔

﴿حضور غوث اعظم کی افضلیت مطلقہ﴾

حضرت خضر علیہ السلام کا ارشاد جملہ معاصرین پر ان کی فضیلت و تفوق کی نشاندہی کرتا ہے اور شک نہیں کہ یہ ارشاد حضور پرنور سیدنا وسندنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد کا ہے کیوں کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۵۶۰ھ میں ہوا ہے اور آپ اولیائے دوراں سے مطلقاً افضل تھے اور بعض اجلۂ مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو مدین اپنے وصال سے قبل قطبیت کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

(۳)امیر المؤمنین یعقوب منصور مُوَحِّدی:

﴿یعقوب کی توبہ﴾

مروی ہے کہ شہنشاہِ مغرب حضرت یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے باطن میں کچھ خوشنما آثار دکھائی دیے اور چند ایسے قلبی واردات محسوس ہونے لگے جو مریدوں کے احوال سے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ انہوں نے ناحق ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا پھر انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی جو ان کے لیے توبہ کا باعث ہوئی، ایسی توبہ جس سے ان کے قلب میں عمدہ احوال ظاہر ہوئے اور جس کے نتیجہ میں ان کے باطن میں

ایک نامعلوم سی تبدیلی واقع ہوئی۔ انہوں نے ایک دایہ سے ان احوال کا شکوہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ مریدوں کے احوال ہیں، بادشاہ نے کہا: بھلا میں اپنے باطن کے ساتھ کیا شغل رکھوں اور کون میری تشخیص کرے گا اور میرا مُدَاوَا ہو گا؟ دایہ نے کہا کہ شیخ ابو مدین جو اولیائے زمانہ کے مقتدا ہیں، یہ سن کر یعقوب نے حضرت ابو مدین کو پیغام بھیجا کہ بادشاہ نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے اور آپ کے دامن میں آنا چاہتا ہے۔ لہذا یہ اس بات کا مقتضی ہوا کہ آپ اس کے بلاوے کو منظور فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم طاعت سلطانی سے اطاعت الٰہی بجالائیں گے اور میں اس کے پاس نہ پہونچ سکوں گا بلکہ "تِلِمسان" میں میرا وصال ہو جائے گا۔ اور شیخ اس وقت "بِجَایہ" میں تھے ،جب "تِلِمسان" پہنچے تو یعقوب کے پیادوں سے فرمایا کہ اپنے امیر کو میرا اسلام پیش کرنا اور کہنا کہ تمہاری شفایابی شیخ ابو العباس مَرینی کے ہاتھوں پر رکھی گئی ہے اور انہیں کے ہاتھوں تمہیں فائدہ پہونچے گا اور حضرت شیخ ابو مدین رضی اللہ تعالی عنہ کا "تِلِمسان" میں وصال ہو گیا۔ قاصدوں نے بادشاہ کے پاس جا کر شیخ ابو مدین کی وہ تمام باتیں بتائیں جو انہوں نے اس کے لیے وصیت فرمائی تھی۔ بادشاہ نے شیخ ابو العباس مرینی کی فوری طلبی کے لیے ہر طرف ہرکارے روانہ کیے حتی کہ انہوں نے آپ کو پالیا اور آپ کی طلبی کے بارے میں بتایا۔ آپ بارگاہ الٰہی سے بادشاہ کے ساتھ یکجا ہونے کا اذن پاکر دربار شاہی میں تشریف لے گیے اور بادشاہ سے ملے۔ وہ بے حد خوش ہوا پھر اس نے حکم دیا کہ ایک مرغ ذبح کیا جائے اور دوسرے مرغ کا گلا گھونٹ دیا جائے اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ پکایا جائے۔ پھر بادشاہ نے دونوں کو شیخ کے آگے رکھا اور عرض کیا کہ کھانا تناول فرمائیں۔ شیخ ابو العباس نے دونوں کو دیکھا اور خادم سے فرمایا کہ مخنوقہ (گلا گھونٹ دی جانے والی مرغی) کو اٹھالو اور فرمایا کہ یہ مردار ہے اور دوسرے کو تناول فرمایا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے ان کے آگے خود سپردگی کر لی اور ان کی غلامی اختیار کر لی اور ان کے ہاتھوں پر اسے کامیابی ملی اور سلطنت کو خیر آباد کر کے اپنے شہزادے کو سونپ دیا اور شیخ ابو العباس ہی کے ساتھ شغل رکھا حتی کہ اس کا قدم شیخ ابو العباس کی برکت اور شیخ ابو مدین کی نشاندہی کی بدولت ولایت میں راسخ ہو گیا۔ اللہ تعالی ان سب سے راضی ہو اور ہمیں ان سے مستفیض فرمائے۔

﴿یعقوب کی کرامت﴾

یعقوب کا ایک ماجرا یہ ہوا کہ لوگوں کو بارش کی سخت حاجت تھی تو حضرت ابو العباس نے ان سے بیرون شہر نکلنے کے بعد فرمایا کہ نماز پڑھو اور مسلمانوں کے لئے بارش کی دعا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ بندہ نواز! آپ اس کے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے پھر انہوں نے نماز پڑھ کر دعا کی، ابھی دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ بارش ہونے لگی۔

(۴) حضرت شیخ ابو یعزیٰ امغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿اللہ والے جس کے لیے جو چاہیں کر دیں﴾

شیخ جلیل ابو محمد صالح دکّالی مغربی سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ حضرت ابو مدین قُدِّسَ سِرُّہٗ کو ان کے مرشدِ گرامی و پیشوائے مکرم حضرت ابو یعزیٰ امغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں فرماتے سنا کہ مغرب میں قحط سالی کے ایام میں ہمارا ایک مصاحب شیخ ابو یعزیٰ امغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میری ایک زمین ہے جس کی کاشت کاری سے میری اور میرے اہل وعیال کی گزر بسر ہوتی ہے مگر اس میں سوکھا پڑ گیا ہے۔ یہ سن کر شیخ اٹھے اور اس کے ساتھ کھیت میں تشریف لائے اور اس میں چلنے لگے اور ایک نکیلی لکڑی لے کر اس سے کھیت کی چوحدی پوچھتے جاتے، وہ کہتا جارہا تھا کہ یہاں اور یہاں تک۔ ہوتے ہوتے آخری کونے پر پہنچے تو خاص اس زمین پر اس قدر بارش ہوئی کہ وہ بالکل جل تھل ہو گئی اور بارش وہاں سے آگے نہ ہوئی اور اس کے سوا آس پاس کی کسی زمین میں زراعت نہ ہوئی۔

﴿درند و پرند کے فریادرس﴾

نامی گرامی عارف ربانی شیخ ابو مدین مشکور قُدِّسَ سِرُّہٗ سے مروی ہے کہ جن دنوں بلادِ مغرب میں قحط پڑا تھا؛ میں شیخ ابو یعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صحرا میں اس شان سے تشریف فرما تھے کہ ارد گرد شیر وغیرہ بہت سے درندے اکٹھے تھے اور کوئی کسی کو گزند نہیں پہنچا رہا تھا اور سرہانے بکثرت پرندے تھے کہ ایک درندہ نے آگے بڑھ کر آواز لگائی گویا وہ آپ سے کچھ کہہ رہا ہو تو شیخ اس سے فرماتے ہیں

کہ تیرا رزق فلاں ہے اور فلاں جگہ پر ہے جسے سن کر وہ آپ کے سامنے سے چلا جاتا ہے حتی کہ اسی طرح آخر تک تمام وحوش وطیور آتے رہے۔ جب ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا تب میں نے عرض کیا کہ بندہ نواز! یہ کیا ماجرا ہے؟ فرمایا: شعیب! یہ وحوش وطیور اس قحط سالی میں مجھ سے شدید بھوک کی شکایت کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ میری ہمسائیگی ہی کو محبوب رکھتے ہیں اور بلاد مغرب کو چھوڑ کر کسی سرزمین میں رہنا پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے رزق اور اس کے اوقات ومقامات پر مطلع فرمایا ہے تو میں نے ان کو بتایا اور اب وہ اپنے اپنے رزق کے لیے نکل گئے۔

﴿جنگل کے راجا پر راج﴾

فقیہِ عابد شیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد افریقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ ابو یعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدائے حال میں بیابانوں میں پندرہ سال اس طرح بسر کئے کہ بجز خُبّازیٰ کے دانہ کے کچھ نہ کھاتے اور شیر آپ کی پناہ لیتے اور پرندے آکر آپ کے پاس ٹھہرتے اور جب شیر گائے کا شکار کرتے یا راستہ روک لیتے تو شیخ ابو یعزیٰ آتے اور شیر کا کان پکڑ کر کھینچتے تو وہ فروتن ہو کر آپ کی اطاعت بجالاتے اور آپ فرماتے: اے خدا کے کتو! یہاں سے چلے جاؤ تو وہ چلے جاتے حتیٰ کہ ان میں کوئی پھر وہاں قطعاً نظر نہیں آتا۔ چند لکڑہارے آپ کی خدمت میں شکایت لے کر آئے کہ جس جنگل سے وہ لکڑیاں کاٹتے ہیں وہاں بہت زیادہ شیر ہیں تو آپ نے خادم سے فرمایا کہ جنگل کے کنارے پر جا کر بآواز بلند پکارو کہ اے شیرو! ابو یعزیٰ کا حکم ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ، انہوں نے ایسا کیا تو سارے شیر جنگل سے اپنے بچوں سمیت جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی وہاں باقی نہ رہا اور پھر کبھی وہاں کوئی شیر دکھائی نہیں دیا۔

آپ کے ملفوظات:

(۱) شیخ ابو یعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملفوظات میں ہے کہ احوال سالکین کے مالک ہوتے ہیں، لہذا ان میں تصرف کرتے ہیں اور واصلین کے مملوک ہوتے ہیں، لہذا واصلین خود ان میں متصرف ہوتے ہیں۔

(۲) اور ہر وہ حقیقت جو بندے کا نام ونشان نہ مٹائے وہ حقیقت نہیں ہے۔

(۴) نیز آپ کے ملفوظات میں ہے کہ ولی ولی نہیں ہو سکتا ہے تاوقتیکہ اس کے لیے قدم؛ مقام؛ حال؛ منازلت اور سر نہ ہو۔ قدم یہ ہے کہ تم راہ حق میں گامزن ہو جاؤ اور مقام سے مراد جس پر تمہیں تمہاری تقدیر قائم رکھے جو علم الٰہی میں سبقت کر چکی ہے اور حال یہ ہے کہ وصول کے فوائد تمہارے طالب ہوں نہ کہ سلوک کے ثمرات اور منازلت یہ ہے کہ تمہیں خالص حضوری سے بغیر حجابات کے بوصف مشاہدہ خاص کیا جائے اور سر سے مراد وہ لطائفِ ازل جو تمہیں کلی استغراق واستہلاک کے طاری ہونے اور تمہارے وجود کے لاشئ ہو جانے کے وقت ودیعت کیے جائیں۔

﴿سلسلۂ ذکرِ شیخ احمد گنج بخش مغربی﴾

سندِ ذکر بواسطۂ شیخ جلیل ابوالعباس احمد بن قریش تِلِمسانی ہمارے شیخ عالم ربانی، فاضل حقانی، گرامی مرتبت بزرگ شیخ حاجی محمد مغربی کیمی تک پہونچی۔ آپ خانۂ کعبہ کے شیدائی تھے اور انہیں چالیس حج کی توفیق ملی اور ایک سو بیس سال تک بقیدِ حیات رہے۔ ان کے دو خادم تھے جو گوناگوں علوم وفنون میں کافی درک رکھتے تھے اور ان کی حیثیت طلبہ کے جھرمٹ میں وہی تھی جو ستاروں کے درمیان مہر وماہ کی ہوتی ہے۔ ایک شیخ امام عمر خُلفی اور دوسرے شیخ امام ابو محمد بیضاوی۔ اللہ ان سب سے راضی ہو اور ہمیں ان سے فیض یاب فرمائے۔ اور ان سے مرشدی وماوائی، عارف حق آگاہ، سالک علی الاطلاق شیخ ابو اسحاق تک پہونچی۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت کو معطر اور شاداب رکھے۔ آپ کے فضائل پردۂ خفا سے نکل کر کافی شہرت پا چکے ہیں اور خصائل اس قدر ہیں جن کا نہ کوئی حساب ہے نہ شمار اور سنو! میں خود اور دوسرے کئی حاضرینِ بارگاہ ان کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے جنہوں نے ان کے اوقات وحالات کو بچشم خود دیکھا۔ پھر ان سے اس بے مایہ احمد اسحاق مغربی تک یہ سند پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے اس کی مدد فرمائے اور اپنے کرم ورحمت سے اسے خاص فرمائے۔

(۵) شیخ ابو سلیمان مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿گدڑی میں لعل﴾

بعض مشائخ مغرب کے مناقب میں ایک روایت حضرت ابو سلیمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول

ہے، فرماتے ہیں کہ میں پہاڑ سے لکڑیاں لاد کر لاتا اور اس کے داموں سے اپنا گزارہ کرتا تھا اور میرا طریقہ تھا کہ اس میں احتیاط و تحری سے کام لیتا، ایک روز مجھے خواب میں مشائخِ بصرہ کی زیارت ہوئی جن میں حضرت امام حسن بصری، حضرت فرقد سبخی اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے۔ میں نے ان سے اپنی حالت کے بارے میں دریافت کیا اور عرض کیا کہ آپ حضرات مسلمانوں کے پیشوا ہیں، مجھے کوئی ایسا حلال رزق بتائیں جس میں نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تاوان ہو نہ مخلوق کا احسان ہو، تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے طَرَسُوس سے باہر ایک چراگاہ کی طرف لے گئے جس میں خُبّازیٰ تھی اور مجھ سے فرمایا کہ یہ ایسا حلال رزق ہے جس میں پروردگار کے یہاں نہ کوئی تاوان ہے نہ مخلوق کا احسان۔ یہ سن کر میں ایک سرائے میں رکا تین ماہ تک یہ سبزی کچی اور پکی ہوئی کھاتا رہا۔ پھر مجھے ایک خیال آیا تو میں نے کہا کہ یہ سرائے فتنہ ہے اور فوراً ہی وہاں سے باہر آگیا اور مزید تین ماہ یہی کھاتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے پاکیزہ دل سے شاد کام فرمایا حتیٰ کہ میں کہنے لگا کہ اگر اہل جنت اس دل کے ساتھ ہوں گے تو واللہ العظیم وہ عمدہ مقام میں ہوں گے اور میں لوگوں کی باتوں سے انس نہیں رکھتا تھا، ایک روز میں کسی حوض کی طرف نکلا اور وہاں بیٹھ گیا کہ اتنے میں ایک نوجوان لَامِسُ کی طرف سے بارادۂ طَرَسُوس آتا ہوا دکھائی دیا اور میرے پاس اسی لکڑی کے دام میں سے جسے میں پہاڑ سے لایا کرتا تھا کچھ اجزا باقی تھے۔ میں نے سوچا کہ میں خُبّازیٰ پر قناعت کر کے یہ حصہ اس فقیر کو دیدوں گا کہ جب وہ طَرَسُوس میں داخل ہو تو اس سے کھانے کی اشیا خرید سکے۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے دھجی نکالنے کی غرض سے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ یکایک فقیر نے اپنے لبوں کو جنبش دی اور کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ارد گرد کی ساری زمین سونا بن گئی جس کی چمک ایسی تھی کہ نگاہیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں اور مجھ پر اس کی ہیبت طاری ہو گئی پھر وہ آگے بڑھ گیا اور میں اس کی ہیبت سے اسے سلام نہ کر سکا پھر اس کے بعد ایک دن میں نے اسے طَرَسُوس سے باہر ایک برج کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھا اور اس کے سامنے پانی سے بھری ہوئی ایک چھاگل تھی، میں نے اسے سلام کیا اور اس سے نصیحت کی درخواست کی تو اس نے اپنا پاؤں پھیلایا اور پانی بہانے لگا پھر کہا کہ زیادہ گفتگو نیکیاں یوں جذب کر لیتی ہے جیسے زمین نے یہ پانی جذب کر لیا۔ اٹھو اب، اتنا تمہارے لیے بس ہے۔

(٦) شیخ ابوجوال مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿عقلمند دیوانہ﴾

ابوجوال مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس میں ایک پارسا شخص کے ہمراہ بیٹھا تھا کہ ناگہاں ایک نوجوان ہماری طرف آپہنچا اور بچے اردگرد سے اسے پتھر مارتے تھے اور اسے مجنون کہتے جارہے تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہوا اور یہ پکار رہا تھا کہ خدایا! مجھے اس دار فانی سے راحت عطا فرما۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ حکیمانہ کلام ہے، بھلا یہ حکمت و دانائی تمہیں کہاں سے؟ وہ کہنے لگا کہ جو خالص خدا کے لیے خدمت وعبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے حکمت کی زریں باتوں کا امین بناتا ہے اور اسبابِ عصمت سے اس کی مدد فرماتا ہے اور مجھے جنون ہے نہ لغزش مستانہ بلکہ خوف واضطراب ہے۔

(٧) شیخ جَبَلہ مغربی اور شیخ رُزَیق مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

﴿قرآن کی تاثیر﴾

ابوعبداللہ بن الجلّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ مغرب میں دو بزرگ تھے، دونوں کے اصحاب و تلامذہ تھے، ان میں سے ایک کا نام جَبَلہ اور دوسرے کا رُزَیق تھا۔ ایک روز رُزَیق اپنے اصحاب کے جلو میں جَبَلہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ رُزَیق کے مصاحبین میں سے کسی نے کوئی آیت پڑھی جس پر جَبَلہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے چینخ ماری اور اس کی روح پرواز کرگئی۔ جب صبح ہوئی تو جَبَلہ نے رُزَیق سے کہا کہ کہاں ہے جس نے کل پڑھا تھا؟ اسے کہو کہ کوئی آیت پڑھے۔ جب اس نے پڑھا تو جَبَلہ نے ایک چینخ لگائی جس سے قاری کا انتقال ہوگیا۔ تو جَبَلہ نے کہا کہ ایک کے بدلے ایک اور پہل کرنے والا حجاباتِ ظلمت زیادہ رکھتا ہے۔

(٨) شیخ محمد بن حسن مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿ایک کمسن ولی﴾

محمد بن حسن مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوعبداللہ بن جلّا کو فرماتے سنا کہ

میری والدہ نے ایک روز میرے والد سے مچھلی کی خواہش ظاہر کی، میرے والد مجھے اپنے ساتھ بازار میں لے کر گئے اور مچھلی خرید کی اور کھڑے ہو کر حمال کا انتظار کرنے لگے پھر ان کی نظر سامنے ہی کھڑے ایک بچے پر پڑی تو بچے نے کہا کہ چچا جان! کیا آپ کو قُلی چاہیے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ یہ سن کر اس نے مچھلی اٹھالی اور ہم چلنے لگے پھر ہم نے اذان کی آواز سنی تو بچے نے کہا کہ اذان ہو گئی اور مجھے وضو کر کے نماز پڑھنا ہے، اگر آپ راضی ہوں تو خیر ورنہ مچھلی اٹھا لیجیے۔ اس نے مچھلی کو رکھ دیا اور نماز کے لیے چلا گیا۔ میرے والد نے کہا کہ ہمیں بدرجۂ اولی مچھلی کے بارے میں توکل رکھنا چاہیے۔ پھر ہم مسجد میں گئے اور نماز ادا کی، اور بچہ نے بھی آکر نماز ادا کی۔ جب ہم مسجد سے نکلے تو دیکھا کہ مچھلی وہیں رکھی ہے، بچہ اسے اٹھا کر ہمارے ساتھ گھر کی طرف چل دیا۔ ہم نے اپنی والدہ سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اس سے کہو کہ ہمارے یہاں قیام کرے اور ساتھ میں کھانا کھائے۔ ہم نے اس سے کہا تو اس نے بتایا کہ میں روزے سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ شام کو آنا تو بولا کہ میں روزانہ ایک ہی بار مزدوری کرتا ہوں پھر دوبارہ نہیں کرتا ہوں، میں مسجد میں جارہا ہوں اور عشا تک وہیں رہوں گا پھر تمہارے یہاں آؤں گا۔ جب شام ہوئی تو وہ آیا اور ہم اس کے ساتھ شریکِ طعام ہوئے۔ جب ہم کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو ہم نے اسے وضو خانہ بتایا اور ہمیں لگا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے لہذا ہم نے اسے کمرے میں تنہا چھوڑ دیا۔ جب رات کا کچھ پہر گزرا تو ہمارے قریب کی ایک لڑکی جو اپاہج تھی چلتے ہوئے آئی۔ ہم نے اس سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ پروردگارا! تجھے ہمارے مہمان کی حرمت کا واسطہ؛ مجھے عافیت عطا فرما۔ اتنا کہنا تھا کہ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابن الجلاّ کہتے ہیں کہ ہم اس بچے کی جستجو کے لیے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ دروازے جوں کے توں بند ہیں اور وہ موجود نہ تھا۔ یہ دیکھ کر میرے والد نے کہا کہ اولیائے کرام میں بعض عمر دراز ہوتے ہیں اور بعض کم سن بھی ہوتے ہیں۔

(۹) شیخ ابو تمیم مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿خلوت کے شرائط﴾

حضرت ابو عبد الرحمن سُلَمی فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابو تمیم مغربی کو فرماتے سنا کہ جو صحبت پر

خلوت کو ترجیح دے تو چاہیے کہ وہ یادِ الٰہی کے سوا تمام تصورات سے اور رضائے الٰہی کے علاوہ تمام ارادوں سے دل کو خالی کرلے اور اس سے بھی کہ نفس جملہ اسباب میں اپنے حظوظ کے درپے رہے ورنہ خلوت اسے فتنہ یا مصیبت میں مبتلا کردے گی۔

(۱۰) شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿نرالی شان﴾

حضرت ابراہیم بن شیبان شاگردِ شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل مغربی کہتے ہیں کہ ہم شیخ ابو عبد اللہ کی صحبت میں رہتے تھے جب کہ ہم نوجوان تھے، شیخ ہمیں لے کر بیابانوں اور لق ودق صحراؤں کا سفر کرتے تھے اور وہ مُحرِم ہی رہتے تھے، جونہی احرام سے باہر ہوتے کہ پھر احرام باندھ لیتے نہ ان کا لباس میلا ہوتا نہ ناخن دراز ہوتے نہ بال لمبے ہوتے۔ بڑی نرالی شان کے بزرگ تھے، سالہا سال تک انسانوں کے ہاتھ کی زراعت نہیں کھائی۔ چند جڑی بوٹیاں لے کر انہی کو کھانا آپ کا معمول تھا۔ آپ کے ہمراہ ایک شیخ رہتے تھے جن کا نام حسن تھا اور ستر سال تک وہ آپ کی صحبت میں رہے۔ جب ہم میں کسی سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی جس سے آپ کی حالت غیر ہو جاتی تو ہم انہی کے توسل سے آپ کی بارگاہ میں سفارش کراتے تا آنکہ آپ اصل حالت میں آجاتے۔

آپ کے ملفوظات:

(۱) آپ فرماتے تھے کہ افضل ترین عمل یہ ہے کہ اپنے اوقات کو مراقبات میں اور ان اعمال میں صرف کیا جائے جن میں ظاہر اور باطن کی ہم آہنگی ہو۔

(۲) اور لوگوں میں ذلیل ترین شخص وہ فقیر ہے جو کسی مالدار کی خوشامد کرے یا اس کے لیے تواضع سے پیش آئے اور سب سے معزز وہ دولتمند ہے جو فقرا کے لیے عاجزی سے پیش آئے اور ان کی حرمت کی پاس داری کرے۔

﴿بادشاہ حقیقی کے حضور حیا﴾

آپ سے منقول ہے کہ میں نے ابن ابی الحَوارِی سے اور انہوں نے حضرت ابو سلیمان دارانی سے سنا

کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا: اے میرے بندے! جب تک تو مجھ سے حیا کرے گا میں لوگوں کی یاد سے تیرے عیوب محو کر دوں گا اور زمین کے خطوں کو تیرے گناہ بھلا دوں گا اور لوح محفوظ سے تیری لغزشوں کو مٹا دوں گا اور بروز قیامت تجھ سے خوب سختی کے ساتھ بازپرس نہ کروں گا۔ اور کہا گیا کہ ایک مرد صالح کو بیرونِ مسجد نماز پڑھتے دیکھ کر پوچھا گیا کہ تم مسجد میں نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مجھے خدائے تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس کے گھر میں داخل ہوں حالانکہ میں نے اس کی نافرمانی کی ہو۔

(۱۱) شیخ ابراہیم بن شیبان تلمیذِ ابوعبد اللہ مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿مسور اور آزمائش﴾

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس سال تک کسی چھت کے نیچے اور بند مکان میں رات نہیں گزاری اور بسا اوقات مجھے بھر پیٹ مسور کھانے کی خواہش ہوتی مگر کبھی ایسا اتفاق نہ پڑا۔ ایک بار میں ملک شام میں تھا، میرے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں مسور تھے۔ میں نے اس میں سے کچھ کھالیا اور وہاں سے نکلا کہ چند شیشیاں بطور نمونہ کے آویزاں دیکھیں اور ان شیشیوں میں کوئی چیز تھی، مجھے لگا کہ سرکہ ہے تو کسی نے کہا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ شراب کے نمونے ہیں اور یہ رہے مٹکے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ ایک فرض میرے ذمہ عائد ہو گیا پھر میں شراب فروش کی دکان میں جاکر مٹکوں کو بہانے لگا اور وہ اس خیال میں تھا کہ میں بحکم شاہی بہار رہا ہوں۔ جب اسے حقیقت معلوم ہوئی تو مجھے ابن طولون کے پاس لے گیا، اس نے مجھے دو سو دُرّے لگائے اور قید خانے میں ڈال دیا، ایک طویل عرصہ تک میں قید خانے میں رہا حتی کہ حضرت ابوعبد اللہ مغربی استاذِ شہر تشریف لائے اور میری سفارش فرمائی۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ تم نے کون سا جرم کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ بھر پیٹ مسور اور بدلہ میں دو سو کوڑے، یہ سن کر فرمایا کہ تم تو مفت میں چھوٹ گئے۔

آپ کے ملفوظات:

(۱) آپ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ جو شخص اعمالِ خیر سے جی چرانا اور بیکار رہنا پسند کرے تو اسے

چاہیئے کہ رخصتوں کو لازم کرلے۔

(۲) اور فرمایا کہ فنا اور بقا کا علم مخلصانہ توحید اور بندگی کی صحت پر دائر ہے اور بے ان کے جو کچھ ہے وہ مغالطہ اور بے دینی ہے۔

(۳) خدا کے نافرمان رذیل ہیں۔

(۴) اور فرمایا کہ جب خوف دل میں بس جاتا ہے تو خواہشات خاکستر ہو جاتیں ہیں اور حب دنیا دل سے نکل جاتی ہے۔

(۵) اور ابو بکر محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ بزرگی تواضع میں، عزت تقویٰ میں اور آزادی قناعت میں ہے۔

اور اسی مفہوم کا شعر صوفیۂ کرام نے گنگنایا ہے۔

ترجمہ: میں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی تو خواہشات نے مجھے اپنا اسیر بنالیا اور اگر میں قناعت کرتا تو یقینا آزاد ہوتا۔

(۱۲) شیخ منصور بن خلف مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿آغاز کے بجائے انجام پر نظر﴾

حضرت منصور مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ ابو سہل حشاب کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقر اور ذلت، میں نے کہا نہیں بلکہ فقر اور عزت۔ پھر انہوں نے کہا کہ فقر اور پستی، میں نے کہا نہیں بلکہ فقر اور بلندی۔

﴿وسوسہ اور اس کا علاج﴾

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد بن عطا روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ مجھے طہارت کے معاملہ میں نہایت غلو تھا اور یہ میرے لیے دشواری کا باعث تھا۔ ایک رات میں دل برداشتہ ہو گیا کہ بکثرت پانی بہایا پھر بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ پروردگارا! میں تجھ سے معافی کا

طلب گار ہوں تو میں نے ہاتفِ غیبی کو یہ کہتے سنا کہ عفو علم میں ہے، اتنا سننا تھا کہ میرا وسوسہ زائل ہو گیا۔

﴿حضرت خضر اور ایک نوجوان﴾

آپ نے فرمایا کہ بعض صالحین نے حضرت خضر کو دیکھ کر ان سے کہا کہ آیا آپ نے اپنے سے برتر کسی کو پایا ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں ! عبد الرزاق مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی احادیث بیان کر رہے تھے اور لوگ ان کے ارد گرد ہمہ تن گوش سن رہے تھے، میں نے کچھ دور ایک نوجوان کو دیکھا جو سر زانو پر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ دیکھو؛ عبد الرزاق حدیثیں بیان کر رہے ہیں، تم کیوں نہیں سنتے ہو ؟ نوجوان نے جواب دیا کہ وہ اس سے روایت کرتے ہیں جو ان کی نگاہ سے غائب ہیں اور میں ایک لحہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہوں، یہ سن کر میں نے کہا کہ جو تم کہہ رہے ہو اگر ایسا ہی ہے تو بتاؤ کہ میں کون ہوں ؟ اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ برادرم ابو العباس خضر۔ میں نے کہا کہ واقعی اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنہیں میں نہیں پہچان سکا۔

(۱۳) شیخ ابو الخیر اقطع رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿عمدہ احوال کے شرائط﴾

حضرت ابو الخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے ، آپ اصلاً مغربی اور ایک بلند پایہ بزرگ تھے اور صاحب کرامت و فراست تھے۔ فرماتے ہیں کہ علم و عمل میں یکسانیت، ادب ، فرائض کی ادائیگی اور نیکوں کی صحبت کو لازم کیے بغیر کوئی شخص کسی نیک حالت تک نہیں پہنچا۔

(۱۴) شیخ ابو عثمان سعید بن سلّام مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿ذوق سماع﴾

حضرت ابو عثمان سعید بن سلّام مغربی سے منقول ہے جو یگانۂ روزگار بزرگ تھے، ان کے پایہ کا کوئی اس دور میں نہ تھا اور حضرت ابو علی ابن کاتب قُدِّسَ سِرُّہٗ کی صحبت اختیار کی۔ انہوں نے بوقت وصال وصیت فرمائی کہ امام ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ امام ابو بکر فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو

عثمان مغربی کے پاس ہی تھا جب ان کا دمِ واپسیں آ گیا، علی نامی ایک خرد قوال قوالی گا رہا تھا۔ جب آپ کی حالت غیر ہونے لگی تو ہم نے علی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو آپ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ علی کچھ گاتا کیوں نہیں ہے؟ یہ دیکھ کر میں نے بعض حاضرین سے کہا کہ شیخ سے پوچھو اور کہو کہ سماع کا ذوق رکھنے والا کس طور پر سماع کرے کہ مجھے اس حالت میں ان سے پوچھنے میں حیا آتی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی طور پر سنے جس طرح اسے سنایا جائے۔

(۱۵) شیخ ابوالحسن مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿نماز کی محافظت اور اہل اللہ کی شان﴾

حضرت ابوعبدالرحمن سُلَمی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن مغربی سے سنا کہ میں نے حضرت خَیرُ النَّسَّاج کی جاں کنی کے وقت جو شخص حاضر تھا اس سے آپ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ جب نماز مغرب کا وقت آیا تو ان پر غشی طاری ہو گئی پھر انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ رک جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت عطا فرمائے کہ تم بھی حکم کے باندھے ہو اور میں بھی حکم کا باندھا ہوں، تمہیں جو حکم ملا ہے وہ تم سے فوت نہ ہوگا اور مجھے جو حکم ہوا ہے وہ مجھ سے فوت ہو جائے گا پھر پانی طلب فرمایا اور وضو کر کے نماز ادا فرمائی پھر آپ دراز ہو گئے اور آنکھیں بند کر لیں اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ پھر خواب میں انہیں دیکھا گیا تو پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا کہ یہ نہ پوچھ، ہاں! مجھے تمہاری دنیا کی کدورتوں سے راحت مل گئی۔

(۱۶) شیخ ابوالنجم مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿تو زندہ ہے واللہ﴾

شیخ ابوالنجم مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رَقِّی سے، انہوں نے حضرت احمد بن منصور سے اور انہوں نے حضرت ابویعقوب سُوسی سے سنا کہ مکہ معظمہ میں ایک مرید آ کر مجھ سے کہنے لگا کہ مرشدی! کل ظہر کے وقت میرا انتقال ہو جائے گا۔ لہذا یہ اشرفیاں لیں، آدھی سے میری قبر کا انتظام کریں اور

آدھی سے مجھے کفن دیں۔ جب دوسرا دن ہوا تو وہ آیا اور اس نے طواف کیا پھر کچھ دور ہٹا اور اس کا انتقال ہو گیا ۔میں نے اسے غسل و کفن دے کر قبر میں اتارا تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ میں نے کہا کہ کیا بعدِ موت بھی زندگی ہے؟ وہ عرض گزار ہوا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔

(۱۷) شیخ ابو اسحاق مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

﴿وقتِ رحلت کا علم﴾

بندۂ بے مایہ عرض پرداز ہے ﴿اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے اس کی مدد فرمائے اور اپنے کرم اور اپنی رحمت سے اسے خاص فرمائے﴾ کہ ایسا ہی واقعہ مرشدی، ملجائی وماوائی شیخ ابو اسحاق مغربی کے ساتھ پیش آیا ﴿اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت و رضوان کے دامن میں چھپائے﴾ جب ان کا وقتِ رحلت قریب آیا تو مجھ سے سنیچر کی شب میں فرمایا کہ احمد! میرے لیے قبر کھدواؤ، جب صبح ہوئی تو قبر کھدوائی گئی اور شیخ وہیں تشریف فرماتھے کہ حاکمِ کھٹو قاضی فخر الدین حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ شیخ! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفایاب فرمائے گا۔ فرمایا کہ چپ رہو قاضی صاحب! کیا مجھے جھوٹا سمجھتے ہو؟ پھر انہیں رخصت کیا اور فرمایا کہ ہم تم سے خوش ہیں، تم بھی ہم سے خوش ہو جاؤ پھر ۱۷، شعبان المعظم ۷۸۱ھ؛ بدھ کے دن فرمایا کہ احمد! ظہر تک قبر تیار رکھنا۔ لہذا قبر تیار ہوگئی، جب دوپہر ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ میرے پیچھے بیٹھو تاکہ میں تمہارے سہارے بیٹھ سکوں۔ لہذا میں ان کے پس پشت بیٹھ گیا اور شیخ میرا سہارا لے کر بیٹھے پھر یا حیُّ یا قیّوم پڑھا اور آنکھیں بند کرلیں اور روحِ مبارک قفصِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۸) سِتُّ الملوک مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

﴿مقدس خاتون﴾

شیخ صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مغربی خاتون کو دیکھا جس کی عظمت شان کا یہ عالم تھا کہ اولیا اور اکابر اس کی تعظیم کرتے، اسے سِتُّ الملوک کہا جاتا۔ وہ بیت المقدس کی زیارت کے لیے حاضر ہوئیں، اس وقت جلیل القدر بزرگ شیخ علی بن عُلَیس یمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں تھے۔ شیخ علی فرماتے ہیں کہ

میں بیت المقدس میں تھا کہ یک بیک ایک نورانی رسی دیکھتا ہوں جو آسمان سے مسجد اقصی کے ایک گنبد تک تنی ہوئی تھی۔ میں اس گنبد کی جانب چلا تو اس میں یہی عورت یعنی سِتُّ الملوک کو موجود پایا اور جس نور کو میں نے دیکھا تھا وہ اسی سے متصل ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اس مقدس خاتون سے اُخُوّت قائم کرنے کی درخواست کی جسے اس نے منظور کیا۔ رضی اللہ تعالی عنہا

(۱۹)ایک مغربی درویش:

﴿ہزار دانوں کی تسبیح﴾

شیخِ اجل شہاب الدین سہروردی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں ایک مغربی درویش کو دیکھا جس کے تھیلے میں ہزار دانوں والی تسبیح رکھی تھی، انہوں نے بتایا کہ وہ روزانہ اپنے مختلف اذکار و اوراد میں اس تسبیح کو بارہ ہزار مرتبہ پڑھتے ہیں۔

﴿خاتمہ﴾

بندۂ بے مایہ عرض گزار ہے کہ اس رسالہ میں بعض مشائخِ مغرب رضی اللہ تعالی عنہم کے چند مناقب اور ملفوظات بس اس لیے درج کیے گئے کہ جو حضوریٔ قلب سے ان کا مطالعہ کرے یا ہوشِ گوش سے سنے اس کے لیے نافع ہوں کہ صالحین کے ذکر پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے نیز ان کے مواعظِ حسنہ سے وہ عبرت پذیر ہو کیوں کہ ان کے نصائح باعثِ برکت ہوتے ہیں اور مغربی مشائخ کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں اور بیشتر کتابیں ان کے تذکروں سے مالامال ہیں۔

اور ذکرِ الٰہی سے اس رسالہ کا آغاز ہوا اور اسی پر اس کو ختم کرتا ہوں اور درود نازل ہو ہمارے نبی اور ہمارے حبیب محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اور ان کی آل پر جو نیکوکار اور عزت والے ہیں اور ان کے اصحاب پر جو کاتبینِ وحی اور عظمت والے ہیں۔ اور خوب خوب سلام ہو بشمول تیری رحمت کے، اے ارحم الراحمین۔

☆☆☆

مختصر سوانح حیات

حضرت شیخ احمد گنج بخش مغربی کھٹوی

ہندوستان میں جو سلاسل مشائخ کرام کی سعی پیہم اور انتھک کوشش سے رائج اور مشہور ہوئے مثلاً سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، شطاریہ، ابوالعلائیہ، وغیرہ انھی میں ایک سلسلۂ مغربیہ بھی ہے اور اسی زریں سلسلے کے ایک تابندہ گوہر سراج الصادقین، قطب الواصلین، حضرت سیدنا مخدوم شیخ احمد کھٹوی گنج بخش مغربی ہیں۔

ولادت اور نام:

آپ کا پیدائشی نام نصیر الدین اور لقب شہاب الدین، جمال الدین وغیرہ اور خطاب گنج بخش مغربی ہے۔ آپ کی ولادت ۷۳۷ھ یا۷۳۸ھ میں دہلی میں ہوئی(۱) اور حکمت الٰہی نے آپ کو "کھٹو" میں پہنچا دیا۔

---

(۱) ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے: "**در دہلی سال ہفتصد وسی وہفت بزاد**"یعنی آپ دہلی میں ۷۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ (آئین اکبری:۲/ ۲۲۰، مطبوعہ پریس، کلکتہ، ۱۸۶۹ءباہتمام ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال) اور مولانا غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء میں "شرح جلالی" اور "معارج الولایۃ" کے حوالے سے لکھا ہے: "**ولادت شیخ احمد کھتو در سال ہفتصد وسی وہشت** "یعنی شیخ احمد کی ولادت ۷۳۸ھ میں ہوئی (خزینۃ الاصفیاء: ۲/ ۳۱۹، مخزون ایشیاٹک سوسائٹی، ناشر: منشی نول کشور، لکھنو) اور شیخ احمد کے بیش تر تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی ہے۔ صرف آصفی نے "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" میں اور جہاں گیر نے اپنی "توزک" میں لکھا ہے کہ شیخ احمد کی ولادت "کھٹو" میں ہوئی ہے۔ مؤخر الذکر کتاب کی عبارت اس طرح ہے: "شیخ احمد کھٹو کا مزار میرے راستے میں تھا، اس لیے پہلے وہاں جاکر فاتحہ خوانی کی۔ "کھٹو" صوبہ ناگور کا ایک قصبہ ہے جہاں شیخ احمد پیدا ہوئے تھے۔" (توزک جہاں گیری، ص: ۲۵۱- ۲۵۲؛ مطبوعہ دار الاشاعت سنگ میل، لاہور، ۲۰۱۲ء) اور" ظفر الوالہ" کی عبارت یہ ہے: "إنه قدس سره ولد بكهتو من أعمال ناكور في سنة سبع وثلثين وسبع مائة" (ظفر الوالہ بمظفر وآلہ از عبداللہ بن عمر آصفی، دفتر اول، جلد اول، ص: ۲، مطبوعہ لندن، ۱۹۱۰ء) اور اس کو آصفی نے "شرح رسالۂ مغربیہ" سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ عبارت مذکورہ سے پہلے آصفی کے یہ الفاظ ہیں: "نقلت من شرح لأبي حامد إسماعيل بن إبراهيم على رسالة جمعها قطب العارفين مولانا شيخ الإسلام شهاب الدين أحمد صاحب سركهيج... في مولد الشيخ ووفاته وعمره ما صورته... إلخ" یعنی میں قطب العارفین

کھٹو:

راجستھان کے ضلع ناگور میں کھاٹو نام کے دو مقام ہیں جو ایک دوسرے سے ۱۴ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہیں۔ دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے مشرقی قصبے کو "چھوٹی کھاٹو" اور مغربی قصبے کو "بڑی کھاٹو" کہتے ہیں۔(۱) "کھاٹو" کھٹو کی جدید شکل محرف ہے۔ اس لیے کہ تمام پرانی کتابوں، فرامین اور کتبوں میں یہ نام بہ صورت "کھٹو" ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم شکل ہے۔ "بڑی کھاٹو" کسی زمانے میں نہایت اہم مقام رہا ہے۔ اس میں بہت سی مساجد، مزارات اور پرانے آثار موجود ہیں۔ ان میں ایک قدیم مسجد سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت (۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء) کی بنی ہوئی ہے اور اسی زمانے کا ایک کَتبہ بھی موجود ہے۔ سنگ مرمر کے اس کتبہ پر عربی میں "رمضان ۶۲۹ھ" تاریخ کندہ ہے۔ اس تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدا میں سلطان التمش کے عہد میں کسی تالاب پر نصب کیا گیا تھا اور اس علاقہ میں چوں کہ پانی کی بہت قلت تھی اس لیے برسات کا پانی بڑے بڑے تالابوں میں محفوظ کیا جاتا تھا۔

کھٹو کو شہرت وہاں کے پتھر اور حضرت شیخ اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ (متوفی: ۷۸۱ھ) کے سبب ملی ہے جو حضرت شیخ احمد کھٹو کے پیر و مرشد ہیں اور مزید شہرت حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ کی وجہ سے ہے جن کے نام کا جز "کھٹو" ہو گیا ہے آپ کا مزار پر انوار سرکھیج (احمد آباد) میں واقع ہے مگر اپنے پیر خانے کی نسبت سے "کھٹو" کہلاتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا شیخ احمد سرکھیجی کی ولادت، وصال اور عمر کو ان کی مؤلفہ کتاب کی ایک شرح سے نقل کرتا ہوں جو شیخ ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم نے لکھی ہے۔ اور شیخ ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم کے الفاظ اس طرح ہیں: "الشيخ الكبير الشهير بالاتفاق أحمد إسحاق المغربي صاحب الرسالة الشريفة وقد نشأ من القصبة المباركة كهتو واشتهر من دار الملك بلدة دهلي... إلخ" (شرح رسالۂ مغربیہ، ص: ۳۵۰) مگر یہ قول صحیح درست نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی جیسا کہ بیشتر مورخین نے کہا ہے اور یہ آگے خود واضح ہو جائے گا۔

(۱) "ناگور" سے "بڑی کھاٹو" ۶۱ کیلو میٹر ہے اور "چھوٹی کھاٹو" ۷۲ کیلو میٹر ہے۔

شیخ اسحاق مغربی کی بارگاہ تک شیخ احمد کا پہنچنا:

شیخ احمد شیخ اسحاق مغربی تک کیسے پہنچے — اس میں دو مختلف روایتیں سوانح نگاروں نے ذکر کی ہیں:

حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی (متوفیٰ: ۱۰۵۲ھ) نے "اخبار الاخیار" میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ

"آبائے شیخ از دہلی اند و وے نیز در اوانِ طفولیت در دہلی بود۔ چنیں گویند کہ وقتے در دہلی طوفان بادے شد و وے راہم در طفولیت کہ در میان اطفال بازی می کرد، بجائے دگر انداخت و از وطن مالوف آوارہ ساخت۔ بعد از مدتے بدست بابا اسحاق مغربی کہ درویشے کامل بود و در کھتو کہ از قُریات اجمیر جائے داشت، افتاد۔ ہم از اوان طفولیت در سایۂ تربیت و عنایت بابا اسحاق نشو و نما یافتہ بمرتبۂ کمال رسیدہ و بنعمت اجازت وخلافت وے مشرف شد۔"

یعنی شیخ احمد کے آباو اجداد دہلی کے باشندے تھے اور آپ کا بچپن بھی دہلی ہی میں گزرا تھا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک بار آپ بچپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سخت آندھی آئی جو آپ کو بھی کہیں اور لے گئی اور اپنے وطن سے دور کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ بابا اسحاق مغربی کے ہاتھوں آ لگے جو ایک کامل درویش تھے اور اجمیر شریف کی آبادیوں میں سے "کھٹو" میں سکونت پذیر تھے۔ بچپن ہی سے بابا اسحاق کی توجہ اور تربیت کے زیر سایہ پروان چڑھتے ہوئے آپ مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے اور خلافت واجازت کی نعمت سے مشرف ہوئے۔

(اخبار الاخیار–فارسی، ص:۱۵۷، نوریہ رضویہ پبلشنگ، لاہور)

اور مولانا محمد غوثی نے بھی "گلزار ابرار" صفحہ ۱۴۳ پر اسی طرح لکھا ہے۔

اور حضرت مولانا محمد بن ابی القاسم جو حضرت شیخ احمد کھٹو کی صحبت میں مسلسل تیس سال رہے اور آپ کی زندگی بھر سرکھیج کی جامع مسجد کے خطیب رہے، انہوں نے آپ کے حالات زندگی پر "مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول" نامی ایک رسالہ تالیف کیا ہے، اسی طرح آپ کے ایک اور فیض یافتہ شیخ محمود بن سوید ایرجی

جنھوں نے اپنے شیخ کی زندگی ہی میں ان کی اجازت سے "تحفۃ المجالس" کے نام سے ان کے ملفوظات کا ایک مجموعہ تیار کیا—ان دونوں حضرات نے خود آپ کی زبان مبارک سے یہ روایت بیان کی ہے کہ

"حضرت شیخ احمد سے پہلے حضرت بابا اسحاق مغربی نے بابا قوام الدین کو متبنیٰ بنایا تھا مگر عین جوانی کی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا جس کا بابا اسحاق مغربی کو بے حد صدمہ پہنچا تو آپ کو الہام ہوا کہ بابا قوام الدین کے عوض ایک بچہ اسی شکل و صورت کا تم کو دیا گیا۔ اسی دن سے آپ اس بچے کی تلاش میں رہے۔ اتفاقاً مولانا صدرالدین نواسۂ مولانا شہاب الدین ہمدانی ایک کام سے "دیندوانہ" جارہے تھے اور حضرت بابا اسحاق مغربی سے ملاقات کے لیے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں شکل و صورت کا کوئی بچہ تمھیں نظر آئے تو اس کو لے کر آنا۔ جب وہ "دیندوانہ" پہنچے تو معلوم ہوا کہ نجیب جولاہے کو اس حلیہ کا ایک لڑکا "دوآبہ"[(۱)] کے قافلہ سے ہاتھ لگا ہے جو نمک لینے کے لیے "دیندوانہ" آیا ہے، وہ سیدھے نجیب جولاہے کے پاس گئے اور اس کے پاس ہو بہو اسی صورت و شکل کا لڑکا تھا جو حضرت اسحاق مغربی نے بتایا تھا۔ لہٰذا انھوں نے نجیب نساج کے پاس سے اس لڑکے کو لے لیا اور تحقیق حال کی غرض سے قافلے کے پاس گئے، تو اہل قافلہ نے کہا کہ ایک دن دہلی میں بڑے زور کی آندھی چلی جو غبار سے آلودہ تھی۔ لونڈی جو اس لڑکے کو گود میں لیے ہوئے تھی، راستہ بھول کر ہمارے قافلے میں آگئی اور ایک شخص نے اس کو تسلی دے کر مطمئن کیا پھر قافلہ وہاں سے کوچ کر کے یہاں آیا اور کنیز بھی ساتھ آئی۔ تحقیق ہو جانے پر مولانا صدرالدین اس بچے کو لے کر حضرت اسحاق مغربی کی خدمت میں آئے۔ آپ نے اسے اپنی فرزندی میں قبول کر کے پرورش کی اور اس کا نام احمد رکھا جو آگے چل کر شیخ احمد کھٹو گنج بخش مغربی سے مشہور ہوئے"۔ ملخصا.

(مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول، ص:۴۶ تا ۴۹، مطبوعہ اردو ساہتیہ اکیڈمی، گاندھی نگر؛ تحفۃ

---

(۱) دوآبہ ایک مقام کا نام ہے گنگا اور جمنا کے درمیان۔ چونکہ وہاں زمین کی آب پاشی ان دونوں ندیوں سے کی جاتی ہے۔ اس لیے اس مقام کو دوآبہ کہتے ہیں۔

المجالس، مجلس:۴۷، ص:۱۱۹تا۱۲۱، مطبوعہ پیر محمد شاہ لائبریری، احمد آباد)

اور صاحب "گلزار ابرار" نے اس موئخر الذکر واقعہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے کہ بعضے کہتے ہیں۔ (گلزار ابرار، ص:۱۴۴)

مگر راقم الحروف کے نزدیک دونوں روایتوں میں تضاد نہیں ہے۔ شیخ محقق کی روایت میں اختصار و اجمال اور مرقاۃ الوصول اور تحفۃ المجالس میں یہ واقعہ پوری تفصیل سے درج ہے اور کچھ باتیں جو شیخ محقق کی روایت میں تشنہ تھیں انہیں موئخر الذکر دونوں کتابوں نے واضح کر دیا ہے۔

تربیت:

جس وقت حضرت شیخ احمد حضرت بابا اسحاق کی خدمت میں پہونچے، اس وقت آپ کی صرف چار سال کی عمر تھی۔ یہاں پہنچ کر بہت ہی ناز و نعم سے پرورش پاتے رہے اور حضرت بابا اسحاق مغربی انتہائی سلیقے اور کمال خوبی سے آپ کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے:-

۷۴۶ھ میں جب کہ ابھی آپ کی عمر مبارک آٹھ یا نو سال کی تھی، مولانا عبداللہ خراسان سے ہندوستان تشریف لائے۔ انہیں کتابوں سے اس قدر شغف تھا کہ سفر میں بھی ایک دو اونٹ کتابیں ساتھ لیے پھرتے تھے۔ جب حضرت بابا اسحاق مغربی کے بارے میں انہیں اطلاع ہوئی تو ان سے ملاقات کے لیے وہ کھٹو آئے۔ چونکہ مولانا عبداللہ بالکل اچانک ہی آئے تھے اس لیے ضیافت کا کچھ اہتمام نہ تھا مجبوراً آپ نے شیخ احمد کی بکری کو ذبح کر دینا چاہا[۱] مگر شیخ احمد کے ملال کا اندیشہ تھا، اس لیے ان سے اجازت مانگی۔ شیخ احمد نے اس کم سنی کی عمر میں جواب دیا کہ مہمان کے لیے بکری کیا چیز ہے؟ خود مجھے بھی ذبح کر دو تو عذر نہ ہو گا۔

---

(۱) **اقول:** یہ بکری خود شیخ احمد کی نہیں تھی بلکہ حضرت اسحاق مغربی نے شیخ احمد کے دودھ پینے کے لیے خریدی تھی، اس لیے حضرت بابا اسحاق نے مجازاً شیخ احمد کی طرف اس بکری کی اضافت فرمائی۔

بچپن میں علمی لیاقت:

اس اخلاقی تربیت کے نمونے کے بعد اب علمی لیاقت کا بھی اندازہ کیجیے کہ مولانا عبداللہ نے جب کھانے سے فراغت پائی تو بابا اسحاق نے بلند آواز سے درویشوں کے دستور کے مطابق کہا کہ اولیا اور انبیا، عابدوں اور زاہدوں کا اس نعمت کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مولانا عبداللہ نے یہ سن کر کہا کہ بابا! پہلے انبیا پھر اولیا کہو کیوں کہ نبی کا درجہ ولی سے زیادہ ہے۔ بابا اسحاق نے شیخ احمد کو طلب کیا اور یہی اعتراض ان کے سامنے پیش کیا۔ تھوڑی دیر غور و فکر کرنے کے بعد آپ نے جواب دیا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع سے بہتر ہے۔ مولانا عبداللہ اس جواب سے اتنے خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کو سینے سے لگالیا۔ یہ روایت "تحفۃ المجالس" کی ہے اور "مرقاۃ الوصول" میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ چنانچہ "والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ علی رسولہ" میں متقی کو رسول پر مقدم کیا کیونکہ متقی میں رسول داخل ہے۔ بالکل اسی طرح اولیا میں انبیا بھی داخل ہیں، اس کے بعد انبیا کا ذکر مکرر ہوا جو محض تعظیم کی غرض سے ہے۔

اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ جب آپ وہاں سے گزرتے تو وہ کھڑے ہو جاتے۔ بابا اسحاق نے فرمایا کہ اس بچہ کے آنے سے آپ بار بار تکلیف نہ کریں، انہوں نے کہا کہ ان کی تعظیم مجھ پر واجب ہے کیوں کہ یہ اس کے اہل ہیں اور ایک دن ان کی شہرت دنیا کے کناروں تک پہونچے گی۔

(تحفۃ المجالس، مجلس:۲، ص:۴ اور مرقاۃ الوصول، ص:۱۲۴)

شیخ احمد کی بابا اسحاق سے محبت:

جب شیخ احمد بارہ سال کے ہوئے تو حضرت شیخ اسحاق مغربی انہیں لے کر بزرگان چشتیہ کے مزارات کی زیارت کے لیے دہلی گئے۔ اتفاق سے شیخ احمد کے بھائی نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا اور بابا اسحاق سے کہا کہ یہ تو میرا بھائی ملک نصیر الدین ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے شانہ میں ایک قسم کا سرخ نشان ہے جس کو لَسَّن کہتے ہیں اور میرے شانہ میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ اس نے اپنا شانہ کھول کر دکھایا تو واقعی اس کے شانہ میں بھی

وہ نشان تھا۔ پھر اس نے کہا کہ والد کے شانہ میں بھی یہی نشانی موجود ہے۔ حضرت بابا اسحاق نے فرمایا کہ یہ بچہ تم سے کس طرح جدا ہو گیا؟ تو اس نے بتایا کہ ایک دن بعد عصر دہلی میں بڑے زور کی آندھی چلی، باوجود دن ہونے کے اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ اس وقت یہ لڑکا بہت چھوٹا تھا اور دایہ جس کی گود میں یہ تھا وہ راستہ بھول کر گلیوں میں بھٹکتی ہوئی نہ جانے کہاں چلی گئی، دوسرے دن بہت تلاش کیا مگر نہ ملی اور ایک طویل عرصہ کے بعد آج یہ لڑکا نظر آیا ہے۔

مگر شیخ احمد نے حضرت بابا اسحاق مغربی سے جدا ہونا قبول نہ کیا اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ تو آپ ہی ہیں، آپ کو چھوڑ کر میں اپنے گھر جاؤں تو اس صحبت بزرگانہ سے محروم ہو جاؤں گا۔

ان دنوں حضرت سیدنا مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت قُدِّسَ سِرُّہ (متوفیٰ: ۷۸۵ھ) اوچ شریف سے دہلی میں تشریف فرما تھے اور پوری دہلی میں آپ کی ولایت کا غلغلہ اور شہرہ تھا۔ بادشاہ وقت سلطان فیروز شاہ تغلق (عہدِ حکومت: ۷۵۲ تا ۷۹۰ھ / ۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء) اور دوسرے امرائے سلطنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت بابا اسحاق نے شیخ احمد سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہیں حضرت مخدوم جہانیاں قُدِّسَ سِرُّہ سے بیعت کرا دوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں آپ کا مرید ہوں، آپ ہی میرے مخدوم ہیں، مجھے کسی جگہ بیعت کی کیا ضرورت۔ شیخ احمد کی بات سن کر حضرت بابا اسحاق مغربی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے شہنشاہ تمہارے در پر حاضری دیا کریں گے۔

(مرقاۃ الوصول، ص:۴۹ تا ۵۱، تحفۃ المجالس، مجلس:۴۷، ص:۱۲۱ تا ۱۲۳)

ان واقعات سے جہاں شیخ احمد کی حضرت بابا اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ سے غایت محبت کا پتا چلتا ہے، وہیں یہ سراغ بھی ملتا ہے کہ آپ دہلی کے باشندے تھے اور وہاں کے امیر زادوں سے تھے۔ نیز صوفیۂ کرام کے اس ارشاد کی عملی تصویر بھی دکھائی دیتی ہے کہ "یک گیر محکم گیر" یعنی ایک کا دامن تھامو مگر مضبوطی سے تھامو۔

تعلیم:

شیخ احمد کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی۔ چنانچہ میزان، پنج گنج، مصادر وغیرہ عربی زبان کی ابتدائی

کتابیں گھر ہی میں پڑھیں۔ اسی طرح علم کلام میں "عقیدۂ حافظیہ"[۱] کھٹوہی میں ایک عالم سے پڑھ کر پوری کتاب حفظ کر لی۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت اسحاق مغربی کی ملاقات کے لیے ایک عالم آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اس بچہ کو تعلیم دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ابھی بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد کے ایک گوشہ میں لے جاؤ اور اس کے سامنے ایک مسئلہ بیان کرو اور اس کے حافظہ اور ذہانت کی آزمائش کرو۔ انہوں نے علم کلام کے ایک مسئلہ پر تقریر کی تو شیخ احمد نے ہو بہو اسی ترتیب سے اس مسئلہ کو ان کے سامنے بیان کر دیا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور حضرت بابا اسحاق سے کہا کہ اس بچہ کی ذہانت دیکھ کر میرا ارادہ ہے کہ "عقیدۂ حافظیہ" کے مسائل ایک ایک کرکے اس کو پڑھاؤں پھر انہوں نے ایسا ہی کیا اور شیخ احمد کو وہ کتاب مکمل ازبر ہو گئی۔

پھر باقاعدہ تحصیل علم کے لیے آپ نے دہلی کا سفر کیا اور فیروز آباد میں ملک کمال الدین کے مکان میں چندماہ قیام فرما کر مولانا شمس الدین جیسے افاضل روزگار سے مفصل، شاشی، حسامی اور بزدوی کا درس لیا پھر وہاں سے مسجد "خانجہاں" دہلی میں آئے اور روزانہ مولانا مجد الدین محدث کے درس حدیث میں "کوشک ہزار ستوں" میں حاضر ہوتے اور رات کو بزدوی کا مطالعہ کرتے پھر حواشی دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ جو کچھ آپ نے اپنے خداداد ذہن سے سمجھا ہے وہی حواشی میں مذکور ہے۔

غرض کہ آپ نے محنت شاقہ کرکے تمام مروجہ علوم وفنون میں مہارت پیدا کر لی خصوصاً علمِ کلام میں اس حد تک عبور حاصل کیا کہ اس کے مسائل میں مجتہدانہ گفتگو کرتے۔

---

(۱) عقیدۂ حافظیہ یا عمدۃ العقائد علم کلام کے متون معتمدہ میں سے ہے جسے امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد حافظ الدین نسفی (متوفی: ۷۱۰ھ) نے مرتب کیا اور بعد میں انہوں نے اس کی ایک شرح بھی لکھی جو الاعتماد فی الاعتقاد سے موسوم ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں فرمایا: "عمدة العقائد للإمام حافظ الدين عبد الله بن أحمد النسفي، وهو مختصر يحتوي على أهم قواعد علم الكلام يكفي لتصفية العقائد الإيمانية في قلوب الأنام ثم شرحه المصنف المذكور وسماه الاعتماد".(۱۱۶۸/۲)

فضل وکمال:

آپ کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، قوت استحضار، مناظرانہ ردو طرد، دلائل میں پختگی، حاضر جوابی، معاملہ فہمی غرضیکہ آپ کے گوناگوں فضائل وکمالات کے واقعات "مرقاۃالوصول" میں جابجا مذکور ومسطور ہیں۔ سردست اسی گلدستۂ علمی سے دوواقعات قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش کرتاہوں۔

(۱) جب امیر تیمور لنگ (عہدِ حکومت: ۱۳۷۰ء تا ۱۴۰۵ء) نے ۸۰۱ھ میں دہلی پر حملہ کیا اور اس کو تباہ وبرباد کر دیا تو اس کو امر بالمعروف کرنے کے لیے شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہٗ سمرقند تک گئے۔ اس وقت آپ کے فضل وکمال کا وہاں خوب شہرہ ہوا، اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ شیخ عبد الاول نواسۂ صاحب ہدایہ [1] علامہ

---

(۱) **اقول:** شیخ عبد الاول صاحب ہدایہ کے نواسہ نہیں ہیں بلکہ ان کے پوتوں میں پانچویں پشت پر آتے ہیں۔ الفوائد البَہِیّۃ فی تراجم الحنفیۃ میں ہے: "عبد الأول بن برهان الدين علي بن عماد الدين بن جلال الدين محمد بن زين الدين عبد الرحيم بن عماد الدين صاحب "الهداية" علي بن أبي بكر فقيه متقن محدّث مفسر جامع بين أشتات العلوم، تفقه على السيد جلال الدين الكُرْلاني، وروي عنه الهداية معنعنًا إلى جده الأعلى صاحب "الهداية" وأخذ عنه شمس الدين القريمي وكتب له إجازة سنة ٨١٤ . (ص:۱۱۰) پھر راقم الحروف کو کتب خانہ پیر محمد شاہ، احمد آباد میں "شجرۂ حضرت مخدوم شیخ احمد" کے نام سے ایک عربی مخطوطہ دستیاب ہوا جس میں حضرت شیخ احمد کھٹو نے شجرۂ مغربیہ اور دورانِ اسفار جن جن مشائخ سے ملاقات ہوئی ان سب کو قلمبند فرمایا ہے، اسی میں سفر سمرقند اور وہاں شیخ عبد الاول سے ملاقات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور انہیں صاحب ہدایہ کے پوتوں میں گنایا ہے۔ حصول برکت کے لیے وہ عبارت پیش کرتاہوں: "ومنها ما كان نحو خراسان عام 801 موافقة لأسارىٰ دار الـمُلك وفِكاكهم من الأتراك الظلمة، فإذا دخلت خطة "هراة" وهي موطن الأعاظم والسَراة صحبت شيخ المشائخ شهاب الدين الخياواني كرمه الله بلطفه الرحماني، وكان هو شيخ خراسان في ذلك الزمان، ثم رحت إلى سمرقند فوجدت أكثر أهلها مغتما بنهب الهند، وكان فيه يومئذ خلفاء شيخ الشيوخ شهاب الحق والشرع والدين، وصحبت الشيخ الإمام الأجل الشيخ عبد الأول والشيخ الإمام المتين الشيخ حسام الدين خصهما الله بالعناية وكانا من أحفاد صاحب الهداية، وأخبراني أنهما في المحل الرابع من

برہان الدین مرغینانی (متوفیٰ:۵۵۳ھ) نے شیخ احمد کی ملاقات والیٔ سمرقندر سلطان محمد بہادر سے کرائی جو امیر تیمور کا پوتا تھا اور اسے بتایا کہ شیخ دہلی کے بہت بڑے محقق اور عالم ہیں۔ سلطان نے آپ کا امتحان لینے کے لیے سمرقند کے تمام علما کو جمع کیا۔ سلطان اور شیخ احمد دونوں تخت نشین تھے۔ ایک عالم آکر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، اسی وقت فریادی آیا کہ سلطان! فلاں کے گھوڑے نے میرے باغ میں گھس کر بہت نقصان کیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس کا نقصان گھوڑے کے مالک سے دلایا جائے۔ فوراً آپ نے حدیث سنائی کہ ایک گھڑی کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔[۱] اس عالم نے سوال کیا کہ کس کی عبادت سے؟ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اس کی اپنی عبادت سے۔ یہ سن کر اس نے ترکی زبان میں سلطان محمد سے کہا کہ اس ملک میں کوئی عالم ان کے برابر نہیں، حضرت شیخ بڑے جید عالم ہیں۔

(مرقاۃالوصول، ص:۲۳۱اور ۲۳۲)

حضرت شیخ احمد کا حدیث بیان کرنے سے مقصد یہ تھا کہ علی الاطلاق گھوڑے کے مالک سے کھیت کی نقصانی کو وصول کرنے کا حکم دینا درست نہیں بلکہ اسے طلب کر کے معاملہ کی اصل نوعیت کو معلوم کرنا چاہیے، اگر بینۂ عادلہ (شہادت شرعیہ) سے گھوڑے کے مالک کی تعدی ثابت ہو جائے تو اس پر نقصانی کی مقدار تاوان لیا جائے اور اگر اس کی تعدی ثابت نہ ہو تو وہ کھیت کے نقصان کا ذمہ دار نہ ہو گا۔

سلسلة النور الساطع لخلفاء شيخ الشيوخ شهاب الحق والشرع والدين السهروردي تغمده بغفرانه بلطفه الأبدي". (شجرۂ مخدوم شیخ احمد، ص:۶ اور ۷)

(۱) اس حدیث کو دیلمی نے کتاب الفردوس میں حضرت عمر سے، امام ابو القاسم اصفہانی نے ترغیب وترہیب میں اور امام ابو نعیم نے فضیلۃ العادلین میں پھر ان سے امام منذری نے اپنی ترغیب حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا، واللفظ للمنذری: "قال رسول الله ﷺ: عدل ساعة خير من عبادة ستين سنة، قيام ليلها وصيام نهارها، وجورها ساعة في حكم أشد وأعظم من معصية ستين سنة"۔ امام سخاوی نے "تخریج احادیث العادلین" میں اس حدیث کو تمام سندوں اور اختلاف الفاظ کے ساتھ مفصل ذکر کیا ہے۔

چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار معروف بہ "شامی" میں ہے۔

"الأصل أن المتسبب ضامن إذا كان متعديا و إلا لا يضمن".

یعنی قاعدہ یہ ہے کہ متسبب اس وقت ضمان ادا کرے گا جب وہ تعدی کرے ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا۔ (ردالمحتار: ۱۰ / ۲۷۲)

اور وہ عالم آپ کے کہنے کا مطلب اور منشا سمجھ گیا اور الٹے آپ ہی کو اپنی بات میں الجھانا چاہا مگر شیخ احمد نے برجستہ ان کا جواب دے کر انہیں ساکت ولاجواب کر دیا۔

(۲) سمرقند کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن آپ سیاہ عمامہ باندھ کر نماز جمعہ کے لیے تشریف لے گئے حالاں کہ وہاں مغل سلاطین کی طرف سے سیاہ لباس پہننے پر پابندی تھی کیونکہ وہ لوگ سیاہ کو نامبارک سمجھتے تھے اور شیخ احمد اس سے واقف نہ تھے۔ لہذا ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مغل سیاہ کو منحوس سمجھتے ہیں، ابھی سلطان بہادر آئے گا اور سیاہ دستار دیکھ کر اسے ناگوار خاطر گزرے گا۔ میرا عمامہ سفید ہے، آپ اسے باندھ لیں تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں مگر حضرت شیخ احمد نے اس کی کوئی پروانہ کی۔ اسی درمیان سلطان بہادر آگیا، تمام اہل مسجد کھڑے ہو گئے مگر آپ بدستور اپنی جگہ پر بیٹھے رہے اور حدیث سنائی کہ حضور نے فرمایا: "خدا کے گھر میں میری تعظیم نہ کرو"[1] سلطان بہادر نے آپ کو قریب بلا کر پوچھا کہ کالا عمامہ کیوں باندھا؟ آپ نے فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "سیاہ پہننا سنت ہے"۔ یہ سن کر سلطان خاموش ہو گیا پھر نماز جمعہ کے بعد سارے علما جمع ہو گئے اور اس حدیث کے متعلق آپ سے گفتگو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے درمیان سے ایک عالم کو منتخب کرو جو مجھ سے بحث کرے۔ سب نے اتفاق رائے سے "شیخ ابو سعید لغوی" کا انتخاب کیا۔

---

(۱) حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "موضوعات کبیر" میں پھر علامہ عجلونی نے "کشف الخفاء" میں اس حدیث کے تعلق سے فرمایا: "حدیث: «لا تعظموني في المسجد» لا يعرف له أصل "یعنی یہ حدیث جو لوگوں میں مشہور ہے کہ مسجد میں میری تعظیم نہ کرو، اس کی کچھ اصل معلوم نہیں ہوتی ہے۔ (موضوعات کبیر، حدیث نمبر: ۵۸۸ اور کشف الخفاء، حدیث نمبر: ۳۰۴۹)

انہوں نے گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا کہ روایت میں آیا ہے کہ استاذ کی تعظیم جائز ہے تو پھر آپ جیسے بزرگوں کی تعظیم کے لیے کیوں نہ اٹھیں۔ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود اپنی عظمت خود اپنے لیے اس سے منع فرمایا تو پھر دوسرے کس شمار میں ہیں؟ ایک شخص نے کہا کہ یہ اٹھنا دفع شر کے لیے ہے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اے نادان! ایسی جگہ کیوں بیٹھے ہو جہاں تم کو شر سے واسطہ پڑے؟[1] پھر ان حضرات نے

---

(۱) جمہور سلف وخلف کا مذہب یہی ہے کہ کسی کی آمد کے وقت تعظیما اٹھنا جائز ہے بلکہ فقہائے احناف اور کچھ دیگر علما کے نزدیک مستحب ہے جب کہ آنے والا اس کا مستحق ہو مثلاً سلطان اسلام (عادل) ہو یا عالم دین ہو یا اس کھڑے ہونے والے کا استاد عالم دین ہو۔ در مختار اور شامی میں ہے: "(يجوز بل يندب القيام تعظيما للقادم كما يجوز القيام ولو للقارئ بين يدي العالم) أي إن كان ممن يستحق التعظيم. قال في القنية: قيام الجالس في المسجد لمن دخل عليه تعظيما وقيام قارئ القرآن لمن يجيء تعظيما لا يكره إذا كان ممن يستحق التعظيم". خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا ہے یوں ہی جو قرآن شریف پڑھ رہا ہے وہ اگر کسی آنے والے کی تعظیم کے لیے قیام کرے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ وہ آنے والا لائق تعظیم ہو۔ (درمختار اور رد المحتار: ۹/ ۵۵۱) حاشیۂ طحطاوی علی مراقی الفلاح اور تقریرات الرافعی میں ہے، واللفظ للأول: "القيام لغيره ليس بمكروه لعينه إنما المكروه محبة القيام من الذي يقام له فإن لم يحب وقاموا له لا يكره لهم يعني جميعا". یعنی غیر اللہ کے لیے قیام کرنا فی نفسہ مکروہ نہیں ہے۔ البتہ جس کے لیے قیام کیا جائے اس کا اپنے لیے قیام کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنے قیام کا خواہش مند نہیں اور پھر لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (حاشیۂ طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۲۰) اور علامہ طحطاوی حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں: "قال الشرنبلالي: اختلفوا فيه فمنهم من منع ذلك، ومنهم من أباحه، ومنهم من فصل على ما قاله قاضي خان: قوم يقرءون القرآن أو واحد فدخل عليه واحد من الأشراف، قالوا: إن دخل عليه عالم أو أبوه أو أستاذه جاز أن يقوم لأجله وفيما سوى ذلك لا يجوز.اه. وفي مجمع الفتاوى للأنطاكي: قيام القارئ جائز إذا جاء أعلم منه أو أستاذه الذي علمه القرآن أو المعلم أو أبوه أو أمه ولا يجوز القيام لغيرهم وإن كان الجائي من الأجلة والأشراف". ملخصا. خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ علامہ شرنبلالی نے فرمایا کہ قیام تعظیمی میں علما مختلف ہوئے، کچھ ممانعت کے قائل ہیں، کچھ اباحت کا قول کرتے ہیں اور بعض نے تفصیل کی کہ اگر ایک یا چند اشخاص قرآن پڑھتے ہوں اور کوئی معزز شخص آیا، اگر وہ عالم دین یا اس کے والدین میں سے کوئی ہے یا اس کا استاذ علم دین اور معلم یا اس

سے علم میں بڑا ہے تو اس کے لیے قیام کرنا روا ہے ورنہ جائز نہیں۔ (طحطاوی علی الدر:۴/۱۹۳) اور امام خطابی فرماتے ہیں: "إن قیام المرءوس للرئیس الفاضل والإمام العادل والمتعلم للعالم مستحب وإنما یکره لمن کان بغیر هذه الصفات" یعنی رعایا کا حاکمِ والا اور عادل بادشاہ کے لیے اور طالب علم کا عالم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ البتہ بغیر ان اوصاف کے کسی کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔ (فتح الباری:۱۱/۵۹، عمدۃ القاری:۱۵/۳۷۶) اور سیدنا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أما القیام للداخل إذا کان من أهل الفضل والخیر فلیس من هذا بل هو جائز قد جاءت به أحادیث وأطبق علیه السلف والخلف." یعنی آنے والے کے لیے کھڑا ہونا جب کہ وہ صاحب فضل وشرف ہو تو ممنوع نہیں بلکہ یہ جائز ہے جسکے جواز پر کئی احادیث وارد ہیں اور (جمہور) سلف وخلف کا اس پر اجماع ہے۔ (شرح صحیح مسلم:۱/۱۷۷) یونہی اگر کھڑے نہ ہونے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں بھی کھڑا ہونا جائز ہے۔ "شامی" میں "ابن وہبان" سے ہے:" أقول: في عصرنا ینبغي أن یستحب ذلك أي القیام لما یورث ترکه من الحقد والبغضاء والعداوة لا سیما إذا کان في مکان اعتید فیه القیام." یعنی میں کہتا ہوں کہ اس دور میں قیام مستحب ہونا چاہیے کہ اس کا ترک کینہ اور بغض وعداوت کا باعث ہو گا خصوصا جہاں اس کا رواج ہو۔ (در مختار اور رد المحتار:۹/۵۵۱)

اس لیے شیخ احمد نے جو کیا وہ بھی درست ہے اور علمائے سمرقند نے جو کیا وہ بھی درست ہے کیوں کہ تاتاری سلاطین کے دامن لاکھوں بے قصوروں کے قتل وخوں ریزی سے رنگین تھے اور ان کے ہاتھوں نے ظلم وبربریت کی ایک داستان رقم کی تھی جس کی وجہ سے یہ درندہ صفت لوگ قطعا تعظیم کے قابل نہ تھے لہذا شیخ احمد نے اصل حکم پر عمل کرتے ہوئے سلطان بہادر کی تعظیم کے لیے قیام نہ کیا مگر کھڑا نہ ہونے میں خوں ریزی وفساد کا غالب اندیشہ تھا، اس لیے علمائے سمرقند بوجہ رخصت ودفع شر کے سلطان کے آنے پر کھڑے ہو گئے۔

رہ گیا حضرت شیخ احمد کا یہ فرمانا کہ حضور ﷺ نے اپنے لیے اس سے منع فرمایا تو اس پر عرض ہے کہ کتب احادیث کا مطالعہ کرنے سے ایسی حدیثیں بھی ملتی ہیں جن میں صحابۂ کرام کا حضور ﷺ کے لئے قیام تعظیمی کرنا ثابت ہے بلکہ خود حضور ﷺ کا دوسروں کے اعزاز واکرام میں قیام فرمانا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سیدنا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مشکل الآثار" میں اور امام نسائی اور امام ابو داؤد نے اپنی اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: واللفظ للطحاوی:"کنا نقعد مع رسول الله ﷺ بالغدوات، فإذا قام إلی بیته لم نزل قیاما حتی یدخل بیته" یعنی ہم صبح کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھتے، جب حضور ﷺ کاشانۂ اقدس میں جانے کے لیے کھڑے ہوتے تو ہم کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے کہ حضور ﷺ اپنے دولت سرائے اقدس میں داخل ہو جائیں نیز ابو داؤد، ترمذی، صحیح ابن حبان، مستدرک اور الادب المفرد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: واللفظ

للآخر "كان رسول الله إذا رأى فاطمة قد أقبلت رحب بها ثم قام إليها فقبلها ثم أخذ بيدها فجاء بها حتى يجلسها في مكانه وكانت إذا أتاها النبي ﷺ رحبت به ثم قامت إليه فقبلته". یعنی جب حضور ﷺ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو آتے ہوئے دیکھتے تو سیدہ کا خیر مقدم کرتے اور کھڑے ہو جاتے پھر ان کا بوسہ لیتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے اور قریب لا کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ اسی طرح حضرت سیدہ بھی جب حضور کو اپنے گھر تشریف لاتے ہوئے دیکھتیں تو حضور کا استقبال کرتیں اور کھڑی ہو جاتیں پھر حضور کا بوسہ لیتیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ کسی کے احترام اور اعزاز میں قیام کرنا حضور ﷺ اور صحابہ کے فعل سے ثابت ہے۔

اور مؤخر الذکر حدیث کو قیام تعظیمی کے ثبوت میں لانے پر امام ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کا کتاب المدخل میں سیدنا امام نووی قدس سرہ پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ قیام حجرۂ اقدس اور فرش مبارک کی تنگی کی وجہ سے تھا نہ کہ سیدہ کے احترام میں چنانچہ فرمایا: "قيامه عليه الصلاة والسلام وقيامها رضي الله عنها لأن بيوتهم على ما قد علم من ضيقها، وقد كانت أحوالهم على ما قد علم من شظف العيش وقلة الدنيا سيما فاطمة رضي الله عنها، فالحاصل أن الإقلال الذي كان عندهم من الدنيا كانوا يمتنعون بسببه من فراش زائد على ما يضطرون إليه أو شيء زائد على ما يقعدون عليه. فإذا لم يكن عندها إلا وطء واحد، وهي قاعدة عليه ودخل عليها أبوها فكيف يمكن أن يقعد عليه الصلاة والسلام على الأرض، وهي على حائل؟ لا يمكن ذلك أصلا، فاحتاجت إلى القيام من مجلسها حتى يقعد أبوها ﷺ على الحائل، ثم تقعد هي بعد ذلك إما على طرف الحائل أو على الأرض.

وكذلك أيضا إذا دخلت هي رضي الله عنها على أبيها عليه الصلاة والسلام، وهو عليه السلام يفضلها ويعظمها بتفضيل الله تعالى وتعظيمه لها فلا يمكن أن يقعد عليه الصلاة والسلام على حائل، وهي تقعد مباشرة للأرض فيقوم عليه الصلاة والسلام حتى يجلسها على ما كان عليه جالسا لأجل المنزلة العظمى التي لها عند ربها". ملتقطا. (المدخل: ۱/ ۱۷۴، ۱۷۳) تو ان کے اس کفش بردار کی جانب سے ان کی بارگاہ میں بصد ادب یہ عرض ہے کہ ظاہر حدیث اس تاویل کو باطل کرتا ہے کیونکہ حدیث پاک میں صراحتًا مذکور ہے کہ حضور کھڑے ہو کر حضرت سیدہ کے پاس گئے اور ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا پھر ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ لائے۔ یہ واضح طور پر بتا رہا ہے کہ قیام کرنا حضرت سیدہ کے احترام میں تھا ورنہ اگر محض جگہ اور فرش کی تنگی کی وجہ سے ایسا ہوتا تو قیام کرنے اور بوسہ لینے کی ضرورت ہی کیا تھی بلکہ اپنی جگہ سے کچھ ہٹ کر سیدہ کو چادر مبارک کے ایک حصہ پر بٹھا دیتے۔ لہذا حق یہی ہے کہ یہ قیام محض حضرت سیدہ کے احترام میں تھا۔

اور ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے جو یہ روایت ہے:"لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله ﷺ، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك"یعنی صحابۂ کرام کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، باوجود اس کے جب صحابہ حضور ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ حضور کو ناگوار ہے۔ تو یہ حضور ﷺ کا غایت تواضع ہے کہ بارگاہ الٰہی میں سب سے معظم ومکرم ہوتے ہوئے بھی اپنے لیے یہ پسند نہ فرماتے کہ کوئی کھڑا ہو جیسے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث شریف میں جسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا کہ "خرج علينا رسول الله ﷺ، فقال أبو بكر: قوموا نستغيث برسول الله ﷺ من هذا المنافق، فقال رسول الله ﷺ:" لا يقام لي، إنما يقام لله "یعنی حضور ﷺ کاشانۂ اقدس سے ہمارے سامنے برآمد ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اٹھو ہم حضور سے اس منافق کی فریاد کریں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے قیام نہ کیا جائے، قیام صرف اللہ کے لیے کیا جائے۔ تو جیسے حضور نے اپنے بجائے اللہ تعالی کے لیے قیام کرنے کو اس بنا پر نہیں فرمایا کہ حضور کے لیے قیام کرنا منع ہے بلکہ صرف تواضعاً فرمایا، اسی طرح یہاں بھی بربنائے تواضع حضور کا اپنے لیے قیام کو پسند نہ کرنے کا بیان مقصود ہے۔ بس اسی وجہ سے صحابۂ کرام حضور کے لیے قیام نہ کرتے اور بارہا آپ کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے قیام کیا تو اس پر سرکار نے انکار نہ فرمایا چنانچہ حدیث ابو ہریرہ میں اس کا بیان گزرا۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح میں زیر بحث حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:"أي تواضعا لربه ومخالفة لعادة المتكبرين والمتجبرين، بل اختار الثبات على عادة العرب في ترك التكلف في قيامهم وجلوسهم وأكلهم وشربهم ولبسهم ومشيهم وسائر أفعالهم وأخلاقهم"یعنی حضور نے اپنے رب کے حضور فروتنی ظاہر کرنے کے لیے اور متکبروں اور سرکشوں کے طریقے کی مخالفت میں قیام کو پسند نہ کیا، بلکہ اہل عرب کی عادت کے مطابق نشست وبرخاست، خورد ونوش، پوشش وروش اور تمام عادات واطوار میں سادگی پر قائم رہنا پسند کیا۔ (مرقاۃ المفاتیح:۸/۴۷۵)

ہاں! احادیث میں جس قیام کی مذمت فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ آدمی خود اپنے لیے قیام کی خواہش کرے اور چاہے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے اٹھیں اور نہ اٹھنے میں اپنی بے عزتی اور توہین سمجھے یا اس قیام سے منع کیا گیا ہے جو عجم کے سلاطین میں رائج تھا کہ خود زریں مسندوں پر بیٹھے ہوتے اور ارد گرد لوگ ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے۔ چنانچہ

(۱) ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے:"من سره أن يتمثل له الرجال قياما فليتبوء مقعده من النار"یعنی جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو اسے چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔ امام بدرالدین عینی

رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ القاری" میں زیر حدیث "قوموا إلی سیدکم" فرماتے ہیں: "فیه إلزام الناس كافة بالقيام إلى سيدهم ولا يعارض هذا حديث معاوية لأن هذا الوعيد إنما توجه للمتكبرين وإلى من يغضب أو يسخط أن لا يقام له وقال القرطبي: إنما المكروه القيام للمرء وهو جالس" یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر ان کے سردار کے لیے قیام لازم کیا جائے اور یہ حدیث معاویہ کے معارض نہیں ہے کیوں کہ حدیث معاویہ میں وعید صرف متکبروں اور ان لوگوں کے لیے وارد ہے جو لوگوں کے کھڑے نہ ہونے پر برافروختہ یا خفا ہو جائیں اور امام قرطبی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مکروہ صرف وہ قیام ہے کہ کسی ایسے شخص کے لیے کیا جائے جو بیٹھا ہو۔ (عمدۃ القاری: ۱۰/ ۳۶۸) اور امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "أجاب عنه ابن قتيبة بأن معناه من أراد أن يقوم الرجال على رأسه كما يقام بين يدي ملوك الأعاجم، وليس المراد به نهي الرجل عن القيام لأخيه ... وقال الخطابي: معنى حديث «من أحب أن يقام له» أي بأن يلزمهم بالقيام له صفوفا على طريق الكبر والنخوة" یعنی امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید اس شخص کے حق میں ہے جو چاہے کہ لوگ اس کے سرہانے یوں کھڑے رہیں جس طرح خسروانِ عجم کے سامنے قیام کیا جاتا ہے، مطلقاً ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لیے قیام کرنے سے روکنا مقصود نہیں۔ اور امام خطابی فرماتے ہیں کہ اپنے لیے قیام کو پسند کرنے کا مطلب ہے لوگوں پر صف بستہ قیام کو لازم کرنا از راہِ تکبر۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۵۹) اور امام طبری اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: "هذا الخبر إنما فيه نهي من يقام له عن السرور بذلك لا نهي من يقوم له إكراما له" یعنی اس حدیث میں اس شخص کو جس کے لیے لوگ کھڑے ہوں صرف اس پر مسرور ہونے سے روکنا مقصود ہے، لوگوں کو اس کے لیے تعظیماً قیام کرنے سے روکنا مقصود نہیں۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۵۹، عمدۃ القاری: ۱۵/ ۳۷۶) اور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدّس سرّہ فرماتے ہیں: "معظمان دینی کے ہاتھ پاؤں چومنا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، یوہیں انہیں دیکھ کر قیام۔ مگر ہاتھ باندھے کھڑے رہنا نہ چاہیے اور اگر کوئی معظم اس کی خواہش کرے اس کی یہ خواہش حرام ہے۔ حدیث میں ہے: "من سره أن يتمثل له الرجال قياما فليتبوء مقعده من النار". (فتاویٰ رضویہ، ج: نہم، نصف آخر، ص: ۱۸۵)

(۲) ابوداؤد ہی میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "خرج رسول الله ﷺ متكئا على عصا فقمنا له فقال لا تقوموا كما تقوم الأعاجم يعظم بعضها بعضا" یعنی رسول اللہ ﷺ لکڑی کے سہارے تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ایسے کھڑے نہ ہو جیسے عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند حنبل اور الادب المفرد میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے واللفظ لمسلم: "اشتكى رسول الله ﷺ،

فصلينا وراءه وهو قاعد، وأبو بكر يسمع الناس تكبيره، فالتفت إلينا فرآنا قياما، فأشار إلينا فقعدنا، فصلينا بصلاته قعودا، فلما سلم قال: إن كدتم آنفا لتفعلون فعل فارس والروم، يقومون على ملوكهم وهم قعود، فلا تفعلوا" یعنی حضور ﷺ کے پائے مبارک میں چوٹ آئی تھی تو ہم نے حضور کی اقتدا میں اس طرح نماز پڑھی کہ سرکار بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابو بکر حضور کی آواز لوگوں کو پہنچا رہے تھے۔ حضور نے ہمیں کنکھیوں سے کھڑا دیکھ کر اشارہ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، ہم بیٹھ گئے اور حضور کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر جب حضور ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ یقیناً تم لوگ ابھی فارسیوں اور رومیوں جیسا کام کیا چاہتے تھے جو اپنے بادشاہوں کے ارد گرد کھڑے رہتے ہیں اور وہ بیٹھے ہوتے ہیں، تم یہ نہ کرو۔ سیدنا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:" فيه النهي عن قيام الغلمان والتباع على رأس متبوعهم الجالس لغير حاجة" یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غلاموں اور ماتحتوں کو بلا ضرورت اپنے پیشوا کے سرہانے اس طرح کھڑا ہونا کہ وہ بیٹھا ہوا ہو، یہ ممنوع ہے۔ (شرح صحیح مسلم:۱/۱۷۷)

اقول: یہاں سے واضح ہوا کہ حدیث ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ میں صحابۂ کرام کو حضور نے جس قیام سے منع فرمایا وہ اسی قیام کی طرف اشارہ ہے جس کا بیان اس حدیث میں گزرا۔ مطلب یہ ہوا کہ ٹھیک ہے جو تم نے میرے آنے پر تعظیماً قیام کیا مگر ایسا قیام نہ کرنا جو عجمیوں میں رائج ہے اور اس کا بیان حدیث جابر بن عبد اللہ سے ہو گیا بلکہ اگر حضرت انس کی حدیث سابق میں قیام نہ کرنے سے عجمیوں کی طرح قیام نہ کرنا مراد لیا جائے تو حدیث انس کا ایک عمدہ محمل متعین ہو جائے گا اور دیگر احادیث جو مثبت قیام تعظیمی ہیں ان میں اور اس حدیث میں نفیس تطبیق ہو جائے گی یعنی جب صحابہ حضور کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے مگر عجمیوں کی طرح نہیں کہ حضور کے جلوس فرمانے کے بعد بھی ارد گرد کھڑے رہیں بلکہ سرکار کے تشریف رکھنے کے بعد صحابہ بھی بیٹھ جاتے کیوں کہ عجمیوں جیسا قیام کرنا حضور کو ناگوار خاطر تھا۔ اور اس کی تایید خود حضرت انس بن مالک کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جسے امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: "إنما هلك من كان قبلكم بأنهم عظموا ملوكهم بأن قاموا وقعدوا" یعنی تم سے پہلے لوگ اپنے بادشاہوں کی تعظیم کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے کہ وہ کھڑے رہتے اور یہ بیٹھے رہتے۔

آخر میں اس بحث کو فقیہ اعظم ہند، صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب قُدِّسَ سِرُّہ کی عبارت پر ختم کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ "عجمیوں کا کھڑے ہونے میں جو طریقہ ہے وہ قبیح و مذموم ہے، اس طرح کھڑے ہونے کی ممانعت ہے، وہ یہ ہے کہ امر ابیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ بروجہ تعظیم ان کے قریب کھڑے رہتے ہیں۔ دوسری صورت عدم جواز کی وہ ہے کہ وہ خود پسند کرتا ہو کہ میرے لیے لوگ کھڑے ہوا کریں اور کوئی کھڑا نہ ہو تو برا مانے جیسا کہ ہندوستان میں اب بھی بہت جگہ رواج ہے کہ امیروں، رئیسوں، زمین داروں کے لیے ان کی رعایا کھڑی ہوتی ہے، نہ کھڑی ہو تو زدوکوب تک نوبت آتی ہے۔ ایسے ہی متکبرین و متجبرین کے

کہا کہ جو روایت آپ نے بیان کی کہاں ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ "کنز الد قائق " میں ہے۔ لہذا وہ کتاب منگوائی گئی اور علما اس روایت کو کتاب الحظر و الاباحت میں تلاش کرنے لگے مگر اس میں نہ پا کر کہنے لگے کہ آپ نے غیر شرعی بات کہی نیز حضور ﷺ نے ہمیشہ استعمال نہیں کیا، آپ تو ہمیشہ پہنتے ہیں۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی سر کا حلق فرمایا ہے، تم لوگ ہمیشہ کیوں سر منڈاتے ہو؟ ان علما سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا پھر آپ نے "کنز" کو لے کر مسائل شتیٰ میں اس روایت کو نکال کر دکھایا۔[1] یہ دیکھ کر سارے علما انگشت بدنداں ہو گئے اور آپ کے قدموں پر گر پڑے۔

ایک طالب علم نے شیخ عبد الاول کے پاس جا کر تمام باتیں کہہ سنائیں، اتفاق سے جامع مسجد کے خطیب بھی اس وقت آ پہونچے۔ شیخ عبد الاول نے ان سے دریافت کیا کہ تم اس بحث کے وقت حاضر تھے ؟ انہوں نے

متعلق معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ والی حدیث میں وعید آئی ہے اور اگر ان کی طرف سے یہ نہ ہو بلکہ یہ کھڑا ہونے والا اس کو مستحق تعظیم سمجھ کر ثواب کے لیے کھڑا ہوتا ہے یا تواضع کے طور پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ ناجائز نہیں بلکہ مستحب ہے۔" (بہار شریعت: ح۱۶، ص ۴۰۷، المدینۃ العلمیۃ)۔

پھر راقم الحروف فتاوی امجدیہ کا مطالعہ کر رہا تھا، دوران مطالعہ ایک فتوی پر نظر رک گئی جو قیام تعظیمی کے بارے میں تھا اور حضرت صدر الشریعہ قُدِّسَ سِرُّہ نے بہت ہی مبسوط اور جامع فتوی تحریر فرمایا ہے جس میں آپ نے قیام تعظیمی کی نفی میں حضرت انس بن مالک کی حدیث کے محتملات میں سے ایک احتمال وہ بھی ذکر فرمایا ہے جو راقم الحروف نے ابھی چند سطر پیشتر لکھا۔ وللہ الحمد، دیکھیے؛ فتاوی امجدیہ: ۴/ ۸۴ تا۸۹۔ واللہ تعالی اعلم

(۱) کنز الد قائق کی عبارت اس طرح ہے:"یُسَنُّ لبس السواد "یعنی سیاہ لباس پہنا مسنون (بسنت زائدہ) ہے۔ اس کے تحت بحر الرائق میں ہے:"لأن محمدا رحمه الله ذكر في السير الكبير في باب الغنائم حديثا يدل على أن لبس السواد مستحب" یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "سیر کبیر" کے "باب الغنائم" میں ایک حدیث ذکر فرمائی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سیاہ لباس پہنا مستحب ہے۔ (بحر الرائق: ۹/ ۳۶۱-۳۶۲) اور صاحب بحر الرائق نے "سیر کبیر" کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ حدیث ہے:"دخل رسول الله ﷺ مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء". یعنی رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ سر اقدس پر سیاہ عمامہ سجا ہوا تھا۔ (شرح سیر کبیر لسرخسی: ۱/ ۹۲)

کہا کہ میں شروع سے آخر تک حاضر تھا۔ علمائے سمر قند میں سے کوئی ایسا نہ نکلا جو حضرت شیخ احمد کو خاموش کر سکے۔ شیخ عبد الاول نے کہا کہ افسوس! ہمارے ملک میں اب یہ مشہور ہو جائے گا کہ ایک دہلوی عالم سے سمر قند کے سارے علما دب گئے۔

(مرقاۃ الوصول، ص:۲۳۳ تا ۲۳۵)

ریاضت و مجاہدہ:

حضرت شیخ اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے وصال کے بعد آپ نے ریاضت و مجاہدات شروع کیے اور چالیس روز کے اندر صرف چند کھجوریں کھانے پر کفایت کرتے پھر جب آپ مسجد خانجہاں دہلی میں وارد ہوئے تو وہاں آپ نے بے انتہا ریاضت کی اور تمام علائق دنیوی سے ذات وحدت کی طرف یکسو ہو کر شب و روز عبادت میں مصروف رہنے لگے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ خلقِ خدا میں آپ کا شہرہ ہو گیا اور سلطان دہلی فیروز شاہ تغلق (عہدِ حکومت: ۷۵۲ تا ۷۸۹ھ / ۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء) بھی آپ کی ملاقات کے لیے خانجہاں کی مسجد میں آیا اور دعائے خیر کا طالب ہو کر واپس ہو گیا۔

چناں چہ مولانا غلام سرور لاہوری "خزینۃ الاصفیاء" میں آپ کے مجاہدے کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"شیخ احمد از زیارت روز سیوم وے فارغ شدہ، بتاریخ بستم ماہ شعبان سنہ ہفتصد و ہفتاد و شش در اربعین نشست، و بست و یک خرما و یک مشک آب برائے طہارت ہمراہ خویش در حجرہ برد، و دروازۂ حجرہ مسدود ساخت۔ چوں بروز عید از حجرہ بر آمد، معلوم کردند کہ در چہل روز چار خرما تناول کردہ بود۔ بعد ازاں از کھتو مسافر گشت و در دہلی رسید و در مسجد جہاں خان بگوشۂ اِنْزِوا بنشست۔"

یعنی شیخ احمد حضرت شیخ اسحاق مغربی کے تیجے سے فارغ ہو کر ۲۰، شعبان المعظم ۷۷۶ھ کو چلہ میں بیٹھ گئے اور اکیس کھجوریں اور ایک مشک پانی طہارت کے لیے اپنے ساتھ حجرے میں لے گئے اور اندر سے حجرہ بند کر لیا۔ جب عید کے روز حجرہ سے بر آمد ہوئے تو لوگوں نے معلوم کیا کہ چالس دن میں صرف چار کھجوریں

کھائیں تھیں۔ پھر آپ کھٹو سے سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچے اور خانجہاں کی مسجد میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ گئے۔

(خزینۃ الاصفیاء: ۲/ ۳۱۷، مخزون ایشیاٹک سوسائٹی، ناشر: منشی نولکشور، لکھنؤ)

اور بقول شیخ محقق آپ نے چالیس دن میں چالیس کھجوریں کھائیں تھیں۔

چنانچہ "اخبار الاخیار" میں مرقوم ہے کہ

"بعد از فوت بابا اسحاق چلہ بر آورد۔ در مدت چہل روز، چہل خرما بکار برد و سیر ملک بالا بر قدم ترک وتجرید نیز کردہ"۔

ترجمہ: یعنی بابا اسحاق مغربی کے وصال کے بعد آپ نے چلہ کشی کی اور اس چلہ میں آپ نے چالیس کھجوریں کھائیں نیز ترک و تجرید (مخلوق سے ترک تعلقات کرنا اور ماسوائے اللہ سے اپنے دل کو خالی کرنا) کی روش پر گامزن ہو کر عالم بالا کی سیر کی۔

اور خانجہاں کی مسجد میں ریاضت شاقہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"در مسجد خان جہاں ریاضت شاقہ می کشید و افطار بپرَ کالہ کُنجارہ می کرد"۔

یعنی مسجد خانجہاں میں انتہائی سخت ریاضت و مجاہدے کرتے اور کھلی کے ایک جز سے روزہ افطار کرتے۔ (اخبار الاخیار، ص: ۱۵۲)

اور مزید شیخ احمد کے ریاضت و مجاہدات کا ذکر انہی کی زبانی فرماتے ہیں:

"ایں درویش دوازدہ سال پائے برہنہ بے رفیق و بے ابریق سفر کردہ است۔ در ہر شہرے و در ہر قصبہ کہ می رسید، شب راہم در مسجد می ماند۔ و ایں درویش را از آفتِ احتلام، خدائے تعالیٰ بفضل و کرم خود نگاہ داشتہ است۔ و ایں درویش باوضوئے نماز عشا، نماز فجر می گزارد و بیشتر در سفر روزہ می داشت و ریاضت می کرد، ومحنتہائے سفر چنداں کشیدہ کہ در بیان نیاید۔ و اگر چہ در سفر مشقت و تعب بسیار است، فاما فرحتِ حضور باطن وطربِ دل بے شمار است۔ و ایں درویش کہ پائے برہنہ و پیادہ سفر کرد، بر حکم حدیث نبوی ﷺ کرد کہ فرمودہ است: وامشوا حفاة عراة سترون الله جهرة۔

یعنی اس فقیر نے بارہ سال تک بے سروسامان اور برہنہ پا سفر کیا ہے اور جس شہر یا قصبہ میں پہونچا رات کو مسجد میں ٹھہر جاتا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس فقیر کو احتلام سے محفوظ رکھا ہے۔ اور یہ فقیر عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا۔ اکثر سفر میں روزے رکھتا اور سفر میں اس قدر ریاضت و مجاہدے کیے کہ بیان میں نہیں آسکتے۔ گو کہ سفر میں بہت ہی مشقتیں اور کلفتیں ہوتیں مگر حضوریٔ باطن کی بے پناہ خوشی ہوتی اور دل کو بے حد سرور حاصل ہوتا۔ اور اس درویش نے جو برہنہ پا اور پیادہ سفر کیا وہ بحکم حدیث کیا ہے کہ حضور نے فرمایا: تم برہنہ پا اور برہنہ تن سفر کرو؛ عنقریب اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھ لوگے"۔[1] (اخبار الاخیار، ص:۱۵۴)

---

(۱) یہ حدیث رتن ہندی کی مرویات سے ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابۃ"، علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے "تذکرۃ الموضوعات" اور علامہ نور الدین کنانی نے "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ" میں ذکر فرمایا کہ رتن نے کہا: "كنت في زفاف فاطمة وجماعة من الصحابة، وكان ثم من يغني شيئا فطابت قلوبنا ورقصنا، فلما كان الغد سئلَنا رسولُ اللهﷺعن ليلتنا، فأخبرناه، فدعا لنا ولم ينكر علينا فِعْلَنا وقال:اخشوشنوا وامشوا حفاة تروا الله جهرة" یعنی میں اور صحابہ کی ایک جماعت حضرت فاطمہ کے زفاف میں شریک تھے اور وہاں کچھ لوگ نغمہ سنجی کر رہے تھے جو ہمارے دلوں کو خوشگوار لگا اور ہم رقص کرنے لگے۔ دوسرے دن حضور نے ہمیں رات کا واقعہ دریافت کیا، ہم نے حضور کو بتایا۔ تو حضور نے ہمیں دعائیں دیں اور ہمارے اس فعل پر انکار نہ کیا اور فرمایا کہ کھادی لباس پہنو، ننگے پیر چلو، تم اللہ کو بے حجاب دیکھوگے۔ (اصابہ: ۲/۱۹۷، تذکرۃ الموضوعات: ۱۰۴، تنزیہ الشریعۃ: ۲/۳۹)

مگر اجلۂ محدثین نے رتن ہندی کی مرویات پر اعتماد نہیں فرمایا کیوں کہ اس نے چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں دعویٔ صحابیت کیا اور کہا کہ وہ ہندوستان میں معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر حضور کی زیارت کے لیے سفر کرتے ہوئے مکہ آیا اور حضور پر ایمان لایا اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ طیبہ آیا اور غزوۂ خندق میں حضور کے ساتھ شریک تھا اور حضور ﷺ نے اس کی درازیٔ عمر کے لیے دعا فرمائی۔ اور اس نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بے شمار احادیث حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے لوگوں میں بیان کرنے لگا اور خاص و عام میں اس کا اور اس کی حدیثوں کا بہت زیادہ شہرہ ہو گیا۔ لہذا ائمۂ حدیث نے اس کے دعویٔ صحابیت کا شد و مد سے رد کیا اور فرمایا کہ اس کی مرویات بے اصل ہیں کیوں کہ اس کے دعوے کا بطلان حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری عرصے میں ایک رات ہمیں عشا کی نماز پڑھائی، جب سلام پھیرا تو ہم سے فرمایا:

"أرأيتكم ليلتكم هذه، فإن على رأس مائة سنة منها لا يبقى على وجه الأرض ممن هو اليوم عليها أحد"یعنی آج کی رات کو اچھی طرح یاد رکھ لو کیوں کہ آج سے سو سال گزرنے پر روئے زمین میں کوئی شخص باقی نہ رہے گا جو آج زندہ ہے اور مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اتنا اور زائد کیا کہ حضور ﷺ نے اپنے وصال سے ایک ماہ پیشتر یہ فرمایا۔ جب اس حدیث صحیح سے ثابت کہ حضور کے اس ارشاد سے ایک صدی گزرنے تک سارے صحابہ فوت ہو جائیں گے اور باتفاقِ محدثین تمام صحابۂ کرام میں سب سے آخر حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا باختلافِ روایات ۱۰۰ھ یا ۱۰۲ھ یا ۱۰۷ھ یا ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ زرقانی علی المواہب میں ہے: (قد ضبط الأئمة من الحفاظ) للحديث (آخر من مات من الصحابة على الإطلاق) في جميع الأرض لا باعتبار النواحي والبلدان (بلا خلاف) بين أهل الحديث (أبو الطفيل عامر بن واثلة الليثي كما جزم به مسلم) ومصعب الزبيري وابن منده وأخرج مسلم عنه: رأيت رسول الله ﷺ وما على وجه الأرض رجل رآه غيري (وكان موته سنة ۱۰۰ على الصحيح) وقيل: سنة ۱۰۲ (وقيل: سنة ۱۰۷، وقيل: سنة ۱۱۰) قال جرير بن حازم: كنت بمكة سنة ۱۱۰ فرأيت جنازة فسئلت عنها فقيل له: أبو الطفيل (وهو الذي صححه الذهبي) في الوفيات والحافظ في التهذيب.اهـ. یعنی ائمۂ حفاظِ حدیث ضبط تحریر میں لا چکے کہ بے لحاظ دیار وامصار مطلقاً پوری روئے زمین میں سب سے آخر میں انتقال کرنے والے صحابی باتفاق محدثین ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں۔ چنانچہ اسی پر امام مسلم، مصعب زبیری اور ابن مندہ نے جزم کیا ہے اور امام مسلم نے ان سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے حضور کو دیکھا ہو۔ ان کا وصال بر قول صحیح ۱۰۰ھ میں ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ۱۰۲ھ میں ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ ۱۰۷ھ میں ہوا اور کہا گیا کہ ۱۱۰ھ میں ہوا۔ جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ معظمہ تھا، میں نے ایک جنازہ دیکھا، پوچھا تو کہا گیا کہ یہ ابو طفیل ہیں اور امام ذہبی نے الوفیات اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں اسی قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ (زرقانی علی المواہب: ۷/ ۳۰)

توجو شخص چھ صدیاں گزر جانے پر ظاہر ہو اور دعویٔ صحابیت کرے اور حضور ﷺ سے براہِ راست حدیث روایت کرے، بھلا اس کی یہ بات اور روایات کیوں کر قابل اعتماد ہو سکتی ہیں؟ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "لسان المیزان" میں امام شمس الدین ذہبی کے رسالہ "کسر وثن رتن" کے حوالے سے فرماتے ہیں: اعلموا أن همم الناس ودواعيهم متوفرة على نوادر الأخبار، فأين كان هذا الهندي في هذه الستمائة سنة؟ أما كان مَن قرب مِن بلده يتسامع به ويرحل اليه؟ أين كان لما فتح محمود بن سبكتكين الهند في المائة الرابعة؟ وقد صنفوا سيرته وفتوحه ولم يتعرض أحد من أهل

ذلك العصر لذكر هذا الهندي، ثم اتسعت الفتوح في الهند ولم يسمع له بذكر في الرابعة ولا في بعدها. ثم تطاولت الأعمار بمرور الليالي والنهار الى عام ستمائة ولم ينطق بذكره رسالة، ولا عرج على أحواله تاريخ، ولا نقل وجوده جوّال ولا رحّال ولا تاجر سفّار. اهـ. یعنی تمہاری دانست میں رہے کہ نادر باتوں کی طرف لوگوں کی توجہات اور ان کی آمادگی زیادہ رہتی ہے تو بھلا یہ ہندی ان چھ صدیوں میں کہاں گم تھا؟ کیا اس کے شہر کے قریب کوئی ایسا نہ تھا جسے کانوں کان اس کی خبر لگتی اور اس تک رخت سفر باندھتا؟ پھر جب سلطان محمود غزنوی نے چوتھی صدی میں ہندوستان کو فتح کیا تب وہ کہاں تھا؟ حالاں کہ مؤرخین نے محمود بن سبکتگین کی سیرت اور فتوحات پر تصنیفات لکھی ہیں مگر اس دور میں کسی نے بھی اس ہندی کے تذکرہ سے تعرض نہ کیا، پھر ہندوستان میں فتوحات کا دائرہ کافی وسیع ہوا اور اس کا کوئی تذکرہ سننے میں نہ آیا؛ چوتھی صدی میں نہ بعد کی صدیوں میں، حتی کہ چھ سو سال کی اس نے طویل عمر پائی اور نہ کوئی رسالہ اس کے ذکر پر ناطق نہ کوئی تاریخ اس کے احوال کی طرف مائل نہ کوئی سیاح نہ جہاں نَوَرْد نہ کثیر الاسفار تاجر اس کے وجود کا ناقل۔ (لسان المیزان: ۳/۸۵) اور "اصابہ" میں اتنا اور زائد ہے: "فمثل هذا لا يكفي في قبول دعواه خبر واحد". یعنی کہ اس قسم کا جو شخص ہے اس کی بات ماننے کے لیے خبر واحد ناکافی ہے۔ (اصابہ: ۲/۱۹۷) اور اسی کتاب میں ثبوت صحابیت کی بحث میں فرماتے ہیں: "ذلك بأشياء: أولها أن يثبت بطريق التواتر أنه صحابي ثم بالاستفاضة والشهرة ثم بأن يروى عن آحاد من الصحابة أن فلانا له صحبة مثلا، وكذا عن آحاد التابعين ثم بأن يقول هو إذا كان ثابت العدالة والمعاصرة: أنا صحابي، ويعتبر المعاصرة بمضي مائة سنة وعشر سنين من هجرة النبي ﷺ لقوله ﷺ في آخر عمره لأصحابه: «أرأيتكم ليلتكم هذه، فإن على رأس مائة سنة منها لا يبقى على وجه الأرض ممن هو اليوم عليها أحد» رواه البخاري، ومسلم من حديث ابن عمر، وزاد مسلم من حديث جابر أن ذلك كان قبل موته ﷺ ولهذه النكتة لم يصدق الأئمة أحدا ادعى الصحبة بعد الغاية المذكورة، وقد ادعاها جماعة فكذبوا، وكان آخرهم رتن الهندي لأن الظاهر كذبهم في دعواهم على ما قررته". (بتلخیصٍ و تغییرٍ یسیر) یعنی کسی شخص کی صحابیت کا ثبوت چند طریقوں سے ہوتا ہے، اول یہ کہ اس کی صحابیت تواتر سے ثابت ہو، دوم یہ کہ اس کا صحابی ہونا مشہور و معروف ہو، سوم یہ کہ کسی صحابی سے مروی ہو کہ فلاں کو شرف صحبت حاصل ہے، چہارم یہ کہ کسی تابعی سے یہ بات منقول ہو، پنجم یہ کہ وہ خود اپنے بارے میں کہے کہ میں صحابی ہوں جب کہ وہ عادل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاصر ہو اور معاصرت کا اعتبار ۱۱۰ھ کے گزرنے تک کیا جائے گا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر عمر میں فرمایا— پھر علامہ ابن حجر نے وہی بخاری و مسلم کی حدیث مذکور بیان فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ اسی نکتہ کے پیش نظر ائمۂ حدیث نے کسی ایسے شخص کی تصدیق نہیں کی جس نے مذکورہ حد کے

بعد دعویٰ صحابیت کیا اور البتہ ایک گروہ نے یہ دعوی کیا تو ان کی تکذیب کی گئی جن میں سے آخری شخص رتن ہندی تھا کہ ظاہر ان کے اس دعوی کی تکذیب کر رہا ہے۔ (اصابہ: ۱/۲۱) اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: "والذي يظهر أنه كان طال عمره، فادعى ما ادعى، فتمادى على ذلك حتى اشتهر، ولو كان صادقا لاشتهر في المائة الثانية أو الثالثة أو الرابعة أو الخامسة، ولكن لم ينقل عنه شيء إلا في أواخر السادسة ثم في أوائل السابعة قبيل وفاته". یعنی ظاہر یہ ہے کہ اس نے طویل عمر پائی، لہذا اسے جو دعوی کرنا تھا کیا، پھر اسی پر مصر رہا حتی کہ مشہور ہو گیا۔ اگر واقعی وہ سچا تھا تو دوسری، تیسری، چوتھی یا پانچویں صدی میں مشہور ہوتا مگر سوائے چھٹی صدی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل کے اس کی وفات سے کچھ پیشتر اس کا کوئی تذکرہ منقول نہیں ہے۔ (اصابہ: ۲/۲۰۴) اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما ذكر من أمر بابا رتن ونحوه فإن ذلك لا يروج على من له أدنى مسكة من العقل" یعنی بابا رتن وغیرہ کی جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس کے نزدیک نہیں چل پائیں گی جو معمولی خرد رکھتا ہے۔ (المواہب اللدنیۃ: ۳/۳۲)

تاہم بہت سے صوفیۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے رتن ہندی پر اعتماد کیا اور اس کی مرویات اپنی کتابوں میں نقل کیں۔ جیسے (۱) شیخ ہمام الدین سہر کندی (۲) شیخ موسی بن مجلی بن بندار دنیسری (۳) شیخ حسن بن محمد حسینی خراسانی (۴) شیخ کمال الدین شیرازی (۵) شیخ اسماعیل بارتی (۶) شیخ صالح داؤد بن اسعد بن حامد قفّال منخروری (۷) شریف مؤفق الدین علی بن محمد خراسانی ہروی حسینی (۸) شیخ ابو بکر مقدسی (۹) ابو مروان عبد الملک بن بشر مغربی (۱۰) ابو الفضل عثمان بن ابی بکر بن سعید اربلی (۱۱) زید بن میکائیل بن اسرافیل (۱۲) شیخ رضی الدین علی لالا وغیرہ۔ انہیں میں سے حضرت شیخ احمد گنج بخش مغربی علیہ الرحمۃ بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں ملک العلماء بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی بن نظام الدین قدس سرہ کی کتاب "فواتح الرحموت" سے ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں جس سے اس گرہ کی عقدہ کشائی میں رہنمائی ملے گی۔

فرماتے ہیں:

"(إخبار العدل عن نفسه بأنه صحابي إذا كان معاصرا) لرسول الله ﷺ أي علم معاصرته من غير إخباره(لاكالرتن) الهندي الذي ظهر بعد ست مائة سنة وادعى الصحبة، فقال في القاموس: إنه كذاب ليس صحابيا وقبله الشيخ ركن الدين علاء الدولة السمناني وقال: قد لقي الشيخ رضي الدين علي اللالا؛ الرتن الهندي صاحب رسول الله ﷺ وأعطاه مشطا من أمشاط رسول الله ﷺ وحبس ذلك المشط تبركا وقال: وصل إلي خرقة من الشيخ الرتن. ولا يخفى عليك أن الشيخين وإن كانا تقيين ولیین صاحبي كرامات لكن

لم يكن لهم معرفة بأحوال الرجال وغيرهم من رجال هذا المقال ولم يقولا بالكشف مع أن الجرح مقدم على التعديل (يفيد ظنا بصدقه) لكونه خبر عدل غير مكذوب (لكن) ظنا (ضعيفا) من ظن أخبار آخر (للريبة بادعاء الرتبة) العالية لنفسه والإنسان مجبول على طلبه فيكذب لأجله". ملخصا.

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ عادل شخص اپنے بارے میں خبر دے کہ وہ صحابی ہے اور اس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہو یعنی اس شخص کا عہد رسالت پانا ہمیں اس کے بتائے بغیر پہلے ہی سے معلوم ہو، تو اس سے ہمیں یہ گمان گزرے گا کہ یہ شخص اپنے دعوے میں صادق ہے کہ ہمیں ایسے شخص نے بتایا ہے جو عادل اور کذب سے دور ہے۔ تاہم یہ گمان نسبتاً ضعیف ہو گا کیوں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس نے اپنے لیے بلند مرتبہ کی خاطر یہ دعوی کیا ہو اور مقام ومرتبہ کی خواہش انسان کی سرشت میں ہے، لہذا اس نے اسی لیے جھوٹ بولا ہو۔ اور اس حکم میں وہ لوگ شامل نہ ہوں گے جن کی معاصرت تاریخ سے ثابت نہیں ہے بلکہ صرف ان کے بتانے پر موقوف ہے جیسے رتن ہندی جو چھے صدیاں گزر جانے کے بعد ظاہر ہوا اور دعویٰ صحابیت کیا۔ قاموس میں ہے کہ وہ یقینا کذاب ہے، صحابی نہیں ہے۔ مگر شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی نے اس کی بات قبول فرمائی اور کہا کہ شیخ رضی الدین علی لالا نے اس سے ملاقات کی اور اس نے شیخ علی لالا کو حضور ﷺ کا ایک شانہ دیا اور شیخ علی لالا نے اسے تبرکاً رکھا اور کہا کہ مجھے شیخ رتن سے ایک خرقہ بھی ملا ہے — مخفی نہ رہے کہ یہ دونوں مشائخ اگرچہ متقی، اللہ کے ولی اور صاحب کرامات تھے مگر انہیں اس فن کے ثقہ وغیر ثقہ راویوں کے احوال کی پرکھ نہیں تھی اور انہوں نے یہ کشف سے بھی نہیں فرمایا بلکہ نقل وحکایت کے طور پر کہا۔ علاوہ ازیں جب کسی شخص کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہو تو جرح کو تعدیل پر تقدیم حاصل ہو گی۔ (فواتح الرحموت: ۲/۱۹۹)

نیز اسی کتاب کا ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"(كثيرا ما يوجد عدول من غير الأئمة من عادتهم أنهم لا يروون إلا عن عدل) فإرسالهم أيضا يقتضي تعديل من رووا عنهم، فيكون حجة كإرسال الأئمة فلا فرق. (أقول) لا نسلم وجود العدول بالصفة المذكورة في غير الأئمة بل العدول من غيرهم لا يبالون عمن أخذوا ورووا، ألا ترى أن الشيخ علاء الدولة السمناني كيف اعتمد على الرتن الهندي، وأي رجل يكون مثله في العدالة؟ و(لو سلم فذلك بحسب زعمهم وكثيرا ما يخطئون) فيظنون غير العدل عدلا، فلا حجة في توثيقهم". ملخصا.

یعنی غیر ائمہ میں بکثرت ایسے عادل پائے جاتے ہیں جن کی عادت عادل ہی سے روایت کی ہوتی ہے تو ان کا ارسال بھی مروی عنہ کی تعدیل کا مقتضی ہو گا، لہذا ائمہ کی طرح ان کا ارسال بھی حجت ہو گا اور دونوں میں کوئی فرق نہ ہو گا — میں کہتا ہوں کہ غیر ائمہ میں عادل رواۃ کا اس وصف پر موجود ہونا تسلیم نہیں بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ حضرات اس کا لحاظ نہیں کرتے کہ کس سے روایت لیتے

ہیں، دیکھا نہیں کہ شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ نے رتن ہندی پر کیسا اعتماد کر لیا حالاں کہ عدالت میں کون ان کے پایہ کا ہوگا؟ اگر مان بھی لیا جائے تو یہ ان کے اپنے گمان کی رو سے ہے اور بارہا ان سے چوک ہوئی ہے کہ غیر عادل کو عادل سمجھ لیتے ہیں، لہذا ان کی توثیق حجت نہیں ہے۔ (فواتح الرحموت: ۲/ ۲۱۷)

مسئلۂ دائرہ کی مزید تفہیم کے لیے سطور ذیل میں امام اہل سنت سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہائے فتاوی سے ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں جو کافی اہمیت کا حامل ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ

" اگر بالفرض حضرت ممدوح سے اس کا ثبوت صحیح بروجہ معتمد ہو کہ حضرت نے یہ مخاطبہ کہیں ذکر فرمایا تو اب نظر اس میں ہوگی کہ آیا بر سبیل نقل و حکایت ہے یا بربنائے کشف والہام۔ بر تقدیر اول جب کہ مدار روایت پر رہا تو مسئلہ علوم ظاہرہ کے دائرہ میں آگیا، صحت سند درکار ہوگی اور کسی ولی معتمد کا کوئی نا معتمد حکایت کسی سے نقل فرمانا اس کی روایت کو صحیح و واجب الاعتماد نہ کردے گا۔"وهذا ما اعتذروا به عن الإمام محمد الغزالي قدس سره العالي في إيراده الأحاديث الواهية في الإحياء مع جلالة قدره في العلوم الظاهرة والباطنة"۔﴿یعنی یہی عذر اہل علم نے امام محمد غزالی قدس سرہ کی طرف سے پیش کیا جو انہوں نے باوجود علوم ظاہری و باطنی میں اپنی جلالت قدر کے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں واہی حدیثیں ذکر کی ہیں - مزمل﴾ (فتاوی رضویہ: ۳/ ۷۲۱)

اس اصول کی روشنی میں اگر ہم قضیۂ رتن کا جائزہ لیں تو ظاہر یہی ہے کہ رتن ہندی کی صحبت کو تسلیم کرنا اس سے سن کر چلا آرہا ہے تو یہ نقل و روایت کے طور پر ہوا اور علوم ظاہری کے زمرے میں داخل ہو گیا، لہذا سند سے بحث کی جائے گی جیسا کہ احادیث میں ہوتا ہے کہ راوی فن رجال سے ناواقف ہوں اور صحیح کو سقیم سے فرق کرنے کی حذاقت نہ رکھتے ہوں تو بارہا ان سے چوک ہو جاتی ہے اور ضعیف کو صحیح سمجھ لیتے ہیں اور اس کی روایت بھی کرنے لگتے ہیں حالاں کہ فی الواقع وہ حدیث ضعیف بلکہ منکر بلکہ موضوع بھی ہوتی ہے اور اس کی مثال میں احیاء العلوم شریف کو پیش کیا جاتا ہے جو سیدنا امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف ہے اور علم و فضل میں امام غزالی کے علوِّمقام کا ایک زمانہ معترف ہے، اس کے باوجود احیاء العلوم کی احادیث پر کافی جرح کی گئی ہے، وجہ یہی تھی کہ انہیں فن رجال میں حذاقت حاصل نہ تھی۔ امام مسلم مقدمۂ صحیح میں حضرت یحیی بن سعید قطان سے روایت کرتے ہیں کہ "لم نر الصالحين في شيء أكذب منهم في الحديث "یعنی صالحین سے حدیث میں جو چوک ہوتی ہے وہ ہم نے کسی چیز میں نہیں پایا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:"لكونهم لا يعانون صناعة أهل الحديث فيقع الخطأ في رواياتهم ولا يعرفونه".

یعنی کہ وہ اس فن کے مشاق نہیں ہوتے ہیں اس لیے ان کی روایات میں غلطی در آتی ہے اور انہی اس کی شناخت نہیں ہو پاتی ہے۔ (مسلم شریف:۱/ ۱۲-۱۳) تو جس طرح صالحین کے ضعاف، مناکیر یا موضوعات کی روایت سے وہ مستند و معتمد نہ ہو جائیں گی خواہ وہ دیگر علوم میں کیسے ہی بلند پایہ ہوں ایسے ہی اگر کچھ صوفیۂ کرام نے رتن ہندی کی صحبت کا قول اس سے سن کر اس پر اعتماد کیا اور اس کو نقل کیا اور بعد میں وہ نقل در نقل ہو تا رہا تو اس سے وہ نا معتمد قول معتمد نہ ہو جائے گا کہ اس باب میں عدالت کے ساتھ احوال رجال کی معرفت تامہ بھی ضروری ہے۔

علاوہ بریں اصول احناف میں سے ہے کہ جب کسی راوی کی جرح اور تعدیل میں اختلاف واقع ہو اور ناقدین نے اس پر جس عیب کی وجہ سے جرح کی، معدلین نے اس سے اس عیب کی نفی نہیں کی یا کی مگر جزم ویقن کے ساتھ نہیں تو ایسی صورت میں جارحین کی جرح کو معدلین کی تعدیل پر ترجیح حاصل ہو گی اور راوی مجروح و مخدوش قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ فواتح الرحموت میں ہے: "(إذا تعارض الجرح والتعديل فالتقديم للجرح مطلقا) سواء كان الجارحون أكثر أو المعدلون (إذا عين الجارح سببا لم ينفه المعدل أو نفاه) لكن (لا بيقين)". ملتقطا. (فواتح الرحموت:۲/ ۱۹۱-۱۹۲) اس میزان پر بھی اگر بابارتن کو تولا جائے تو اس کا پلڑا بے وزن ہی رہے گا کہ ائمۂ حدیث نے اس کے دعویٔ صحابیت کی احادیث صحیحہ سے تردید و تکذیب فرمائی اور اس جرح کا جواب اس کے مؤیدین سے یا تو نہ ہو سکا یا ہوا تو احتمالی اور لیت ولعل کے درمیان۔ غرض کہ اس کے ادعائے صحابیت کو تسلیم کرنے کی کوئی معتمد وجہ نہیں ہے۔

یہ تھی فواتح الرحموت اور فتاوی رضویہ کی عبارت متذکرہ بالا کی قدرے تفصیل جو راقم الحروف نے حتی المقدور سہل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود حضرت بحر العلوم نے بابارتن کے تعلق سے آخر میں فرمایا: "لكن ينبغي أن لا يذكر الرتن بالشر لاحتمال الصحبة حذرًا عن الوقوع في الكبيرة ـ روي في النفحات أن الشيخ ركن الدين علاء الدولة كتب بخطه الشريف أنهم كانوا يقولون: إن تلك الأمشاط كانت أمانة رسول اللهﷺ للشيخ رضي الدين علي اللالا، وهذا أي كون الأمشاط أمانة إن لن يكن بقول الرتن فهو بالكشف، فإذن صحبته ثابتة لا مجال للمرية فيه". یعنی پھر بھی رتن کا تذکرہ برائی کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے کہ گناہ کبیرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے کیوں کہ اس کی صحابیت محتمل ہے۔ نفحات میں مروی ہے کہ شیخ رکن الدین علاء الدولۃ سمنانی قدس سرہ نے اپنی مبارک تحریر میں لکھا کہ مشائخ کہتے تھے کہ یہ شانے حضور ﷺ کی جانب سے شیخ رضی الدین علی لالا کے لیے امانت تھے ـــ اگر اس کا مدار قول رتن نہیں تو یہ کشف سے ثابت ہو گا،

جب تو اس کی صحابیت قطعاً ثابت ہے۔ (فواتح الرحموت: ۲/ ۱۹۹)

اس کی تفصیل سے قبل ایک اصولی تمہید کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں آئندہ گفتگو بآسانی سمجھی جاسکے۔ اور وہ یہ کہ کچھ احتمالات وہ ہوتے ہیں جو کسی دلیل صحیح سے ناشی ہوتے ہیں، شرعاً وہ قابل لحاظ ہوتے ہیں اور ان احتمالات کی وجہ سے شئ کا قطع ویقین حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ شئ کو یقین سے ظن کی منزل میں اتار دیتے ہیں اور کچھ احتمالات وہ ہوتے ہیں جو بلا دلیل ہوتے ہیں، ایسے احتمالات شرعاً اور عرفاً کسی طرح قابل لحاظ نہیں ہوتے ہیں، نہ شئ کا قطع ویقین ان سے متاثر ہوتا ہے بلکہ یہ احتمالات محض ان کے فی نفسہ ممکن ہونے کی حد تک ہوتے ہیں کہ عقل اگر ان کا تصور کرے تو یہ فی نفسہ ممکن ہوتے ہیں اور عرفاً ایسے احتمالات کو ملحوظ خاطر رکھنے والا بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ جیسے کہ زید جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس کے بارے میں یہ احتمال کہ ممکن یہ کوئی جن ہو جو زید کی شکل میں آگیا ہو۔ فتاوی رضویہ میں ہے: "الحكم بشيء إما أن يحتمل خلافه احتمالا صحيحا ناشئا عن دليل غير ساقط حتى يكون للقلب إليه ركون أو لا۔ الأول: الظن باصطلاح الفقه، والثاني: العلم، ويشمل ما إذا لم يكن ثَمَّة تصورٌ مّا للخلاف أصلا، وهو اليقين بالمعنى الأخص أو كان تصوره بمجرد إمكانه في حد نفسه من دون أن يكون ههنا مثار له من دليل ما أصلا، وهو اليقين بالمعنى الأعم أو كان عن دليل ساقط مضمحل لا يركن إليه القلب، وهو غالب الظن. ففي بناء الأحكام إذا أطلقوا الاحتمال فإنما يريدون الاحتمال الصحيح وهو الناشئ عن دليل غير ساقط". ملتقطا. یعنی کسی چیز پر حکم کرنا یا تو اپنے خلاف کا ایسا احتمال رکھے گا جو صحیح ہو اور کسی دلیل معتبر سے ناشی ہو حتی کہ دل کو اس کی طرف جھکاؤ ہو یا ایسا نہ ہو گا—اول ظن کہلاتا ہے اور دوم علم۔ اور یہ تین صورتوں کو شامل ہے (۱) خلاف کا تصور بالکل نہ ہو گا، اسے یقین بالمعنی الاخص کہتے ہیں۔ (۲) خلاف کا تصور محض اس کے فی نفسہ ممکن ہونے کی حد تک ہو، بے اس کے کہ وہاں کسی قسم کی کوئی دلیل ہو، اسے یقین بالمعنی الاعم کہتے ہیں۔ (۳) خلاف کا تصور کسی ایسی دلیل سے ہو گا جو کمزور اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے جس کی طرف دل کو جھکاؤ نہیں، اسے ظن غالب کہتے ہیں۔ اور بنائے احکام میں جب کبھی احتمال بولتے ہیں تو اس سے احتمال صحیح مراد لیتے ہیں جو کسی معتبر دلیل سے ناشی ہوتا ہے۔ (فتاوی رضویہ: ۱/ ۱۱۲، رسالہ: الاحکام والعلل) اور فواتح الرحموت میں ہے: "القطعي قد يطلق ويراد به ما لا يحتمل الخلاف أصلا ولا يجوزه العقل ولو مرجوحا ضعيفا، وقد يراد به ما لا يحتمل الخلاف احتمالا ناشئا عن دليل، وإن احتمل احتمالًا مّا. ويشترك كلا المعنيين في أنه لا يخطر بالبال الخلاف أصلا ولا يحتمله عند أهل اللسان، ويفترقان في أنه لو تصور الخلاف لما جوزه العقل في الأول، وجوزه في الثاني تجويزا عقليا ويعده أهل المحاورة كلا احتمالٍ ولا يعتبر في المحاورة أصلا بل ينسب أهلُها مُبْدِيَه إلى

السخافة". اھ۔ یعنی کبھی قطعی بول کر اس سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ اپنے خلاف کا خواہ وہ مرجوح اور کمزور ہی سہی سرے سے احتمال نہ رکھے نہ عقل اس کو جائز سمجھے اور کبھی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دلیل سے پیدا شدہ خلاف کا احتمال نہ رکھے اگر چہ اور کوئی احتمال رکھتا ہو۔ یہ دونوں معانی ایک بات میں متفق ہیں کہ دل میں خلاف کا خطرہ گزرتا تک نہیں اور اہل زبان کے نزدیک دونوں میں کوئی بھی اپنے خلاف کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور ایک بات میں مختلف ہیں کہ اگر خلاف کا تصور کیا جائے تو عقل پہلے معنی میں اسے بالکل ممکن نہ سمجھے گی اور دوسرے معنی میں ممکن سمجھے گی امکان عقلی کے طور پر مگر اہل زبان اسے کالعدم گنتے ہیں اور گفت و شنید میں اس کا بالکلیہ لحاظ نہیں کرتے ہیں بلکہ ایسا احتمال ظاہر کرنے والے کو خفیف العقل سمجھتے ہیں۔ (فواتح الرحموت: ۱/ ۲۵۲)

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب "فواتح" کی عبارت متذکرہ بالا پر نظر ڈالیں، اس کا ماحصل یہ ہے کہ بابا رتن کا صحابی نہ ہونا قطعی اور یقینی نہیں ہے بلکہ مظنون ہے اور دلیل میں علامہ عبد الرحمن جامی کی کتاب "نفحات الانس" کی ایک عبارت پیش فرمائی جو انہوں نے شیخ رضی الدین علی لالا کے تذکرہ میں لکھی ہے، میں یہاں اس کتاب سے وہ عبارت نقل کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

"شیخ رکن الدین علاء الدولۃ گفتہ کہ صحب الشيخ رضي الدين على لالا صاحب رسول الله ﷺ أبا الرضا رتن بن نصر، فأعطاه مشطا من أمشاط رسول الله ﷺ. وشیخ رکن الدین علاء الدولۃ آں شانہ را در خرقہ پیچیدہ و خرقہ را در کاغذے، وبخط مبارک خود بر آں کاغذ نوشتہ: هذا المشط من أمشاط رسول الله ﷺ وصل إلى هذا الضعيف من صاحب رسول الله ﷺ. وہم نوشتہ است کہ چنیں گویند کہ آں امانت برائے شیخ رضی الدین علی لالا بودہ است از رسول اللہ ﷺ". ملتقطا. (نفحات الانس، ص: ۵۰۱-۵۰۲)

صاحب فواتح کہتے ہیں کہ اس اقتباس میں "چنیں گویند" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بابا رتن سے سن کر ایسا کہا ہو، جب تو یہ قابل اعتماد نہیں ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کشف سے فرمایا ہو یعنی انہیں کشف میں دکھایا گیا ہو کہ حضور ﷺ نے بابا رتن کو اپنا مبارک شانہ شیخ رضی الدین علی لالا تک پہنچانے کے لیے عطا کیا۔ جب تو بابا رتن کی صحابیت کشف سے ثابت اور اولیائے کبار کا کشف بالیقین حق ہوتا ہے مگر چوں کہ کشف صرف صاحب کشف کے حق میں حجت ہوتا ہے؛ اوروں کے حق میں نہیں، لہذا ہمارے نزدیک یہ مولیٰ اور ان کے محبوبوں میں راز و نیاز کا مسئلہ ہوا جس میں ہم دخل نہ دیں گے۔

حاصل یہ کہ اگر یہ فرمانا کشف ہے تو بابا رتن کی صحابیت بھی یقینی ہوگی اگر چہ اس صورت میں وہ راز و نیاز کے قبیل سے ہوگی مگر چوں کہ کشف سے فرمانا بالیقین ثابت نہیں تو بابا رتن کی صحابیت بھی محتمل ہوگی۔ پس جب کہ اس فرمانے میں کشف سے اس کی صحبت کا احتمال ہے اگر چہ احتمال ضعیف ہی تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہم اس معاملہ میں زیادہ دخل نہ دیں اور اپنا دامن بچا کر رکھیں۔

علاوہ ازیں "مرقاۃ الوصول" میں مولانا محمد بن ابی القاسم لکھتے ہیں:

"شیخ احمد نے مجاہدہ کر کے اپنے آپ کو اس قدر جلایا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس معاملے میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور خود شیخ احمد نے بارہا فرمایا کہ میرا نفس اب اس قدر ریاضت پسند ہو گیا ہے کہ وہ جب سخت بھوکا ہو جاتا ہے اور میں تھوڑی سی ڈلی (سپاری) بھی اگر منہ میں رکھ لوں تو وہ صلح کر لیتا ہے"۔ (مرقاۃ الوصول، ص:۱۸۱)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ

"آپ نے حضرت بابا اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ کی زندگی ہی میں دائمی روزہ اختیار کر لیا تھا اور ۸۰۳ھ تک دہلی، خراسان اور سفر حجاز تک کبھی فوت نہ ہوا۔" (مرقاۃ الوصول، ص:۱۵۷)

فتاوی رضویہ میں ہے: "اگر بفرض غلط یہ بھی تحقیق ہو جائے کہ حضرت مخدوم نے بر بنائے کشف والہام یہ مخاطبہ ذکر فرمایا تو بحمد اللہ ہم غلامانِ بارگاہِ اولیا ان میں نہیں کہ کشف و الہام کو باطل یا نامعتبر ٹھرائیں، احتمال خطا کشف مبتدین و اوساط میں ہوتا ہے، اکابر واصلین نفعنا اللہ تعالیٰ ببر کا تہم فی الدنیا والآخرۃ والدین کا کشف متین والہام مبین حق و صحیح ہوتا ہے۔ اب یہ مخاطبہ ان مقامات راز و نیاز سے ہو گا جو مولیٰ و عبد و محبوب و محب میں ہوتے ہیں جن میں دوسرے کو دخل دینا حرام"۔ اھ۔ بالالتقاط۔ (فتاوی رضویہ: ۳/۲۱۷) اور فواتح الرحموت میں ہے: "إن تأملت في مقامات الأولياء ومواجيدهم وأذواقهم...علمت أن ما يلهمون به لا يتطرق إليه احتمال وشبهة بل هو حق حق حق مطابق لما في نفس الأمر"۔ اھ۔ یعنی اگر تم اولیا کے مقامات اور ان کے وجد و ذوق میں غور کرو تو جان لو گے کہ انہیں جو الہام ہوتا ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ وہ حق حق حق ہے اور واقع کے مطابق ہے. (فواتح الرحموت: ۲/۴۱۱) اسی میں ہے: "(إلهامه) ﷺ (حجة قطعية عليه وعلى غيره) كالقرآن (وأما إلهام غيره من الأولياء الكرام فقيل: حجة عليه فقط) دون غيره (ونسب إلى عامة العلماء)". ملخصا. یعنی حضور ﷺ کا الہام قرآن کی مانند حجت قطعی ہے حضور کے حق میں بھی اور امت کے حق میں بھی۔ مگر اولیائے کرام کا الہام خود ان کے حق میں حجت ہے اوروں کے حق میں نہیں، یہی عامۂ علما کا مذہب ہے۔ (ایضا: ۲/۴۱۰) هذا ما ظهر لي في توضيح المقام، فإن أصبت فمن الله وإن أخطأت فمني ومن الشيطان.

حضرت بابا اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ کا وصال راجح قول کی بنا پر ۷۸۱ھ میں ہوا ہے اور اس وقت شیخ احمد کھٹو کی عمر مبارک ۳۸ سال کی تھی اور ۷۸۱ھ سے ۸۰۳ھ تک ۲۲ سال ہوتے ہیں، تو اگر حضرت بابا اسحاق مغربی کے سن وفات ہی کو لے لیا جائے تب بھی کم از کم اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ۳۸ سال کی عمر سے ۶۰ سال کی عمر تک سفر و حضر میں مسلسل روزے رکھے اور اوپر گزر چکا کہ افطاری میں صرف کھلی کا ایک ٹکڑا کھا کر روزہ افطار کرتے بلکہ چلہ کشی کی حالت میں چالیس چالیس روز میں صرف چند کھجور کھاتے اور یہی حال ۲۲ سال تک جاری رہا۔ اس سے سخت تر ریاضت و نفس کشی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

سفر حج:

حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ حرمین طیبین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ حج سے فراغت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور گنبد خضرا پر نظر پڑی تو آپ پر والہانہ کیفیت طاری ہوئی اور اونٹ سے اتر گئے اور یا رسول اللہ، یا نبی الحرمین الشریفین، یا سید الثقلین پکارتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور بلند آواز میں ادب کے ساتھ "السلام علیکم یا رسول اللہ" کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجاوروں کے سردار کی نظر آپ پر پڑی باوجودیکہ مجمع بہت تھا، انہوں نے کھجوروں کی ایک گٹھری آپ کی طرف بڑھائی اور فرمایا کہ اے شیخ احمد! یہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے تمہارے لیے مہمانی ہے۔ (مرقاۃ الوصول، ص:۲۱۹)

اسی واقعہ کو تحفۃ المجالس مجلس-۶ میں قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر میں نے اختصار کے پیش نظر "مرقاۃ الوصول" کی روایت پر اکتفا کیا ہے۔

اس سفر میں نبیٔ اکرم ﷺ نے آپ پر بہت ساری نوازشیں فرمائیں اور مقامات رفیعہ و مدارج عالیہ سے آپ کو سرفراز فرمایا۔

چنانچہ آپ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک رات مدینہ طیبہ میں، میں نے اور میرے تینوں رفقا نے ایک ہی خواب دیکھا کہ حضور ﷺ ایک روشن اور پاکیزہ جگہ صدر نشین ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کھڑے ہیں۔ ایک عورت آراستہ و پیراستہ، زیوروں

سے لدی حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہے، حضور ﷺ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ احمد! اس عورت کو قبول کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے مرشد بابا اسحاق نے قبول نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے اپنے دست اقدس سے اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ تمہارے بابا ہیں۔ جب میں نے اس طرف نظر کی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بابا اسحاق کو کھڑا دیکھا اور وہ انگشت بدنداں ہو کر کہہ رہے ہیں کہ شیخ احمد جو حضور فرما رہے ہیں، اسے قبول کرو۔ میں نے عورت کو قبول کر لیا۔ معًا میرے دل میں خیال آیا کہ یہ عورت دراصل دنیا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صدقے میں مجھ پر دنیا کے دروازے کھول دیے ہیں۔

(تحفۃ المجالس، مجلس:۶، ص:۱۲-۱۳)

پھر جب روانگی کے وقت آپ اپنے رفقا کے ساتھ الوداعی سلام کے لیے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ روضۂ انور کا مجاور دس گز سیاہ دستار اپنے ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اور آپ سے اس نے کہا کہ یہ دستار سر پر باندھ لو۔ آپ نے فرمایا کہ میرے مرشد حضرت بابا اسحاق نے عمامہ کبھی نہیں باندھا۔ اس نے کہا کہ یہ اتنا قیمتی کپڑا ہے کہ میں ایک قیراط[1] میں ایک ٹکڑا دوسروں کو دیتا ہوں اور تم کو دس گز کپڑا دے رہا ہوں۔ تم سوچو تو سہی کہ یہ کتنے قیراط کا ہوگا۔ میں نے خواب میں حضور ﷺ کا دیدار کیا ہے۔ حضور نے تمہاری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اسے دس گز سیاہ کپڑا دو اور میری طرف سے یہ حکم دو کہ سر پر عمامہ باندھ کر مخلوق کو نیکی کی دعوت دے۔ آپ نے یہ سن کر عمامہ لے لیا اور خدا کا شکر ادا کیا پھر اسے سر پر باندھ لیا۔

(تحفۃ المجالس، مجلس:۶، ص:۱۴)

یہی وہ عمامہ ہے جس کو سر پر سجا کر آپ جامع سمرقند میں نماز جمعہ کے لیے گئے تھے اور علمائے سمرقند سے مباحثہ ہوا تھا۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ آپ جو سیاہ رنگ کا عمامہ ہمیشہ باندھا کرتے تھے، اس میں یہی عطائے نبوی اور حکم نبوی مضمر تھا۔

---

(۱) قیراط: درہم کے بارہویں کے حصہ بھر یعنی چار گیہوں کے برابر۔

بیعت و خلافت:

حضرت شیخ احمد کھٹوی قُدِّسَ سِرُّہ کو بیعت و خلافت حضرت بابا اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ سے حاصل تھی اور ان کے وصال کے بعد آپ ہی اپنے پیر و مرشد کے خلیفہ و جانشین ہوئے اور بزرگوں سے جو تبرکات اس منصب عظیم کے حقدار کے لیے خلف عن سلف چلے آرہے تھے، سب آپ کے حصے میں آئے۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت سیدنا مخدوم جہانیاں جہاں گشت قُدِّسَ سِرُّہ سے بھی روحانی فیوض و برکات اور باطنی کمالات حاصل کیے اور حضرت مخدوم جہانیاں نے آپ کو خلافت سے نوازا اور بشارت دی کہ

"**در ملکِ گجرات نصیب شما است۔**" یعنی سلطنت گجرات تمہارے حصے میں ہے۔

(صد حکایات فارسی - قلمی، حکایت: ۲۲، ص: ۳۳)

اسی طرح حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے خصوصی فیضان سے آپ مالا مال تھے۔

چنانچہ آپ نے خود اپنے مؤلفہ "رسالۂ مغربیہ" میں حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عنایت و نوازش کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ

"إني رأيت رؤيا وقعت في ليلة سابعة من ربيع الآخر خلت سنة ثمان وثلاثين وثمان مائة أن شيخا جاءني من قبل القبلة وفي إحدى يديه طاقية وعلى الأخرىٰ عمامة، فقلت: من أنت؟ قال: أنا الشيخ عبد القادر الجيلاني. فأعطاني الطاقية، فوضعتها على رأسي ثم أعطى إحدى جانبي العمامة بيدي وأخذ جانبها الآخر بيده، فكورت العمامة كلها واستيقظت،فحمدت الله تعالىٰ."

یعنی میں نے ۸۳۸ھ میں ماہ ربیع الآخر کی ساتویں شب کو ایک خواب دیکھا کہ ایک بزرگ قبلہ کی جانب سے میرے پاس تشریف لائے۔ ان کے ایک ہاتھ میں کلاہ اور دوسرے ہاتھ میں عمامہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ

حضور کون ہیں ؟ بزرگ نے فرمایا کہ میں شیخ عبد القادر جیلانی ہوں۔ پھر حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے مجھے وہ کلاہ عنایت کی جسے میں نے اپنے سر پر رکھا اور عمامہ کا ایک کنارہ میرے ہاتھ دیا اور دوسرا کنارہ حضور نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ پھر میں نے عمامہ کو مکمل اپنے سر پر باندھا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(الرسالۃ الاحمدیۃ- قلمی، ص:۱۱)

مذکورہ خواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کو بارگاہِ غوثیت سے مقام قطبیت عطا کیا جانے والا ہے اور آپ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم قطب الاقطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیابت میں اس مقام عظیم پر فائز ہونے والے ہیں۔

چناں چہ مندرجہ ذیل واقعہ سے اس کی تایید ہوتی ہے کہ

" شیخ یحییٰ خلیفہ شیخ عمر جیلی (جیلانی) ۸۴۷ھ میں مہائم آئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں ہندوستان آنے لگا تو شیخ عمر جیلی نے مجھ سے فرمایا کہ گجرات میں ایک قصبہ سرکھیج ہے، وہاں قدوۃ السالکین حضرت شیخ احمد رہتے ہیں، ان کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ چار سال پندرہ ماہ ہوئے کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ سے قطبیت کا درجہ عنایت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے عالم کو آپ کی برکتوں سے نفع پہنچائے۔ (مرقاۃ الوصول، ص:۲۰۳،۲۰۴)

یعنی ۸۳۸ھ میں آپ نے جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر اور واقعیت پانچ سالوں کے بعد ۸۴۳ھ میں رونما ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی نوازشات وعنایات کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ ابوحامد اسماعیل بن ابراہیم "رسالۂ مغربیہ" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"كان لشيخنا- مد الله ظلاله- وصلت النعمة من مشائخ المغرب و المشرق. وحكي أن رجلا صالحا رأى في المنام في ابتداء حال شيخنا - سلمه الله تعالى- أن شيخ

المشائخ معين الدين شيخ شيخ فريد الحق و الدين الأجودهني قائم في بيت شيخنا وعلى يديه بساط يريد أن يفرش على وجه الأرض في بيته، فدخل الرجل وشد وسطه وأراد أن يعينه وبسط البساط، فقال الشيخ: مرتب يعني لا حاجة إلى إعانة أحد فهو مرتب فاستيقظ الرجل و ذكر لأهله، فقالت: إلى أين تصل مرتبة الشيخ أحمد- سلمه الله تعالى- ".

یعنی ہمارے شیخ احمد مد ظلہ کو مشرق و مغرب کے مشائخ سے نعمت ملی تھی۔ منقول ہے کہ ایک مرد صالح نے شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائے حال میں خواب دیکھا کہ بابا فرید الحق والدین اجودھنی قُدِّسَ سِرُّہ کے دادا پیر شیخ المشائخ حضرت خواجہ معین الدین قُدِّسَ سِرُّہ ہمارے شیخ کے حجرے میں قیام فرماہیں اور حضرت سلطان الہند کے دست مبارک میں ایک فرش ہے جسے آپ زمین پر بچھانا چاہتے ہیں۔ وہ شخص کمر بستہ ہو کر کمرے میں داخل ہوئے اور چاہا کہ چٹائی بچھانے میں حضرت غریب نواز کی مدد کرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ سلیقہ سے رکھی ہے یعنی کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں کہ چٹائی سلیقہ سے رکھی ہوئی ہے۔ اسی وقت ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے اپنی اہلیہ سے تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ شیخ احمد سلمہ اللہ کا مرتبہ کہاں تک جا پہنچا ہے۔

(شرح رسالۂ مغربیہ - قلمی، ص: ۱۵۴)

اور جنہوں نے مذکورہ بالا خواب دیکھا وہ قاضی فخر الدین حاکم کھٹو تھے جیسا کہ "مرقاۃ الوصول" میں قدرے تغیر کے ساتھ یہ خواب مذکور ہے اور اس میں بالتصریح قاضی فخر الدین کا نام مذکور ہے۔ (مرقاۃ الوصول، ص: ۱۴۴)

مقام و مرتبہ:

حضرت شیخ احمد کھٹوی قُدِّسَ سِرُّہ کا بارگاہِ خداوندی میں مقام و مرتبہ بہت ہی بلند تھا اور بارگاہِ رسالت کے آپ بے حد محبوب اور مقرب تھے۔ اسی وجہ سے مشائخ عصر آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور آپ کی

خدمت میں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔

سطورِ ذیل میں اس حوالہ سے دوواقعات پیش کیے جاتے ہیں:-

(۱) قطب بنگال شیخ نور پنڈوی (متوفیٰ:۸۱۳ھ) کا ایک مرید تین سیر مصری اور ایک نافۂ مشک لے کر آپ کی خدمت میں خانجہاں کی مسجد (دہلی) میں آیا۔ ان دنوں آپ اس مسجد میں سخت ریاضت و مجاہدات کر رہے تھے۔ وہ عرض گزار ہوا کہ میں شیخ نور پنڈوی کا مرید ہوں اور بسلسلۂ تجارت دہلی آتا رہتا ہوں۔ اب کی مرتبہ جب پنڈوہ واپس ہوا اور قدم بوسی کے لیے شیخ نور کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ دہلی میں کن کن مشائخ سے ملاقات کی؟ میں نے سب کے نام گنائے۔ تو شیخ نے پوچھا کہ حضرت شیخ احمد کھٹوی سے بھی ملاقات کی؟ میں خاموش رہا۔ پھر فرمایا کہ اگر ان سے نہ ملے تو تمہارا دہلی جانا بے کار ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو بے قرار ہو گیا اور سامان سفر مہیا کر کے دوبارہ دہلی آیا اور اپنے مرشد کے حکم پر آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ حالاں کہ نہ شیخ نور نے آپ کو کبھی دیکھا تھا نہ کبھی آپ نے ان کو دیکھا تھا۔

(تحفۃ المجالس، مجلس:۱، ص:۲-۳)

(۲) آپ کی ایک مریدہ بہت ہی پارسا و نیک خاتون تھیں، اس نے آپ کو بعد وصال خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین والاولیا قُدِّسَ سِرُّہ (متوفیٰ:۷۲۵ھ) کے مرشد حضرت شیخ العالم بابا فریدالحق والدین اجودھنی گنج شکر قُدِّسَ سِرُّہ (متوفیٰ:۶۶۶ھ) کا مرتبہ دیا گیا۔ (مرقاۃ الوصول، ص:۱۵۱)

حملۂ تیمور:

حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ کا اہل ہند، خصوصاً اہل دہلی پر ایک بہت ہی عظیم احسان ہے جس نے آپ کے نام کو تاریخ ہند میں زندہ و تابندہ کر دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب امیر تیمور گورگانی[1] ۸۰۱ھ /

---

(۱) امیر تیمور گورگانی بن تراغائی جس کو تیمور لنگ بھی کہتے ہیں۔ ترکی زبان میں تیمور کے معنی لوہا اور گورگانی کے معنی داماد شاہی ہے۔

۱۳۹۸ء میں سیلاب بلاخیز بن کر ہندوستان کے شہروں کو روندتا اور تخت و تاراج کرتا ہوا دہلی پہونچا، اس وقت آپ دہلی ہی میں خانجہاں کی مسجد میں مقیم تھے اور کچھ بزرگوں کو حملۂ تیموری سے پیش تر ہی دہلی کی تباہی کے بارے میں اشارہ کر دیا گیا تھا، حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ انہی بزرگوں میں سے تھے اور آپ نے اپنے متعلقین اور عقیدت مندوں کو پیش آمدہ افتاد سے آگاہ بھی کر دیا تھا اور بیشتر حضرات منتقل ہو گئے تھے مگر آپ حکم ربانی سے دہلی میں رہے۔

چنانچہ "تحفۃ المجالس" میں ہے کہ ایک رات مجھے دکھایا گیا کہ دہلی پر قہرِ الٰہی نازل ہونے والا ہے۔ صبح کو حسب دستور جب شیخ صدو آئے تو میں نے ان کو مشورہ دیا کہ تیار ہو جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو لے کر جون پور کی طرف نکل جاؤ۔ صدو نے پوچھا کہ آپ خود کس طرح رہیں گے؟ میں نے کہا کہ دہلی کی عام مخلوق کے ساتھ بسر کروں گا پھر صدو کو الوداع کیا اور وہ جونپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ (تحفۃ المجالس، مجلس:۳، ص:۶)

اور "آب کوثر" میں ہے کہ تیمور کے حملہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت سید گیسو دراز قُدِّسَ سِرُّہ (متوفی:۸۲۵ھ) نے رویائے صادقہ میں مغلوں کی آمد اور دہلی کی بد نظمی سے واقفیت پائی اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو خبر دار کر دیا۔ چنانچہ مولانا خواجگی ان سے یہ اطلاع پانے پر تیموری حملہ سے پیش تر ہی کالپی چلے

جب وہ ماوراء النہر پر قابض ہوا اور وہاں کی شہزادی سے نکاح کیا تو اس نے اپنا لقب "گور گانی" رکھا۔ وہ ایک ترک قبیلہ "برلاس" سے تعلق رکھتا تھا۔ تیمور کا نسب ماں کی طرف سے چنگیز خان سے جاملتا ہے۔ وہ سمرقند کے قریب ایک گاؤں "خواجہ اَیلغار" میں ۲۵، شعبان ۷۳۶ھ کو پیدا ہوا جو ماوراء النہر کے شہر "کیش" کی عملداری میں واقع ہے، اسے "شہر سبز" بھی کہتے ہیں۔ اس نے اپنی زندگی میں ۴۲ ممالک فتح کیے۔ اس میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ بیک وقت دونوں ہاتھوں سے کام لے سکتا تھا، وہ ایک ہاتھ میں تلوار اٹھاتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں کلہاڑا۔ اس نے مسلسل ۳۶ سال تک فتوحات اور لشکر کشی کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر ان سب کے باوجود وہ انتہائی ظالم، سخت گیر اور سفاک تھا، لاکھوں لاکھ بے قصور لوگوں کا قتل عام کرایا، انتقام کی شدت میں وہ شہر کے شہر ڈھا دیتا اور آگ لگا دیتا تھا۔ آخر عمر میں چین کو فتح کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۷، شعبان ۸۰۷ھ کو مقام اُترار میں مر گیا۔ بعض مؤرخین نے مقام انزار لکھا اور بعض نے انذار لکھا۔ اس نے اپنی یادداشتوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جس کا نام "تُوزُک تیموری" ہے۔

گئے۔ شیخ احمد کھٹو کو بھی اسی طرح کا اشارہ ہوا اور انہوں نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کو جونپور بھجوا دیا۔ لیکن خود دہلی میں مقیم رہے تا کہ خلق خدا کا ساتھ دیں۔ "مارا موافقت خلق باید کرد"۔ (آب کوثر، ص:۴۴۵)

اس وقت دہلی پر سلطان محمود شاہ تغلق (عہدِ سلطنت: ۷۹۶ تا ۸۱۵ھ / ۹۴-۱۳۹۳ تا ۱۴۱۳ء) کی حکومت تھی۔ محمود شاہ بھی اپنے اندر تیموری حملہ کی تاب نہ پا کر گجرات چلا گیا اور تختِ دہلی امیر تیمور کے لیے بالکل خالی ہو گیا اور پھر اس تاتاری حاکم نے دہلی میں ظلم و ستم کی ایسی داستان رقم کی جس کی مثال کسی بادشاہ کے دور میں نہیں ملتی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں قتل عام کرایا، ہزاروں لوگوں کو قید کیا، گھروں کو کھود کھود کر خزانے نکالے۔ غرضیکہ دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ایسے نازک حال میں حضرت شیخ احمد کھٹو قدّس سرّہٗ ہی کی وہ ذات تھی جس نے امیر تیمور سے ملاقات کی اور اس کو امر بالمعروف کرنے کے لیے سمرقند تک گئے، وہاں کے علما سے بحث و مباحثہ کر کے سب پر غالب آئے اور امیر تیمور بھی آپ کے فضائل و کمالات دیکھ کر آپ کا بے حد معتقد ہو گیا اور بالآخر آپ کی سفارش پر اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

چنانچہ "منتخب التواریخ" میں ہے:

"دریں اثنا، سپاہی چند را مردمِ شہر کشتند۔ روزِ چہارم حکم بندِ عام فرمود و ہمہ را بجانب ماوراء النہر برد تا عاقبت "شیخ احمد کھتو" کہ روضۂ او در سر خیز گجرات قریب بہ احمد آباد مشہور است، ہمراہ آن لشکر رفتہ وصاحبقرانے رادیدہ، حالت درویشی و فضیلت علم خود را ظاہر ساخت و باعلما و فضلائے عسکرِ ماوراء النہر بحثہا کردہ الزام داد و شفاعت اسیران نمود و صاحبقرانے رانسبت باو اعتقاد تمام پیدا شد و ملتمس اورا قبول کردہ ہمہ بندیان راخلاص داد۔"

یعنی اسی دوران اہل شہر نے چند سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ چوتھے دن تیمور نے عام گرفتاری کا حکم دے دیا اور سب کو ماوراء النہر کی جانب لے گیا حتیٰ کہ آخر کار شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار سر کھیج (گجرات) میں احمد آباد کے قریب مشہور و معروف ہے، اس لشکر کے ہمراہ گئے اور امیر تیمور سے ملاقات کی اور اپنی درویشی اور علم و فضل کے خوب جوہر دکھائے اور ماوراء النہر کے علما و فضلا سے بحث و مباحثہ کر کے لاجواب کر دیا

اور قیدیوں کی سفارش کی۔ امیر تیمور کو چونکہ آپ سے کامل عقیدت پیدا ہو گئی تھی اس لیے آپ کی درخواست قبول کر کے تمام قیدیوں کو رہائی دے دی۔ (منتخب التواریخ-فارسی:۱/۱۸۶)

اور "آب کوثر" میں ہے:

"جب دہلی میں شہریوں نے اس کے چند سپاہی قتل کر دیئے اور تیمور نے حکم دیا کہ شہریوں کو قید کر کے ماوراء النہر لے جایا جائے تو حضرت شیخ احمد کھتو رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر اس نے انہیں رہا کر دیا"۔ (آب کوثر، ص:۴۴۴)

بقول مولانا عبد القادر بدایونی: "بلا شبہ شیخ کا اہل ہند پر بڑا احسان ہے"۔ (منتخب التواریخ-اردو:۱۷۱)

گجرات میں قیام:

سمر قند میں تقریباً سات ماہ قیام کرنے کے بعد آپ ہندوستان کی طرف لوٹے اور راہ میں بلخ، چشت، ہرات، قندھار اور ملتان کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے جیسل میر پہنچے پھر وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے ماہ رجب ۸۰۲ھ میں پٹن (گجرات) تشریف لائے جو اس زمانہ میں گجرات کا پایۂ تخت تھا۔ اور وہاں سے "سرکھیج" آئے جو احمد آباد سے مغربی جانب ایک بڑا قصبہ ہے اور فی الحال حدود شہر کی بے پناہ توسیع کے باعث اس کا ایک حصہ بن چکا ہے اور تا دم حیات یہیں مقیم رہے اور خلقِ خدا کو فیضیاب فرماتے رہے۔ ان دنوں حکومتِ گجرات سلطنت دہلی کی طرف سے ظفر خان کے سپرد تھی۔

"اخبار الاخیار" میں آپ کی گجرات تشریف آوری کا حال اس طرح درج ہے کہ:

"ظفر خان کہ از جانب سلطان فیروز حاکمِ شہر نہر والہ بود و آخر بسلطان مظفر ملقب شدہ بادشاہ گجرات شد، بمشاہدۂ آثار برکات و بعلاقۂ آشنائی کہ در دہلی بخدمت شیخ داشت، تکلیف اقامت آں دیار نمود و بر توطنِ آں مزاحم شد۔ پس در قصبۂ سرکھیج اختیار اقامت نمود و ابوابِ فتوح و برکاتِ ظاہر و باطن بروے مفتوح گشت و خلق آں دیار بانوارِ عقیدت و محبتِ وے مملو شدند۔"

یعنی ظفر خان جو فیروز شاہ تغلق کی جانب سے نہر والہ (پٹن) کا حاکم تھا[1] اور بالآخر مظفر شاہ کا لقب اختیار کر کے گجرات کا بادشاہ ہوا اس نے آپ کے ورود مسعود کی برکتوں کے اثرات دیکھ کر آپ سے ان دوستانہ تعلقات کی بنیاد پر جبکہ آپ دہلی میں مقیم تھے، مجبور کیا کہ گجرات میں مستقل سکونت اختیار کر لیں۔ لہذا، آپ قصبہ سر کھیج میں سکونت پزیر ہوئے۔ فتوح اور ظاہری و باطنی برکتوں کے دروازے آپ پر کشادہ ہو گئے اور اس علاقہ کے لوگ آپ کی محبت و عقیدت کے انوار سے معمور ہو گئے۔ (اخبار الاخیار، ص:۱۵۷)

اور گجرات میں آپ کو قبول عام اور شہرۂ دوام حاصل ہوا۔

---

(۱) **اقول:** یہ وہ ظفر خان نہیں جو فیروز شاہ تغلق کی جانب سے گجرات کا حاکم تھا بلکہ یہ ظفر خان وہ ہے جسے فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ تغلق نے گجرات کا حاکم بنا کر بھیجا تھا —— اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ۷۵۸ھ میں ظفر خان فارسی سنار گاؤں سے آکر فیروز شاہ کا نائب وزیر ہوا۔ ۷۷۲ھ میں فیروز شاہ نے ٹھٹھہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر بارش کی کثرت کی وجہ سے محاصرہ اٹھا کر وہاں سے گجرات گیا اور گجرات کا حاکم اس وقت نظام الملک تھا۔ بارش کا موسم اس نے وہیں گزارا۔ موسم باراں ختم ہوتے ہی دوبارہ ٹھٹھہ کی طرف متوجہ ہوا اور نظام الملک کو نائب وزیر بنا کر دہلی روانہ کیا اور گجرات کی حکومت ظفر خان کے حوالہ کی۔ پھر ۷۷۳ھ میں ظفر خان کا انتقال ہو گیا تو اس کے فرزند اکبر دریا خان کو ظفر خان کا لقب دے کر گجرات کی صوبہ داری سپرد کی۔ ۷۷۸ھ میں شمس الدین دامغانی کو سلطنت گجرات دی گئی پھر اس کے بعد فرحت الملک عرف ملک مفرح کو گجرات کی عملداری تفویض کی گئی۔ ۷۸۹ھ میں فیروز شاہ کا شہزادہ محمد خاں عرف ناصر الدین محمد شاہ دہلی کا فرماں روا ہوا اور اس نے ملک یعقوب کو سکندر خان کا خطاب دے کر گجرات کا حاکم مقرر کیا مگر ملک مفرح نے سکندر خان کو قتل کر دیا اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا، تب ۷۹۳ھ میں محمد شاہ نے ظفر خان بن وجیہ الملک کو سلطنت گجرات پر مامور کیا۔ پھر جب ۸۱۰ھ میں تغلقی سلطنت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تو امرا و اعیان سلطنت کے اصرار پر ظفر خان نے گجرات کی خود مختار سلطنت کا اعلان کیا اور مظفر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کا باپ پہلے غیر مسلم تھا اور اس کا نام سدھارن تھا اور قصبہ تھانیسر کے کسی گاؤں کا باشندہ تھا۔ اس کی بہن سے فیروز شاہ نے شادی کر لی اور پھر سدھارن سلطان کے ہمراہ دہلی آیا۔ وہ سلطان کا مشروب دار تھا، جلد ہی مشرف باسلام ہو گیا اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ کا مرید ہو گیا۔ سلطان نے اسے وجیہ الملک کا خطاب دیا۔ ظفر خان ۲۵، محرم الحرام ۷۴۳ھ بروز یک شنبہ دہلی میں پیدا ہوا اور فیروز شاہ کے گروہ امرا میں داخل ہوا اور فیروز شاہ اور اس کے بعد شاہان تغلق کا معتمد علیہ رہا۔ اس نے حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی غلامی قبول کی اور حضرت مخدوم کا بڑا نیاز مند اور عقیدت مند تھا۔ حضرت مخدوم نے اس کی خدمت سے متاثر ہو کر اسے اور اس کی اولاد کو گجرات کی حکومت انعام میں بخشی تھی۔

"مرقاۃ الوصول" میں حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ کا پٹن سے سرکھیج تک سفر بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ بنظر اختصار قصداً اس کو یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ شائقین حضرات اسی کتاب کی طرف رجوع کریں۔

سلاطین گجرات کی عقیدت:

مظفر شاہ (عہدِ حکومت: ۸۱۰ تا ۸۱۳ھ) آپ کے ساتھ بہت عزت اور احترام سے پیش آتا تھا۔ اس کے بعد اس کا پوتا احمد شاہ (عہدِ حکومت: ۸۱۳ تا ۸۴۵ھ) بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے باوجودیکہ سلطان احمد حضرت شیخ رکن الدین کانِ شکر قُدِّسَ سِرُّہ [۱] کے مرید تھے اور یہی در حقیقت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ کے عروج و اقبال کا زمانہ ہے حتیٰ کہ احمد آباد کا سنگ بنیاد بھی سلطان احمد نے آپ کے مشورہ اور اذن سے ۸۱۳ھ میں رکھا۔

"مرآت سکندری" میں ہے:

"سلطان احمد حضرت قطب المشائخ شیخ رکن الدین کانِ شکر نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کا مرید تھا۔ لیکن شیخ احمد سے نسبت اعتقاد زیادہ تھی۔ چنانچہ ایک رات استنجے کا ڈھیلا حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیا، چوں کہ رات کا اندھیرا تھا، فرمایا: صلاح الدین (شیخ کے خادم) ہے؟ کہا: نہیں بلکہ احمد شاہ۔ شیخ نے فرمایا: "شاہ نیک بخت "یعنی نیک بخت بادشاہ ہو"۔ (مرآۃ سکندری، ص:۵۶)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ ہے:

---

(۱) آپ کا نام مودود، کنیت ابو المظفر، رکن الدین خطاب اور کان شکر لقب ہے۔ نسباً فاروقی ہیں اور حضرت قطب المشائخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ نسب سے منسلک ہیں۔ رکن الدین مودود بن علم الدین محمد بن علاء الدین یوسف بن بدر الدین سلیمان بن شیخ فرید الدین مسعود قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُمْ اور شیخ محمد زاہد چشتی کے خلیفہ ہیں۔ ولادت ۷۰۵ھ میں ہوئی اور وصال ۲۲، شوال المکرم ۸۱۱ھ میں ہوا، یہ روایت اذکارِ ابرار کی ہے اور مرآت احمدی کے ترجمہ میں ہے کہ ۲، شوال ۸۴۲ھ میں وصال ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک نہروالہ قدیم پاٹن میں ہے۔

"اسی مبارک انجام سال (۸۱۳ھ) میں کہ اس کی تاریخ "باخیر" سے نکلتی ہے، اساول کے قریب محققوں کے چانداور صدیقوں کے چراغ شیخ احمد گنج بخش کے اذن واجازت سے احمد آباد کے عظیم شہر کی تعمیر و آبادی شروع کی"۔ (مرآۃ سکندری، ص:۲۸)

اور حضرت سلطان احمد کو حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ سے جو گہری عقیدت ووابستگی تھی، اس کے کئی واقعات "مرقاۃ الوصول" میں مذکور ہیں۔ اور احمد شاہ کے بعد ان کا شہزادہ محمد شاہ (عہدِ حکومت: ۸۴۵ تا ۸۵۵ھ) بھی آپ سے حد درجہ عقیدت رکھتا تھا بلکہ تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد آپ کا مرید بھی بن گیا تھا اور گاہے بگاہے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوا کرتا تھا۔

مولانا محمد بن ابی القاسم "مرقاۃ الوصول" میں رقم طراز ہیں:

"جب سلطان احمد کا وصال ہوا اور سلطان محمد کو حضرت شیخ احمد نے اپنے ہاتھ سے تخت پر بٹھایا تو چند دنوں کے بعد وہ سر کھیج آکر مرید ہو گیا اور شیخ نے اسے کلاہ بھی مرحمت کی"۔

(مرقاۃ الوصول، ص:۸۸)

بادشاہوں کے تعلقات اور وابستگی کے باعث امرا، وزرا اور رعایا آپ کے گرویدہ اور دریوزہ ہو گئے تھے۔ غرضیکہ حضرت شیخ احمد کھٹو قُدِّسَ سِرُّہ کے تعلقات سلاطینِ گجرات خصوصًا سلطان احمد کے ساتھ بڑے خوشگوار رہے اور یہ تمام بادشاہان آپ کے معتقد و مطیع تھے۔

درحقیقت یہ اس جملہ کا اثر تھا جو حضرت شیخ اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ احمد! تو خاطر جمع رکھ، سلاطین تیری باتوں کے محتاج ہوں گے اور اس بشارت کی تعبیر تھی جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قُدِّسَ سِرُّہ نے آپ کو سنائی تھی کہ "در ملک گجرات نصیبِ شمااست" جاؤ! کہ گجرات کی حقیقی بادشاہت تمہاری قسمت ہے۔

جود و سخا:

آپ کی طبیعت میں سخاوت و فیاضی کا عنصر بہت غالب تھا۔ اوائلِ عمر ہی سے آپ کے کشادہ دست کو

دیکھتے ہوئے ایک دفعہ حضرت شیخ اسحاق نے فرمایا کہ شیخ احمد بہت سخاوت کرتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ نیچا رکھنے کی نوبت آئے۔ آپ نے عرض کیا کہ بزرگوں کی دعاؤں سے ہمیشہ میرا ہاتھ اونچا رہے گا، کبھی نیچا نہ ہوگا۔ یہ سن کر آپ کے مرشد نے فرمایا کہ بابا احمد! میں نے فقط تم کو آزمایا۔ میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیشہ تمہارا ہاتھ بلند رہے اور مخلوق کا ہاتھ تمہارے نیچے رہے۔ (تحفۃ المجالس، مجلس:۲۱، ص:۳۷)

اور چونکہ بارگاہ نبوی سے دنیا کے خزانے آپ پر کھول دیے گئے تھے جیسا کہ سفر حج کے واقعہ میں گزرا۔ لہذا خراسان و عرب، ہند و سندھ ہر طرف سے آپ کی خدمت میں فتوح اور نذرانے روزانہ پیش ہوتے جنہیں آپ متعلقین و ملازمین، علما و سادات اور فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیتے، علاوہ ازیں آس پاس کی بیوہ اور گوشہ نشین عورتوں کی فہرست تیار کر کے زر و نقد سے ان کی مالی امداد فرماتے۔ نیز آپ کا دستر خوان انتہائی وسیع تھا جس سے دولت مند، غریب، سلاطین و امرا سبھی سیر ہوتے اور جو کوئی آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوتا کبھی خالی ہاتھ واپس نہ ہوتا بلکہ اسے کچھ نہ کچھ ضرور عنایت فرماتے۔

آپ کی سخاوت و فیاضی کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ خانقاہ کا سالانہ خرچ ایک لاکھ روپے سے بھی تجاوز کر جاتا۔ اتنے عظیم خرچ کو پہنچنے کے لیے فتوح و تحائف کے علاوہ شاہان گجرات کی طرف سے کئی گاؤں خانقاہ کے اخراجات کے لیے وقف تھے۔

مولانا محمد بن ابی القاسم جنھوں نے مسلسل تیس سال تک آپ کی صحبت میں رہ کر آپ کے شب و روز کا مطالعہ کیا لکھتے ہیں:

"شیخ کی عادت تھی کہ جب قحط سالی کا زمانہ ہوتا تو خود فاقہ کرتے اور اپنے آگے کی چیز فقرا کو دے دیتے جیسا کہ بارہا تجربہ ہوا اور فرمایا کرتے کہ فقیروں کی لذت یہی ہے۔ اور یہ بھی آپ کا دستور تھا کہ ہر ماہ یا دوسرے مہینے میں جب خانقاہ سرکھیج میں کچھ جمع ہو جاتا تو شہر کے فقرا، سادات، علما، نواب، جوگی، ہمسایہ، کولی بلکہ جس شخص نے بھی ہاتھ بڑھایا ہر ایک کو دیتے۔ متعدد قسم کے لوگوں کو خانقاہ میں جمع کرتے اور کسی کو چار گانی (اس دور میں تانبے کا سکہ) کسی کو پنج گانی، کسی کو کپڑا عنایت کرتے۔ غرض کوئی محروم واپس نہ جاتا، اس

پر بھی اگر بچ جاتا تو خدام اور نوکروں میں تقسیم کر دیتے اور ان لوگوں کو روزانہ ہر قسم کی نعمتیں دیتے۔ اور عورتیں ہر شب کو بعد عشا پہنچ جاتیں؛ کسی کو غلہ، کسی کو کپڑا اور کسی کو نقد دیتے اور کئی مہینے تو ملازمین کو نقد دے کر ہر محلہ میں بھجواتے کہ جو کوئی فقیر اور شکستہ حال معلوم ہو اس کو دو۔ اسی طرح سر کھیج کے حاکم کو ہر سال چاندی، سونا، کپڑے، زیور، قبائیں، دوشالے وغیرہ عنایت فرماتے اور حکم دیتے کہ بیوہ اور گوشہ نشین عورتوں کے نام لکھ کر لاؤ، وہ لکھ کر لاتے تو مال ان کے سپرد کر دیا جاتا"۔

(مرقاۃ الوصول، ص:۷۶-۷۵)

یہ صرف ایک اقتباس پیش کیا گیا ہے ورنہ "مرقاۃ الوصول" اور "تحفۃ المجالس" کی اگر سیر کی جائے تو ان میں آپ کے جود وسخا کا ایک بہتا ہوا آبشار نظر نواز ہو گا۔

وصال:

۱۴/ شوال المکرم ۸۴۹ھ بروز پنج شنبہ ۱۱۱ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور اسی خانقاہ میں دفن کیے گئے۔

(مرقاۃ الوصول، ص:۲۶۱-۲۶۲؛ تحفۃ المجالس، مجلس:۵۷، ص:۱۲۸؛ ظفر الوالہ، دفتر اول:۱/۲)

حضرت مولانا محمد بن ابی القاسم نے آپ کی رحلت پر مندرجہ ذیل رباعی کہی:

افتاد در جہاں چہ بلائے عظیم وارد　　　قطب المشائخ احمد کھتو نقل کرد
روز خمیس چار دہم عید فطر بود　　　در ہیصدو چہل نہمیں سال فصل بود

(مرقاۃ الوصول، ص:۲۶۱-۲۶۲)

اور صاحب "معارج الولایۃ" نے آپ کا سن ولادت (۷۳۸ھ) "مخدوم اولیا" سے اور سال وفات (۸۴۹ھ) "مخدوم قطب اولیا" سے اور عمر مبارک (۱۱۱) "قطب" سے استخراج کی ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء:۲/۳۱۹)

اور رسالۂ احمدیہ کے شارح شیخ ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم نے آپ کی رحلت پر ایک مرثیہ قلمبند کیا

ہے جس میں آپ کی عمر اور تاریخ وصال کو کمال مہارت کے ساتھ جمع کیا ہے۔ یہاں اس کے چند اشعار ذکر کیے جاتے ہیں۔

إن حـزنا لنا ألـم ببالي نحن كالطين وهو مثل جبال

فـات منا ولا يـفـارقـنا هـمه بـالـغـدو الآصـال

أقـسـم الله لا عدو لـه إن فـرضتم العـدو فهو المال

طاء ميم علىٰ ثـمان مـائة كـان دال وياء من الشـوال

عمـره دل أنه قـطـب مات يوم الخميس قبل زوال

ترجمہ:

(۱) بے شک میرے دل پر ایک بڑا غم طاری ہوا، ہم مثل گل کے ہیں اور وہ کوہسار کی مانند ہیں۔

(۲) وہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے مگر ان کا خیال صبح وشام ہم سے جدا نہیں ہوتا ہے۔

(۳) بخدا ان کا کوئی دشمن نہیں ہے، بالفرض اگر دشمن ہے تو وہ دولت ہے۔

(۴) طا اور میم کے عدد آٹھ سو میں ملاؤ، دال اور یا کا عدد شوال میں جوڑو۔

(۵) ان کی عمر نے نشاندہی کی کہ وہ قطب تھے اور جمعرات کے دن زوال سے قبل ان کا وصال ہوا۔

(شرح رسالۂ مغربیہ۔ قلمی، ص: ۳۵۱-۳۵۲)

ابجد کے حساب سے ط کے عدد (۹) اور م کے عدد (۴۰) ہیں جنہیں ۸۰۰ میں ملانے سے ۸۴۹ ہوتے ہیں۔ اس سے آپ کے سن رحلت کی طرف اشارہ ہوا۔ اور دال کا عدد (۴) اور یا کا عدد (۱۰) ہے جن کا ٹوٹل ۱۴ ہوا اور اس سے آپ کی تاریخ وصال ۱۴، شوال کی طرف اشارہ ہوا۔ اور آپ کی عمر ۱۱۱ سال کی ہوئی اور لفظِ قطب کا مجموعی عدد بھی ۱۱۱ ہے، گویا آپ کی عمر ہی نے آپ کا قطب ہونا بتا دیا۔ ان میں سے پہلا شعر اور آخر کے یہ دو اشعار حاجی دبیر نے بھی ظفر الوالہ میں نقل کیے ہیں۔

حضرت شیخ احمد کھٹو کے وصال پر ملال کے بعد شیخ صلاح الدین آپ کے جانشین ہوئے اور آستانہ

مبارک کی خدمت اور خانقاہ شریف کے جملہ امور ان کی تحویل میں آئے اور وہ پوری زندگی خانقاہ کا انتظام نہایت ہی حسن وخوبی سے چلاتے رہے۔

گنبد کی تعمیر:

محمد شاہ نے ۱۴۴۶ء میں آپ کے روضہ اور گنبد کی تعمیر شروع کی مگر موت نے مہلت نہ دی اور اس کا انتقال ہو گیا پھر اس کے لڑکے قطب الدین احمد شاہ (عہدِ حکومت:۸۵۵ھ تا ۸۶۳ھ) نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔(مرآۃ احمدی، ص:۸۵-۸۶)

اور اس مقبر پر بادشاہ نور الدین جہاں گیر (عہد حکومت:۱۰۴۰ھ تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) کے مہندس کے تخمینہ کے مطابق پانچ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔(توزک جہاں گیری، ص:۲۵۲)

اور "اخبار الاخیار" میں ہے:

"روضۂ منورہ او مقاییست بغایت لطیف و منزہ و مصفاو مروح کہ نظائر او بر روئے زمین کم باشد"۔

یعنی آپ کا مزار پر انوار نہایت ہی پاکیزہ، صاف ستھرا اور ہوادار ہے کہ اس کی مثال دینا میں شاید ہی کہیں ہو"۔(اخبار الاخیار، ص:۱۵۶)

شجرۂ طریقت:

حضرت شیخ احمد کو حضرت بابا اسحاق مغربی سے سلسلۂ مغربیہ میں بیعت و خلافت حاصل تھی۔ یہ سلسلہ شیخ المغرب حضرت سیدنا ابو مدین مغربی قُدِّسَ سِرُّہ کی طرف منسوب ہے اور حضرت بابا اسحاق مغربی حضرت شیخ شمس الدین محمد کیمی مغربی سے بیعت و خلافت رکھتے تھے جو دو واسطوں سے حضرت شیخ ابو مدین کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ اس طرح حضرت شیخ احمد کا شجرۂ طریقت چار واسطوں سے حضرت شیخ ابو مدین قُدِّسَ سِرُّہ سے جاملتا ہے۔ اور حضرت ابو مدین مغربی فرماتے تھے:"طريقتنا هذه أخذناها عن أبي يعَزَّى بسنده إلى الجنيد، بسنده للحسن البصري عن علي عن النبيﷺ"یعنی ہم نے یہ طریقہ حضرت ابو یعزی سے

حاصل کیا اس سند سے جو حضرت سیدنا جنید بغدادی تک اور ان سے حضرت سیدنا امام حسن بصری تک اور ان سے بذریعۂ حضرت سیدنا علی مرتضی، حضور ﷺ تک منتہی ہوتی ہے۔(نیل الابتہاج، ص:۱۹۵؛ تعریف الخلف، جلد-۱، حصہ-۲، ص:۱۱۴؛ البستان، ص:۱۱۰)

اب ذیل میں حضرت شیخ احمد کا شجرۂ مبارکہ درج کیا جارہا ہے جو شجرۂ حضرت مخدوم شیخ احمد نامی قلمی کتاب سے ماخوذ ہے۔

(۱) حضرت شیخ احمد گنج بخش مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۲) حضرت شیخ بابا اسحاق مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۳) حضرت شیخ شمس الدین محمد کیمی مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۴) حضرت شیخ ابو العباس احمد بن قریش تلمسانی مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۵) حضرت شیخ ابو محمد صالح دکاکی مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۶) حضرت شیخ ابو مدین بن شعیب مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۷) حضرت شیخ ابو یعزا مسعود اندلسی مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۸) حضرت شیخ ابو البرکات یمانی قُدِّسَ سِرُّہ

(۹) حضرت شیخ ابو الفضل بغدادی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۰) حضرت شیخ احمد غزالی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۱) حضرت شیخ ابو بکر بن عبد اللہ نسّاج طوسی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۲) حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۳) حضرت شیخ ابو عثمان مغربی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۴) حضرت شیخ ابو علی بن کاتب قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۵)حضرت شیخ ابو علی روذباری قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۶)حضرت شیخ جنید بغدادی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۷)حضرت شیخ ابوالحسن سری سقطی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۸)حضرت شیخ معروف کرخی قُدِّسَ سِرُّہ

(۱۹)حضرت شیخ داؤد بن نصر الدین طائی قُدِّسَ سِرُّہ

(۲۰)حضرت شیخ حبیب عجمی قُدِّسَ سِرُّہ

(۲۱)حضرت شیخ حسن بصری قُدِّسَ سِرُّہ

(۲۲)حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

(۲۳)حضور نبیٔ کریم محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

شجرۂ مذکورہ سے واضح ہے کہ حضرت شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ ۲۱، واسطوں سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک منتہی ہوتا ہے۔

راقم الحروف کو اسی قلمی کتاب میں حضرت علامہ عبد العزیز خالدی علیہ الرحمۃ کا ایک مجموعہ دستیاب ہوا جس میں انہوں نے مختلف شجرہائے طریقت کو منظور عربی میں ذکر کیا ہے، اسی میں حضرت شیخ احمد مغربی علیہ الرحمۃ کا شجرۂ مغربیہ بھی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی پر اپنے مضمون کا اختتام کروں۔

فرماتے ہیں:

إمام المغربي هو شيخ أحمد　　رئيسا كان في الأوادينا

وشيخه أبو إسحاق زاهد　　وشمس الدين محمد حاجينا

أبو العباس شيخ من تلمسان　　محمد صالح الدكاك فينا

وشيـــخ عـــارف كامـــل مـــكمل	أبـــو مـــدين إمـــام المـغربيـــنا
أبـــو يـــعَزَّى أبـــو البركـــات كامـــل	أبـــو فضـــل مـــن البغـداديـــنا
وشيـــخه إمـــام أحـــمد غـــزالي	شيـــخه بـــو بـــكر نســـاج فينـــا
وشـــيخ بـــو عـــلي معـــروف كاتـــب	وكـــل كـــان هـــادي الطالبينـــا
وشـــيخ بـــو عـــلي الروذبـــاري	جنيـــد كـــان رأس الكاملينـــا
وشـــيخ مغلـــس سقـــطي ســـريّ	مـــن المـــعروف خـــير الكرخيينـــا
وداود بـــن نصـــر كـــان طـــائي	حبيـــب كـــان شـــيخ الأعجمينـــا
حـــسن بصـري شـيخ في الـمعارف	رئيـــس الكـــل رأس الســـالكينا
وشيـــخ الكـــل سيـــدنا عـــلي	إمـــام في المعـــارف واليـــقينا
وســـيدنا محـــمد منتـــهى الكـــل	رســـول الله هـــادي العـــالمينا
سئـلـــنا ربـــنا بهـــم اقتـــداء	فأعـــط يـــا مجيـــب السائليـــنا
تـفـضـــل ربـــي الله الجـــواد	عـــلى عبـــد العزيـــز وعـــالمينا
وأدركـنـــا بلـطـــفك يـــا إلهـــى	وألحـقـــنا بزمـــرة صـــالحينا
وأرجـــو منـــك رحمـــة كـــل عـــالم	فـــارحم أنـــت خيـــر الراحـــمينا
أتـــى عبـــد العزيـــز إليـــك ســـائلا	فجـــد أنـــت الجـــواد الأجودينـــا

تمت بالخير

☆☆☆

فہرست

مناقبِ شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہ

۳- سلطان یعقوب منصور موحدی

۱۱-﴿شیخ ابراہیم بن شیبان قدس سرہ﴾

۱۲-﴿شیخ منصور بن خلف مغربی قدس سرہ﴾

۱۳-﴿شیخ ابوالخیر اقطع قدس سرہ﴾

۱۴-﴿شیخ ابو عثمان سعید بن سلاّم مغربی قدس سرہ﴾

۱۵-﴿شیخ ابوالحسن مغربی قدس سرہ﴾

۱۶-﴿شیخ ابوالنجم مغربی قدس سرہ﴾

۱۷-﴿شیخ ابواسحاق مغربی قدس سرہ﴾

۱۸-﴿ست الملوک مغربیہ قدس سرہا﴾

۱۹-﴿ایک مغربی درویش﴾

۲۰-﴿شیخ احمد مغربی قدس سرہ کے حالات زندگی﴾

[اجمالی]

[تفصیلی]

☆☆☆

المصادر والمراجع

١. آب كوثر لمحمد إكرام

٢. اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين للعلامة مرتضى الزبيدي

٣. الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم

٤. أحكام الدلالة على تحرير الرسالة القشيرية لشيخ الإسلام زكريا الأنصاري

٥. إحياء علوم الدين للإمام الغزالي

٦. أخبار الأخيار للشيخ عبد الحق الدهلوي

٧. الآداب للإمام البيهقي

٨. الأدب المفرد للإمام البخاري

٩. أساس البلاغة لجار الله الزمخشري

١٠. الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة للعلامة علي القاري

١١. الأسماء والصفات للإمام البيهقي

١٢. الإصابة في تمييز الصحابة للعلامة ابن حجر العسقلاني

١٣. الأعلام لخير الدين الزِرِكْلي

١٤. أنس الفقير وعز الحقير لأبي العباس أحمد الشهير بابن قنفذ القسنطيني

١٥. الأنساب للسمعاني

١٦. آئين أكبري لأبي الفضل ابن مبارك ناكوري

١٧. بحر الدموع للإمام أبي الفرج ابن الجوزي

١٨. البحر الرائق للعلامة زين الدين ابن نجيم المصري

١٩. البداية والنهاية للحافظ ابن كثير الدمشقي

٢٠. بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية لأبي سعيد الخادمي

٢١. بستان العارفين للإمام أبي زكريا النووي

٢٢. البستان في ذكر الأولياء والعلماء بتلمسان لابن مريم الشريف المليتي

٢٣. بغية الطلب في تاريخ حلب لكمال الدين ابن العديم العقيلي

٢٤. بهار شريعت لصدر الشريعة العلامة أمجد علي الأعظمي

٢٥. بهار عجم... المولوي هادي علي

٢٦. بهجة الأسرار ومعدن الأنوار للإمام نور الدين الشطنوفي

٢٧. تاج العروس من جواهر القاموس للعلامة مرتضى الزبيدي

٢٨. تاج اللغة وصحاح العربية لأبي نصر الجوهري

٢٩. تاريخ بغداد لأبي بكر الخطيب البغدادي

٣٠. تاريخ دمشق للحافظ ابن عساكر

٣١. تثقيف اللسان وتلقيح الجنان لابن مكي الصقلي

٣٢. تحصيل التعرف في معرفة الفقه والتصوف للشيخ عبد الحق الدهلوي

٣٣. تحفة المجالس لمحمود بن سويد الأيرجي

٣٤. تخريج أحاديث العادلين من الرواة للإمام شمس الدين السخاوي

٣٥. تذكرة الموضوعات للعلامة محمد بن طاهر الفتني

٣٦. الترغيب والترهيب لأبي القاسم الأصفهاني

٣٧. الترغيب والترهيب للمنذري

٣٨. التشوف إلى رجال التصوف ليوسف بن يحيى التادلي المعروف بابن الزَيَّات

٣٩. تصحيح التصحيف وتحرير التحريف لصلاح الدين الصفدي

٤٠. تعريف الخلف برجال السلف لأبي القاسم محمد الـحَفْناوي

٤١. التعريفات للإمام الشريف الجرجاني

٤٢. تفسير البيضاوي للإمام ناصر الدين البيضاوي

٤٣. تفسير الجلالين للإمام جلال الدين السيوطي والإمام جلال الدين المحلي

٤٤. تفسير الصاوي للعلامة أحمد الصاوي

٤٥. تفسير النسفي للعلامة حافظ الدين النسفي

٤٦. تفسير روح البيان للعلامة الشيخ إسماعيل الحقي

٤٧. تقريب الأصول لتسهيل الوصول للسيد أحمد بن السيد زيني دحلان

٤٨. تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين للعلامة عبد القادر الرافعي

٤٩. تنزيه الشريعة المرفوعة للعلامة نور الدين الكناني

٥٠. تهذيب الأسماء واللغات للإمام أبي زكريا النووي

٥١. تهذيب الكمال في أسماء الرجال للإمام الـمِزِّي

٥٢. توزك جهانكيري لملك المغول نور الدين جهانكير

٥٣. جامع الأحاديث للإمام جلال الدين السيوطي

٥٤. جامع كرامات الأولياء للشيخ يوسف بن إسماعيل النبهاني

٥٥. الجواهر الغوالي في ذكر الأسانيد العوالي لأبي حامد البُدَيْري

٥٦. حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي للإمام شهاب الدين الخفاجي

٥٧. حاشية الطحطاوي على الدر المختار للعلامة أحمد بن محمد الطحطاوي
٥٨. حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح للعلامة أحمد بن محمد الطحطاوي
٥٩. حسن المحاضرة في تاريخ مصر والقاهرة للإمام جلال الدين السيوطي
٦٠. حلية الأولياء للإمام أبي نعيم
٦١. خزينة الأصفياء لغلام سرور اللاهوري
٦٢. خلاصة المفاخر في مناقب الشيخ عبد القادر للإمام أبي عبد الله اليافعي
٦٣. الدعاء للإمام الطبراني
٦٤. الدعوات الكبير للإمام البيهقي
٦٥. الديباج المُذَّهَب في معرفة أعيان علماء المذهب لابن فرحون اليعمري
٦٦. ديوان أبي مدين
٦٧. ديوان عبد الغني النابُلُسي
٦٨. الذيل والتكملة لكتابي الموصول والصلة لابن عبد الملك الـمَرَّاكُشي
٦٩. رد المحتار لخاتم المحققين العلامة ابن عابدين الشامي
٧٠. الرسالة الأحمدية في مناقب المشائخ المغربية للشيخ أحمد الكهتوي المغربي
٧١. الرسالة القشيرية للإمام أبي القاسم عبد الكريم القشيري
٧٢. رسالة صفي الدين ابن أبي المنصور
٧٣. روض الرياحين في حكايات الصالحين للإمام أبي عبد الله اليافعي
٧٤. زبدة الأسرار للشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي
٧٥. الزهد الكبير للإمام البيهقي

٧٦. زوارف اللطائف شرح عوارف المعارف لسيدي المخدوم علي المهائمي
٧٧. سراج العوارف في الوصايا والمعارف لتاج العارفين أبي الحسين أحمد النوري
٧٨. سلوة الأنفاس ومحادثة الأكياس لمحمد بن جعفر الكتّاني
٧٩. سلوة العارفين وأنس المشتاقين لأبي خلف الطبري
٨٠. السلوك في طبقات العلماء والملوك لأبي عبد الله بهاء الدين الجُنْدي
٨١. سنن ابن ماجه
٨٢. سنن أبي داود
٨٣. سنن البيهقي
٨٤. سنن الترمذي
٨٥. سنن النسائي
٨٦. سير أعلام النبلاء للإمام شمس الدين الذهبي
٨٧. سير الأولياء للشيخ محمد بن المبارك الكرماني
٨٨. سيرت أحمدية لمولانا محمد بن أبي القاسم
٨٩. شجرة النور الزكية في طبقات المالكية لمحمد بن محمد مَخْلوف
٩٠. شجرۂ حضرت مخدوم شيخ أحمد للشيخ أحمد الكهتوي
٩١. شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن عماد الحنبلي
٩٢. شرح الألفية لابن عقيل
٩٣. شرح البخاري للعلامة ابن بطّال
٩٤. شرح الرسالة الأحمدية للشيخ أبي حامد إسماعيل بن إبراهيم

٩٥. شرح الرسالة القشيرية لشيخ الإسلام زكريا الأنصاري

٩٦. شرح الزرقاني للعلامة عبد الباقي الزرقاني

٩٧. شرح السنة للإمام البغوي

٩٨. شرح السير الكبير لشمس الأئمة السرخسي

٩٩. شرح الشرح للعلامة علي القاري

١٠٠. شرح العينية للعلامة حبيب أحمد بن زين الحبشي

١٠١. شرح النووي على صحيح مسلم

١٠٢. شرح تسهيل الفوائد لابن مالك

١٠٣. شرح ديوان الحماسة للمرزوقي

١٠٤. شعب الإيمان للإمام البيهقي

١٠٥. شفاء العليل وبل الغليل لخاتم المحققين العلامة ابن عابدين الشامي

١٠٦. الشكر لابن أبي الدنيا

١٠٧. صب الخمول لابن المِبْرَد الحنبلي الشهير بابن عبد الهادي

١٠٨. صحيح ابن حبان

١٠٩. صحيح البخاري

١١٠. صحيح مسلم

١١١. صد حكايات فارسي للسيد جعفر بدر عالم البخاري السهروردي

١١٢. الصراح من الصحاح لأبي الفضل جمال القرشي

١١٣. صفة الصفوة للإمام أبي الفرج ابن الجوزي

١١٤. طبقات الأولياء لابن الملقن

١١٥. طبقات السلمي

١١٦. طبقات الشافعية الكبرى للإمام تاج الدين السبكي

١١٧. طبقات الشعراني

١١٨. طبقات المناوي

١١٩. ظفر الواله بمظفر وآله لعبدالله بن عمر الآصفي

١٢٠. العاقبة في ذكر الموت لابن الخَرَّاط

١٢١. العِبَر في خبر من غَبَرَ للإمام شمس الدين الذهبي

١٢٢. عجائب المقدور في أخبار تيمور لشهاب الدين أحمد المعروف بابن عرب شاه

١٢٣. العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية للإمام أحمد رضا البريلوي

١٢٤. العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين لتقي الدين الفاسي المكي

١٢٥. عمدة القاري للإمام بدر الدين العيني

١٢٦. عمل اليوم والليلة للإمام النسائي

١٢٧. عنوان الدراية فيمن عرف من العلماء في المائة السابعة لأبي العباس الغِبريني

١٢٨. عوارف المعارف للشيخ شهاب الدين السهروردي

١٢٩. غياث اللغات للمولوي غياث الدين

١٣٠. الفتاوى الأمجدية لصدر الشريعة العلامة أمجد علي الأعظمي

١٣١. فتح الباري للعلامة ابن حجر العسقلاني

١٣٢. الفردوس للديلمي

١٣٣. الفصول المفيدة في الواو المزيدة لصلاح الدين العلائي
١٣٤. فضيلة الشكر للمحدث أبي بكر الخرائطي
١٣٥. فضيلة العادلين من الرواة لأبي نعيم الأصفهاني
١٣٦. فواتح الرحموت لملك العلماء بحر العلوم عبد العلي الأنصاري
١٣٧. الفوائد البهية في تراجم الحنفية لأبي الحسنات عبد الحي اللكهنوي
١٣٨. الفوائد الجليلة في مسلسلات ابن عقيلة لشمس الدين ابن عقيلة
١٣٩. الفوائد العجيبة في إعراب الكلمات الغريبة للعلامة ابن عابدين الشامي
١٤٠. فوائد الفؤاد للشيخ أمير حسين علي السجزي
١٤١. القاموس المحيط لمجد الدين الفيروزآبادي
١٤٢. القاموس من العربية إلى الإنجليزية
١٤٣. قرع الأسماع للشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي
١٤٤. قلائد الجواهر في مناقب عبد القادر للعلامة محمد بن يحيى التاذفي
١٤٥. قواعد التصوف للشيخ أحمد الزَرُّوْق البُرنسي المالكي
١٤٦. الكاشف لحقائق السنن (شرح الطيبي على المشكاة)
١٤٧. الكامل في التاريخ للإمام ابن الأثير الجزري
١٤٨. كتاب الأماكن لزين الدين الهمداني
١٤٩. كتاب البلدان لأحمد بن إسحاق اليعقوبي
١٥٠. كتاب المدخل للإمام ابن الحاج المالكي
١٥١. كشاف اصطلاحات الفنون لمحمد بن علي الفاروقي

١٥٢. كشف الخفاء للعلامة العجلوني

١٥٣. كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون لحاجي خليفة القسطنطيني

١٥٤. كشف القناع عن أصول السماع لمولانا فخر الدين الزرّادي

١٥٥. كنز الدقائق للعلامة نجم الدين عمر النسفي

١٥٦. كنز العمال للشيخ علي المتقي الهندي

١٥٧. الكواكب السيارة في ترتيب الزيارة لمحمد بن محمد الشهير بابن الزيّات

١٥٨. گلزار أبرار لمولانا محمد الغوثي الشُطّاري

١٥٩. لب اللباب في تحرير الأنساب للإمام جلال الدين السيوطي

١٦٠. اللباب في تهذيب الأنساب للإمام ابن الأثير الجزري

١٦١. لسان العرب لابن منظور الرُوَيْفِعي

١٦٢. لسان الميزان للعلامة ابن حجر العسقلاني

١٦٣. لمعات التنقيح للشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي

١٦٤. المحكم والمحيط الأعظم لابن سِيْدَه المُرْسي

١٦٥. مختار الصحاح لزين الدين الرازي

١٦٦. المختار من مناقب الأخيار للإمام ابن الأثير الجزري

١٦٧. مرآة الجنان وعبرة اليقظان للإمام أبي عبد الله اليافعي

١٦٨. مرآة الزمان في تواريخ الأعيان لشمس الدين أبي المظفر سبط ابن الجوزي

١٦٩. مرآت أحمدي لمحمد حسن بن محمد علي

١٧٠. مرآتِ سكندري لسكندر بن محمد المعروف بمنجهو

١٧١. مراصد الاطلاع على أسماء الأمكنة والبقاع لصفي الدين الحنبلي

١٧٢. مرقاة المفاتيح للعلامة علي القاري

١٧٣. مرقاة الوصول إلى الله والرسول لمولانا محمد ابن أبي القاسم

١٧٤. المسالك والممالك لأبي إسحاق الكرخي

١٧٥. المستدرك للحاكم أبي عبد الله النيشابوري

١٧٦. مسند البزار

١٧٧. مسند الشاميين للإمام الطبراني

١٧٨. مسند حنبل

١٧٩. مسند عبد بن حميد

١٨٠. المسند للحارث بن أسامة

١٨١. مشكل الآثار للإمام الطحاوي

١٨٢. المصنف لابن أبي شيبة

١٨٣. المعجم الأوسط لأبي القاسم الطبراني

١٨٤. معجم البلدان لياقوت الحموي

١٨٥. معجم الصحابة لابن قانع

١٨٦. المعجم الكبير لأبي القاسم الطبراني

١٨٧. المعزى في مناقب أبي يعَزَّى لأحمد التادلي الصومعي

١٨٨. المُغرِب في ترتيب المعرب للمُطَرِّزي

١٨٩. المغني في ضبط أسماء الرجال للعلامة الشيخ محمد طاهر الفتني

١٩٠. المفردات للإمام الراغب
١٩١. المقاصد الحسنة لشمس الدين السخاوي
١٩٢. مقاييس اللغة لأبي الحسين الرازي
١٩٣. المقفى الكبير لتقي الدين الـمَقْرِيزي
١٩٤. منتخب التواريخ للملا عبد القادر ابن ملوك شاه البدايوني
١٩٥. منتخب اللغات للسيد عبد الرشيد الحسينى التَتْوِى
١٩٦. المنتظم في تاريخ الملوك والأمم للإمام أبي الفرج ابن الجوزي
١٩٧. منتهى الأَرَب في لغة العرب لعبد الرحيم بن عبد الكريم الصفي پوري
١٩٨. المنهاج الواضح في كرامات أبي محمد صالح لأحمد بن إبراهيم الماجري
١٩٩. موارد الظمآن للإمام البيهقي
٢٠٠. المواهب اللدنية للعلامة أحمد القسطلاني
٢٠١. نتائج الأفكار القدسية للعلامة السيد المصطفى العروسي
٢٠٢. نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر لعبد الحي
٢٠٣. نفائس اللغات للمولوي أوحد الدين البلجرامي
٢٠٤. نفح الطيب من غصن أندلس الرطيب لأحمد بن محمد الـمَقَرِّي
٢٠٥. نفحات الأنس للعلامة نور الدين عبد الرحمن الجامي
٢٠٦. نقاء السلافة في أحكام البيعة والخلافة للإمام أحمد رضا القادري
٢٠٧. النهاية في غريب الحديث والأثر للإمام ابن الأثير الجزري
٢٠٨. نيل الابتهاج بتطريز الديباج لأحمد بابا التُـنْـبَـكْـتي

٢٠٩. الوافي بالوفيات لصلاح الدين الصَفَدي

٢١٠. وفيات الأعيان لابن خَلِّكان

٢١١. اليواقيت والجواهر في بيان عقائد الأكابر للإمام عبد الوهاب الشعراني.

Publisher
SADRUSH SHARIYA ACADEMY
Porbandar, Gujarat, India